

علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی

بیش بہا علمی کارنامے کے

انوار القرآن

مطالعہ قرآن

اصول و فروع

نفوس عصمت

قمری ہاشم

ابو طالب مومن قریش

نص و اجتہاد

فدک تاریخ کی روشنی میں

مجھے راستہ مل گیا

کربلا

اسلامی بینک

پیرہ

خاندان و انسان

عقیدہ و جہاد

اسلام دین عقیدہ و عمل

محافل و مجالس ۲ جلد

بضعتہ الرسول

عرفان رسالت

کربلا شناسی

رسالت الہیہ

کلام کلیم

سلام کلیم

حصہ اول

مصنف

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

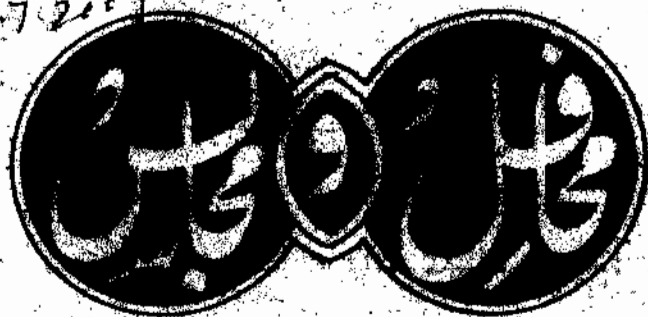
مذہبی دنیا

۱۹۵ بخشی بازار الہ آباد فون: ۶۰۶۶۳۶۱

جامعہ امامیہ انوار العلوم مرزا غالب روڈ الہ آباد

تنظیم المکاتیب جگت نرائن روڈ لکھنؤ

بمستطاب
سید نذیر عباس رشتی
6.7.2009



حصہ اول

تصنیف

علامہ الشیخ ذیشان حیدر جواد

خاستہ

محمد انعام نقوی
مدہ بی دنیا ۱۹۵۱ عشی بازار الہ آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور سرور کائنات سے

امام زین العابدین تک

چھ مہینوں کی داستان عظمت و عزیمت

تصنیف

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عاطف و محاسن

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

سید حسن اختر

RP 80.00

مہم کتاب

تصنیف

کتابت

۱۱

MAZHABI DUNIYA
195 BUXI BAZAR
ALLAHABAD-211 003, PHONE : 606636

مذہبی دنیا

مذہبی دنیا ۱۹۵ بخش بازار الہ آباد

اسلام

دنیا کی ہر شے تغیر پذیر ہے، یہ سب عبادہ کملہ سے انقلابات کی گرفت سے کٹنا نہیں ہے،
جنانچہ خاکری کے میدان میں کچھ جس قدر تغیرات اور انقلابات رونما ہوئے ہیں وہ بالکل بصیرت
کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ایک درودہ بھی یا جب قوم میں دلالتوں سے ہٹ کر نہیں سلا
ظلم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اور ضرورت وقت نے ہر شخص کو اپنے انداز بیان کی تبدیلی پر آمادہ کیا
یہ تبدیلی کس حد تک ہوئی؟ اور اس کی پشت پر کون سے انقلابی عوامل کار فرما تھے؟ یہ بات نہیں
کواں تھا اپنے والی اور فسادات کو ہلانے والی ہے۔ اس پر گفتگو کرنا مختصر کی پالی کے مترادف
ہے اس لئے اس سے قطع نظر کہ صرف اس مسئلہ پر نگاہ رکھا ہے کہ بدلتے ہوئے
عصری تقاضوں نے جدید قسم کی بالاس دہائی کے مسودات کا مطالبہ کیا اور کھلی ہوئی بات
ہے کہ اجمالاً ذاکرین ہر میدان میں اپنے علم و فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں لیکن ابتدائی
اور متوسط درجہ کے ذاکرین کے لئے یہ انقلابات ایک بیجاں یاں اور احساس حرام
لے کھاتے ہیں۔

ذاکری کے مسودات کی کتابیں بنانا دل میں بھری پڑی ہیں اور آئے دن
مختلف انداز کے مسودات خائے ہوتے رہتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس رخ
بغیر خواہ تو چہ نہیں دی گئی۔

آج سے چند سال قبل جب اپنی "ایمانی بصیرت" کی بنا پر میں نے آئینہ
انقلاب نقوی آہستہ آہستہ کی تھی تو قلم کو اس میدان کی طرف موڑ دیا تھا۔ جسے دیکھ
مسودہ پہلے ہی شائع ہو چکے تھے اور ان کے مقدمہ میں اس تازہ ترین سبب کی طرف

اسلام

خدا کا شکر ہے کہ جناب علامہ کا اس المیہ کا تصنیف کا پہلا ایڈیشن اپنی قدرت
انادیت اور مقبولیت کی بناء پر ایک ہی سال کے اندر ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور اب ہم اس کا دوسرا
ایڈیشن شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

جناب علامہ کا ہمیشہ سے یہ شمار رہا ہے کہ انھوں نے بہ تقاضائے وقت جن
مبطلوں کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں اپنے بیان کو صرف فضائل و مصائب کے
رسمی انداز تک محدود نہیں رکھا بلکہ حضرات سچو میں کے واقعات زندگی ان کے بلند کردار
کا مدنی میں ایک ایسا نظام رتبہ کھایا ہے جس سے ملت اسلامیہ براہ مستقیمہ
برقی رہے۔ اس میں دینی شعور پیدا رہے اور ان کے تہذیبی و اخلاقی میں جہلا
پیدا ہوئے۔ آج کل میں ایسے ہی کردار سارے تقاضوں کی ضرورت ہے، اور
جناب علامہ نے حتی الامکان اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

والسلام

فہرست

- ۱۱ پہلی مجلس داستان عظمت سرکار دہلی
- ۳۱ پہلی مجلس داستان عزیمت سرکار دہلی
- ۵۵ دوسری مجلس داستان عظمت مولائے کائنات
- ۷۶ دوسری مجلس داستان عزیمت مولائے کائنات
- ۱۰۳ تیسری مجلس داستان عظمت صدیق طاہرہ
- ۱۲۰ تیسری مجلس داستان عزیمت صدیق طاہرہ
- ۱۴۲ چوتھی مجلس داستان عظمت امام حسن مجتبیٰ
- ۱۶۳ چوتھی مجلس داستان عزیمت امام حسن مجتبیٰ
- ۱۸۳ پانچویں مجلس داستان عظمت سرکار الشہداء
- ۲۰۲ پانچویں مجلس داستان عزیمت سرکار الشہداء
- ۲۲۳ چھٹی مجلس داستان عظمت امامزین العابدین
- ۲۴۴ چھٹی مجلس داستان عزیمت امامزین العابدین

اشادہ تالیفیں و رسائل میں حالات نے پھر فریق کے رُخ کو موڑ دیا اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ کتاب سماج حیات کی تالیف علمی شخصیت بنتی ہے اور ذاکری کے مسودات کی کتاب سے شخصیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کا شائد الہامات و تصنیفات میں برتا ہے۔

تقریباً چھ سو سال قبل میں انگریزوں نے پیدا ہو جانے والے اور بڑھتی ہوئی نفس بظاہر جانیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ بعض غیبی عوامل نے سہارا دیا اور سوانح حیات مصوہ میں کو بہ شکل حوالہ دیا۔ اس مرتب کرنے کی کوشش یہ سہادت کچھ اچھی تاہم انھیں ایک شخص بڑھے تو سب کو ملنا انسانوں تک خود بخود آواز پہنچ جائے۔

ہندوستان میں کتاب کی تالیف کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم مسئلہ اس کی طباعت اور اشاعت کا ہے۔ یہ مسائل کچھ کم قیامت فز نہیں ہوتے ہیں۔

غیر محکماتی ہوتا ہے اور کام مکمل نہیں ہوتا۔ مزید کا مسئلہ اپنی جگہ پر ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ پہلے ایڈیشن میں بیکر دیم ختم غرض طنائی مرحوم (اختر علی) کے فرزندوں نے اس امر کی طرف توجہ کی تھی اور اپنے والد مرحوم کے احوال کو اب کے لئے اتنی غور سے دیکھا کہ وہ کتاب کی اشاعت کو سہارا مل گیا تھا اور اب دوسرا ایڈیشن تیار ہی دیا۔ میرٹھ سے فخر علی اکبر باہر مذہبی دنیا الگ آباد کا بنیاد درجہ فعال اور دیانتدار ادارہ ہے۔ ایک ایک حوالہ افزائی کرنا یقیناً باعث اچھوتاب ہے۔ سب کو ہم سے دعا ہے کہ خدا سب کی توفیقات میں اہم اضافے کے ساتھ کتاب کو افادہ عام کا سبب قرار دے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی منظر عام پر آچکا ہے اور قریب قریب تمام مکتبوں کام دوسرے ایڈیشن کا انتظام کرنے سے پہلے کتاب فراہم کر لیں۔

والسلام علی من اتبع الهدی

السید ایشان جہر جواہی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسم مبارک	: احمدؐ، محمدؐ
لقب	: مصطفیٰؐ، بشیرؐ، نذیرؐ، وغیرہؐ
کنیت	: ابو القاسمؐ
والد ماجد	: جناب عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشمؐ
والدہ ماجدہ	: جناب آمنہ بنت وہب بن عبدمنافؐ
ولادت	: ۱۲ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ عام الفیل جمعہ شعب الثانیؐ
بادشاہ وقت	: نو شیروان عادلؐ
ازواج	: تیرہؐ (جناب خدیجہؐ، جناب ام سلمہؐ وغیرہؐ)
اولاد	: جناب یسّٰہؐ، قاسمؐ، طہرؐ، ابراہیمؐ
شہادت	: ۱۲ صفر ۱۰۰۰ھ بروز دوشنبہ مدینہ منورہؐ
عمر شریف	: ۶۳ سالؐ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

پہلی محفل داستان عظمت سرکارِ دہلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَنْبِيَاؤِہِمْ وَآلِہِمْ
وَاٰلِہٖمْ سَلَامٌ نَّارُوْهُمَا اَبٰی الْقَابِضِ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ
وَنَسْتَغْفِرُكَ عَلٰى اَعْدَائِكَ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ اَلْحَمْدُ لِيْ كِتَابًا اَكْبَرًا
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْاَمْرَ اَلْكَبِيْرَ وَاِنَّا لَنَّا لِلْعَمَلِ وَالْاَوَّلِ

ملک کا مٹا کر عالم انسانیت کو اپنے کرم اور اپنی محبت کا طے کر کے
نئے ارشاد فرما رہے کہ ہدایت کی ذرا داری ہمارے آگے ہے اور دنیا و آخرت کا
اعتبار ہمارے احوال میں ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ تمہارا کوئی فرض نہیں ہے اور تم پر
کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ یہ اعلان درحقیقت دو قسم کے نظریات کی تردید ہے
جو خالق کائنات سے ربط رکھنے والوں نے اپنے ذہن میں قائم کر رکھے ہیں اور جن کی
بنیاد غلطی کا ایک اصول عالم موجود میں آگیا ہے۔

خالق کائنات کے مسئلہ پر غور کرنے والے دو طرح کے ہیں۔

بعض افراد وہ ہیں جنہوں نے خالق کائنات کو اپنے مسائلِ حیات سے بالکل
اجنبی اور بیگانہ بنا دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اسے ہمارے معاملات میں
داخل ویسے کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام حق کو انکار کر دینا یا اسے
خیر و شر میں اندازہ مارنے کا نامہ و مفصلان کے مسائل کیا ہیں اس سے اس کا
کوئی تعلق نہیں ہے، انہیں ہم خود بہتر جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں صاحب
شعور و ادراک بنایا ہے۔ ہم عاجل و متصل و ہم ہیں، ہمارے پاس فکر و تشکر
کی قوتیں ہیں، ہمارے پاس قلب و دماغ کا سرمایہ ہے۔ ہمیں کئی ہدایت

کی ضرورت نہیں ہے، اس کا کوئی قانون و ذکر نہیں ہے، کسی ضابطہ زندگی کی ضرورت ہے ہم نے یہ باتیں یاد رہیں گے۔

ان بے چاروں کو کتنا بھی شہرہ نہیں ہے کہ اگر اس باشندہ سنجی نے یہ شہرہ دے دیا تو کیا ہوتا؟ اس خالق عظیم نے یہ جو ہر عقل و ذہن پر فرما دیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ جو کچھ ہے سب اس کے کرم کا نتیجہ ہے اور جو سب سے سب اس کا عطا کیا ہوا ہے۔ یہ انسانی ذہن نہیں ہے کہ انسان نے عقل و شعور کا معرفت بناوٹ کو قرار دیا ہے اور اس کے ذہن میں شعور و ادراک کا کس فائدہ یہ ہے جو پیدا کرنے والے کا انکار کر دیا جائے اور اس کی ہستی کو غیر ضروری و بیفین اور بے فائدہ قرار دے دیا جائے۔ اسے کچھ بھی عظمت خالق کا اندازہ ہوتا تو اس کے خیالات یہ نہ ہوتے اور اس کا ہر پتہ فکر و منظر ایسا نہ ہوتا، اسے کم از کم یہ ضرور ہوتا کہ جس نے پیدا کر کے نعمت زندگی عطا ہے جسے عدم کو وجود کا لباس پہنایا ہے، وہ ہمارے حال پر مہربان ہے اور ہمارے مسائل کو کم سے زیادہ جانتے والا ہے۔ لیکن نفس پرست انسان نے غواہشات کو خدا بنا کر ذاتی خدا کے وجود سے انکار کر دیا اور اس کو سرایہ فکر و نظر سمجھنے لگا۔

یہ بات صرف دنیائے گفروالہام تک محدود ہوتی تو کسی حد تک مبرر آجاتا اور یہ کہنے کا سوچ ہوتا کہ جن افراد نے مسیحی معبود ہی کو نہیں پہچانا ان سے اس سے زیادہ کیا توقع کی جاسکتی ہے لیکن قیامت یہ ہے کہ نارتھ کے ایک کٹر برہمن خیال مسلمان کے ذہن میں بھی پیدا ہو گیا تھا اور جن انداز نکلا امت قرآن نے لکھا پیدا کر دیا تھا۔ آپ یہ تہذیب نہ کریں

کو اسلام میں ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے اور وعدہ لاشریک کا کلمہ پڑھنے طلب امت اس غبار فکر کو کیوں کلا پنا سکتی ہے۔ اس لئے کہ ایک لمحہ کے لئے حیات مرل اعظم کے بعد کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ بک آجاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مسائل میں اپنے کو خود مختار اور زیادہ عارف و عاقل نہ سمجھ لیا ہوتا اور یہ بالکلین کو حیات و کائنات کے مسائل سے بیگانہ نہ کر دیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ خدا اور رسول کے مفرد کئے ہوئے نمائندہ کے ہوتے ہوئے کوئی نیا انتخاب عمل میں آتا اور کسی نے ذرا امت کی ضرورت محسوس نہ کی۔ یہ انتخاب خود بتا ہوا ہے کہ امت کو خدا پر اعتماد نہیں ہے اور وہ اپنے وجود کو خدا اور رسول سے زیادہ اپنے مسائل کا ذمہ دار سمجھتی ہے اور یہ ایک ایسا نقطہ امتیاز تھا جس سے امت کے دو حصے ہو گئے۔ خدا اور رسول پر اعتماد کرنے والوں نے اس کے نمائندہ کا اختیار کیا اور اپنے نفس کے پرستاروں نے اس نمائندہ کو آگے بڑھایا جسے انہوں نے خود منتخب کیا تھا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ امت اسلامیہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک حصہ اپنے نفس کا پرستار ہو گیا اور ایک نفس اللہ کا پرستار ہو گیا۔

ایسے افراد ہر دھرم میں پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے رب العالمین کو اپنے مسائل سے بے غور کر دیا ہے اور اپنے مسائل کے خود ذمہ دار بنے رہے ہیں اور ایسے افراد بھی ہوتے رہے ہیں جنہوں نے کمال ایمان و عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے جملہ فتنہ واریاں اسی کے سر رکھ رکھا ہیں اور بظاہر ان کا خیال ہے کہ ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اسی کا فریض ہے کہ ہمیں ماہ راست پر لگائے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ میں جنت تک پہنچائے۔ ہمارے پاس نہ کوئی اختیار ہے نہ ہماری کوئی ذمہ داری۔

مسائل سے ملک بھی نہ رکھا جائے اور اسے تمام تر ذمہ دار بھی نہ بنایا جائے۔ یہی نقطہ ہے کہ وہ دربان راستہ ہے جسے اہل بیت اطہار نے اختیار فرمایا ہے اور جسے ہر ذرا اختیار کی بحث میں جامعہ اعتدال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا جن لوگوں کے عقائد میں عدالت داخل نہیں ہے وہ کبھی منزل سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے رہ جاتے ہیں اور جن کے عقائد میں عدالت ایک بنیادی نقطہ ہے وہ درمیانی راستہ ہی پر رہتے ہیں، ان کو کبھی آگے بڑھتے ہیں نہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور ہم نے تو یہ منظر میدانِ غدیر میں عاتقِ معان دیکھا ہے کہ نقطہ اعتدال کو کھانے والے بنیاد بننے آگے بڑھ جانے والوں کو پیچھے بلایا اور پیچھے رہ جانے والوں کا ارتکاب کیا کہ سب اکٹھا ہو جائیں تو عقلی کی ولایت کا اعلان کیا جائے اور یہ واضح کر دیا جائے کہ اسلام کا نقطہ اعتدال یہی ہے اور اس سے آگے بڑھ جانے والا بھی ظالم ہے اور اس سے پیچھے رہ جانے والا بھی مظلوم ہے۔ لا ینال علی حدی الاعمالین۔ یاد رکھو! ہذا جملہ کا مین کو نہیں مل سکتا۔ مسلمات،

یاد رکھئے! شریعت کی ہدایت کی ذمہ داری پر درگاہ پر ہے اور علم انسانیت کو راہ دکھانے کا فرض اس نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اسی فرض کی ادائیگی تھی جس نے عقلی کائنات میں اس ترتیب کو پیش نظر رکھا کہ راہِ راست پر چلتے والے بعد میں پیدا ہوں اور راہِ ہٹا پہلے پیدا ہو جائے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ راستہ تو چھٹے والے موجود تھے اور راستہ بنانے والا کوئی نہ تھا۔ منزل تک جانے والے موجود تھے اور منزل تک لے جانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ بحث اہل اور مکرم پر درگاہ کا تقاضہ تھا کہ اس نے عدم کے سناٹے کو راہ ہٹا سے توڑا۔ راہ ہٹا سے نہیں کائنات کا وجود اول راہ پر کو بنایا۔ راہ تو گونہیں۔ یاد رکھئے! عقلوں میں

یہ گواہی کا عقیدہ ہے جس کے پرستار بڑے غلو مند سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب نبیؐ حکم خدا کے پیش بھی نہیں مل سکتا تو زندہ کیسے پیش کر سکتا ہے۔ زندہ کے جملہ افعال کی ذمہ داری پر درگاہ پر ہے۔ ان افراد نے دوسرے کی بھی زحمت نہیں کی کہ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ علم خدا کے نبیؐ پر نہیں مل سکتا۔ اس میں حکم کا کوئی وزن نہیں ہے اور علم اور ہے اور علم اور علم کا قیاس حکم پر نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے عبارات یہ ہے کہ قرآن کے سلسلے میں تو لفظ حکم کا استعمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس خود داد و پاک اور قدرت و اختیار نہیں ہے لیکن انسان کے بارے میں اس لفظ کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ وہ صاحبِ خود داد و پاک ہے اور اس کے پاس جو عقل ہے، وہی ہے۔ وہ قرآن کو ہدایت دینے والا ہے خود پر نہیں ہے۔ وہ قرآن کو توڑ دلا ہے اور واضح لفظوں میں ہمارا کونٹہ پونٹہ ڈال دیا ہے، ہمارے رخ پر آڑے ڈالنے والا نہیں ہے۔

مسلمات۔

مقصود حکام یہ ہے کہ دنیا میں وہ طرح کے انسان پیدا ہوتے رہے ہیں اور مالک کائنات نے اس آیت میں دونوں کے نظریات کی تردید کی ہے جو افراد اسے اپنے مسائل حیات سے الگ رکھنا چاہتے ہیں انھیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہدایت اور رہنمائی کی ذمہ داری اس کا ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار اسی کے ہاتھوں میں ہے اور جو لوگ اسے تمام تر ذمہ دار بنا دیتے ہیں اور اپنے کو ہر منزل پر سبکدوش کر لینا چاہتے ہیں انھیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس پر مقصد ہدایت کی ذمہ داری ہر انگی پھر ہر منزل تک پہنچانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس نے معانِ لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ ہم نے جس راستہ کی ہدایت کر دی، اب جاوے انسان شکر یہ ادا کرے یا کافر و کفر ہو جائے۔ تو یہ کہنا بڑے گا کہ اسلام کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ خدا کو اپنے

آخری زمانہ بڑھ غریب سے ظہور کرے گا اور آسمان سے جاب علی اس کے نیچے نماز
جماعت ادا کریں گے صلوات

عزیزانِ محترم! غلط فہمی رہے کہ جاب علی کے بعد احوال کی نسل میں
انبیاء و مرسلین نہیں آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ ان میں کوئی صاحبِ کرم و وار
اور صاحبِ ایمان نہیں تھا۔ کسی کی عظمت و جلالت میں کوئی نقص تھا۔ ہرگز نہیں!
یہ سب اللہ والے تھے۔ سب کا ایمان توحید پروردگار پر تھا۔ سب اپنے جدِ حق و حاکم
کی تلق پر قائم تھے۔ نقطہ عہدوں کا سلسلہ فرد سے نہیں ہوتا تھا اور وہ اپنے وقت
کا انتظار کر رہا تھا اور شاید ہی نصرت رہی ہو کہ جسے جیسا عہدہ دینا ہو گا اسکے
لئے دیا ہی زمانہ اختیار کیا جائے گا۔ اور قدرت ہر تاجا جی ہو کہ جس سے سلسلہ کو
ختم کر دینا ہے اس کی نسل کو منتخب پہلے دیا جائے گا اور جس کی نسل کے اقتدار کو باقی
رکھنا ہے اس کا سلسلہ منصبِ جید میں قائم کیا جائے گا۔ اور یہاں وہ ہے کہ
منزلِ اسحاق کی منصبِ کلدت ختم ہو گئی اور نسلِ اسمعیل کی شرافت آج تک قائم ہے۔ آپ
یہ نہ خیال فرمائیں کہ نسلِ اسحاق میں کسی تو جاب علیؑ زندہ ہو جاتا ہے اور اوروں کو ایک
نہی قائم و دائم ہے اس لئے کہ جاب علیؑ کے وجود میں تو کوئی خیمہ نہیں ہے۔ وہ
مسلماتِ اسلام و قرآن میں ہے لیکن ان کی خیمہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور اب وہ
ایک نمائندہ پروردگار کی خیمت سے نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کے نبی و رسول نہیں ہیں
ان کا کتابِ نبوت ہو گئی ہے ان کی شریعت ختم ہو گئی ہے ان کا دور تمام ہو چکا ہے
اور ان سب کی زندہ دلیل یہ ہے کہ اب جب وہاں گئے تو کسی صاحبِ شریعت کو نماز
پڑھانے کے لئے نہیں آئیں گے اور جب صاحبِ شریعت۔ دارتِ شریعت کے نیچے
نماز پڑھانے کو سمجھ لیجئے گا کہ ایک کی شریعت ختم ہو چکی ہے اور ایک کی شریعت باقی

اس کا کیا نہیں ہے تو کیا وہ کہ جسے شرفِ قربانی نہیں ملا اس کی پوری نسل کو نبی بنا
دیا اور جس نے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اس کی نسل میں کوئی نبی و رسول نہیں آتا ہے
پس مسئلہ یہ ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ آوازِ قدرت آئی۔ جسے پڑے اپریشان نہ ہو میر
کرم میں کوئی کمی نہیں ہے، میرے خزانہ قدرت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ میں
کمالات کا تدوین ہوں، میں ایثار و قربانی کی عظمتوں کو پہچانتا ہوں میں مصلحت
کا انتظار کر رہا ہوں۔ وقت آنے پر میں اپنے کرم کا مظاہرہ کروں گا۔ میرا نشانہ
اس سلسلہ میں پہلی ہی منزل پر پہنچے انتظار کا عادی بنا دیا جائے تاکہ آخری
پہنچا میں کوئی زحمت نہ ہو۔

جن لوگوں نے کھنسل اسمعیل کے پہلے راہنما کا انتظار کیا تھا وہ آج
آخری کا بھی کر رہے ہیں اور جو کھنسل انتظار کے مخالف تھے وہ آج بھی انتظار
کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان میں کہیں گا کہ کل جیسے جیسے نسل اکل کے
انبیاء گزرتے جاتے تھے انتظار شدید تر ہوتا جاتا تھا کہ اب زمانہ قریب
آ گیا ہے۔ اب آئیں گا اور ہے اور جو اس سلسلہ کے آخری پیغمبر جاب علیؑ
تھے اس لئے سب سے زیادہ اس آخری وارث اسمعیلؑ پیغمبر کا انتظار انہیں کو
رہا ہو گا وہ ہم لوگ اس بات کے متحرک رہے ہوں گے کہ کب خدا اس وارث
اسمعیلؑ کو بھیجے اور میرے بعد آیا اس سلسلہ اور مہاتما پروردگار دنیا بھر
کسی نمک سے روشناس ہو۔ اور شاید جاب علیؑ کی ہی ادا قدرت کو
پسند آگیا کہ اس نے آواز دی کہ اے صلیبی تم نے پہلی منزل پر انتظار شدید
کا شرف حاصل کیا ہے تو آخری منزل پر بھی یہ شرف تمہیں کو عطا کروں گا آج
بکھ آسمان پر بھی انتظار کر رہے ہیں اور اللہ اللہ وہ وقت آج کا جب نسل اسمعیل کا

تھے اور جاہلیت کی فضا میں علم و عمل کی شمع روشن کی ہوئے تھے۔

جناب قطیفی کے بعد ان کے فرزند جناب عبدالغنی کا کردار ہے جن کے علاوہ چار بیٹے تھے۔
 کا یہ عالم تھا کہ انھیں قمر بٹھا کیا جاتا تھا اور باطنی دعا بت و شرافت کا اعتبار ہے
 شہر اور اشعار نظم کیا کرتے تھے کہ جس مسافر کو کوئی بیرونان نہ ملتا ہوا وہ عید منائے گھر
 جلا جلے۔ فقیر سے امیر ہر جایگاہ اور بازار سے دولت مند بیکر و لبس آئے گا۔ جناب عبدالغنی
 نے اپنے ماں باپ کی نیابت میں عرب کی سرداری سنبھالی اور خانہ کعبہ کی تولیت کا کام انجام
 دیا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اجتماعی زندگی اور نظم حکومت کا شعور سب سے پہلے
 حضور سرور کائنات کے جہا علی جناب قطیفی نے دیا ہے اور اس شعور کو کمال محبت گئی کا
 شرف جناب عبدالغنی نے بخشا ہے۔

جناب عبدالغنی کے بعد ان کے فرزند جناب ہاشم کا دور ہے۔ اس نے جن کے
 کردار کی بلندی کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کا نام ہاشم تھا نہیں ہو گیا تھا، ہاشم
 کے معنی چوڑے کرنے اور بڑے کرنے والے ہیں۔ آپ کے اس لقب کا مانہ یہ تھا جو جب
 عرب میں قحط پڑا تو آپ سفر تجارت پر گئے ہوئے تھے۔ جیسے ہی آپ کو اطلاع
 ملی کہ ملک میں قحط پڑا ہوا ہے فوراً واپس آ گئے اور سارا آٹا و دال کی شکل میں تبدیل
 کر کے اسے چوڑے کر کے عرب کی لذیذ ترین غذا بنار کی اور ساری قوم کو کھلایا۔ تاکہ
 خلقت خدا بھوک نہ رہے۔ انسانوں کا کیا ذکر ہو! میں ارٹھنے ہوئے ہوں کہ بھی
 آپ کے کرم سے عوام نہ تھے اور ان کی غذا کا بھی بند و ملت فرما دیا کرتے
 تھے حکومتی مابندوں کا سنگبہ بنایا جناب ہاشم نے رکھا جب آپ سفر تجارت
 پر گئے اور قحط مردم سے تعلقات قائم ہو گئے تو آپ نے پہلا گایا یا سبھام دیا
 کہ کما کے باجروں پر سے سرکادی میس اٹھانے اور انھیں سفر کی سہولتیں فراہم

ہے۔ ایک شخص کہ میرا دشمن ہو چکا ہے اور ایک کا منصب یا قیام قیامت قائم رہے
 صلوات

عزیزانِ گرامی! ادا میں وقت میں گنجائش نہیں ہے اور دامنِ تاریخ میں بھی
 اتنا دست نہیں ہے کہ سب اہلِ اسمعیل سے ایک ایک فرد کی جلالت پر روشنی ڈال جائے۔
 البتہ یہ بات پر آسانی کہی جاسکتی ہے کہ سب اہلِ اسماعیل میں عزیزوں کے سلسلہ کے خاتمہ پر اور
 جناب علی کے آسمان پر چلے جانے کے بعد سے امت کی قیادت کا شرف بارہ حصہ سب اہلِ اسمعیل
 ہی میں رہا ہے اور یہی وہ افراد تھے جو جزیرۃ العرب میں قوم و ملت کی رہنمائی کا فرض
 انجام دے رہے تھے تقریباً پانچ سو سال تک اور یہاں جناب علیؑ کے کوئی کون تھا اور
 فریضہ ہدایت کس کس کے سپرد تھا اس کا تفصیلی تذکرہ تاریخ میں نہیں ہے لیکن اچانک یہ کہا
 جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ بہر حال قائم تھا اور زمین و جوت خدا سے خالی نہیں تھی۔ اب وہ کون
 تھا جو اس فرض کو انجام دے رہا تھا اس کا کوئی تفصیل ذکر نہیں ہے البتہ اس دور میں
 جب ارمیا جناب علیؑ کے تذکرے اور ان کے تبلیغ کا زمانہ پرورہ راز میں تھے سب اسمعیل کے
 کارنامہ شرف تاریخ پر نظر آ رہے تھے اور ایسا غور میں ہر اس شخص کو قدرت اپنی غامضی اور امت
 کی قیادت درہمیز کا کام انھیں نمایاں افراد کے سپرد کر چکی ہے جب کہ بعض شخصیتوں کے بارے
 میں مراد کبھی ملتا ہے۔ اس وقت اس مجموعہ پر بحث کو احتیاطاً نہیں کیا مرن یہ بتانا ہے کہ
 سب اسمعیل کے کارنامہ شرف تاریخ سے بے شک نہیں جاسکتے اور یہ تاریخ پر بحث چھٹکا ہے۔ یہ
 وہ جناب علیؑ کی کل فیض میں نے عرب کو تیار کیا اور ملک خداؤں میں ہی ہوئی تو
 کو جناسی شعور دیا۔ دنیا کو جینے کا انداز سکھایا اور دولت کے گڑھے میں پڑی ہوئی قوم کو
 عزت کا احساس بخفا، اہلِ اسمعیل میں تھے جناب علیؑ کے نمایاں کلان دامن تاریخ میں
 محض وہ ہیں، ان کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کے دور میں مبارک ہوا

یہی کوئی قصہ تھا اور اس نے بھی کسی کا کچھ بگاڑا تھا کہ اس کے ہندم کرنے کا ارادہ کر لیا گیا وہ لیا تے اسلام جواب دیگی کو نہیں! لہذا کوئی کتا مارنے اس بات کو مانگتا تھا یہی ہے کو باطل اپنے قصہ میں اہل حق کو تباہ کر دینا چاہتا ہے اور جب باطل حق کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور ذلت کا احساس کرتا ہے تو اس کے پاس ایک ہی حربہ رہتا ہے کہ وہ حق کو تباہ و برباد کر دے تاکہ باطل کو فروغ حاصل ہو اور لوگ حق کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں لیکن یہ بھی نارتھی کا ایک فیصلہ ہے کہ حق بہر حال زندہ رہتا ہے اور باطل بہر حال فنا ہو جاتا ہے۔ دنیا نے اسلام اس واقعے سے سبق لیتی تو یہیت اور اہلبیت کے رابطہ کو سمجھ لیتی۔ اگر ہر نہ بیت کے مقابلہ میں بیت بنایا اور دنیا نے اہلبیت کے مقابلہ میں افراد تیار کئے۔ اہل بیت کی عظمت و گت سبھی تو اسے مہندم کرنے کا اسادہ کیا گیا اور اہل بیت کے مقابلہ میں فرقہ وارانہ نہیں قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن خدا کا کرم ہے کہ دونوں کی حفاظت محفوظ رہی اور آج بیت و اہلبیت دونوں کے دشمن محفوظ رہا ہے نہ ہر پہنچے جو منظر میں بیت محفوظ ہے۔ اور پڑھ غیب میں اہلبیت موجود ہے معلوم، جناب عبدالطلب کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ ابرہہ کے دربار میں گئے اس نے نہایت ہی احترام سے سنا اور یہ سنا کہ جناب عبدالطلب کی جلالت سے دشمن بھی مرعوب تھے۔ پوچھا کہ عبدالطلب آپ نے کیوں رحمت کی بات فرمایا کہ تیرے لشکر و اہل نے میرے اوٹ بگڑ لئے ہیں۔ میں انھیں داپس لے آ یا ہوں۔ ابرہہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا کہنے لگا عبدالطلب، میں نہیں بڑا بلند نفس اور اسٹن والا کھن تھا تم خانہ کعبہ کے متولی اور حرم خدا کے محافظ تھے مگر بڑے انصاف کی بات ہے کہ تمھیں اپنے اوٹ یا ورہ گئے اور اپنے خدا کا گھر یا درگاہ کو آگ لگے

کے ساتھ لگایا۔ جناب اشم کے اس احسان کو دنیا و مریت نظر انداز نہیں کر سکتی اور اگر اشم نے اس کا گریہ اس سے کہ کہنے اس معاہدے سے عرب کی تجارت کو سنسنیلا طور پر کھینچا دیا ہے۔

جناب اشم کے فرزند اور جانشین جناب عبدالطلب تھے جو محمد و روکانات کے جد و جہاد تھے اور جن کی عظمت اس وقت تک یادگار رہے گی جب تک دامن زمان میں سورہ فضل محفوظ ہے اور صفحہ تاریخ پر ابرہہ کا واقعہ ثبت ہے۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اشمی خاندان کی قیادت میں خانہ کعبہ کی برستی ہوئی شہرت و عظمت نے ابرہہ کو بے چین کر دیا اور اس نے دیکھا کہ مقدہ تو یہ مسلسل زرق کر رہا ہے اور دنیا خانہ کعبہ کے گرد جمع ہو رہی ہے۔ اس کی مرعیت مرکبیت نہ دیکھی گئی اور اس نے اپنے شہر میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا تاکہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے اس کا طواف کریں اور کعبہ کی مرکزیت ختم ہو جائے لیکن جہنم ہی دہلی میں دیکھا کہ اللہ کا بنایا ہوا گھر اور ہے اور بندے کا بنایا ہوا گھر اور ہے۔ اتنا زور و عزم کرنے کے بعد بھی دنیا اور سرزمین نہ ہوتی کہ بالآخر یہ طے کیا کہ اس خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے۔ اس کی تمسید کو تباہ و برباد کر دیا جائے تاکہ لوگ اور ہر سے فرحت پا کر اور سرزمین ہوں اور اس عزم کے ساتھ بائیسویں ایک لشکر لے کر لوگوں کی طرف روانہ ہوا۔ منزل میں طے کو کے قریب منگ پھانسا تو اہل گاہ کے قریب پہنچے کہ اس کے لشکر نے پہلا کام یہ کیا کہ اہل مکہ کے تمام ہالہ بچھڑائے اور جناب عبدالطلب کے اوٹ بھی گشتار کر لئے، تاکہ اہل مکہ مرعوب ہو جائیں اور کہیں شہر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں۔

سوال یہ پیا برت ہے کہ کیا ابرہہ کے اس ارادہ و عزم میں خانہ کعبہ کا بھی

یاد رکھئے! ابابیل اور اصحاب نیل کے ماتہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے مسلمان کو
کون حق نہیں ہے کہ وہ پہر یا روزانہ کی طاقتوں سے مرعوب ہو جائے اور وہ طاقت کو
بھول کر طاقت کے ذریعہ اپنا فتنہ کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ بھول کر طاقت کا رشتہ خدا سے
ہر اخلاص سے نہ ہو صلوات،

جناب عبدالمطلب کے طرز عمل کو دیکھنے کے بعد دُوبہن باتیں بھی جاسکتی ہیں
کہ یا تو عبدالمطلب کی نگاہ اتنی دور رس تھی کہ وہ آئے غائب عذاب کو دیکھ کر اس کی
خبر دے رہے تھے اور اپنے علم غیب کا اعلان کر رہے تھے یا ان کے بیان میں اتنا
نور تھا کہ جب کہیا نصیب الہی نازل ہو گیا۔ دونوں ہی صورتوں میں ماننا پڑے گا
کہ نسلِ اسماعیل میں نبوت کے نہ ہونے کے باوجود ایسے بلند کلمہ افراد موجود تھے
جن کی باتوں پر کسانوں میں انقلاب برپا ہو جاتا تھا۔ اور جن کے الفاظ سے
عذاب الہی کھینچ کر آجاتا تھا۔ صلوات،

جناب عبدالمطلب کے بعد ان کے فرزند جناب ابوطالب اور جناب عبد اللہ کا
کردار سچے آسمانی ہے۔ جناب عبد اللہ کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ جناب
عبدالمطلب نے یہ نذر کی تھی کہ اگر اللہ نے مجھے دس بیٹے عنایت کئے تو میں ایک
بیٹا اس کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ یہ خبر یہ خدا دانہ دے رہا ہے کہ نسلِ اسماعیل
میں جذباتِ قرآنی موروثی طور پر چلا آ رہا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوا
حنِ انتہائی کمبود نہ تھا کہ نبی کو لیا۔ اور جب نذر پورا کرنے کا وقت آیا تو قرعہ
جناب عبد اللہ کے نام نکلا۔ چنانچہ سے فرزند کی قربانی کا مسئلہ بہت سخت تھا لیکن
عبدالمطلب تیار ہو گئے اور شاعر نے جذباتِ وفا کی طرزِ خوب عافور کے حالات کے
ذیل اس طرح افسانہ بیان کیا کہ

بارے میں مجھے سفارش اور التماس کرتے۔ جناب عبدالمطلب نے غور بدل
اور شاد فرمایا۔ اور یہ ان اونٹوں کا مالک میں ہوں، ان کی فکر کیجئے ہے۔ اور
اس گھر کا مالک کوئی اور ہے جو اسے بہر حال بچائے گا تو اب میری
کیا ضرورت ہے؟

لہذا سکون و اطمینان، ایمان و عقیدہ کے استیقام کی غمازی کر رہا تھا
کہ اگر آج خدا نخواستہ کسی بیت اللہ پر حملہ ہو جائے اور مسلمان یہ کہہ کے انگ
ہو جائیں کہ جس کا گھر ہے وہ خود بچائے گا تو سب انہیں اسلام سے خارج
کر دیں گے اور ان پر جس کا الزام نگاہیں گے کہ خانہ خدا کا تحفظ واجب ہے
اور یہ کوئی فرد ہی نہیں ہے کہ اس کے گرانے والے پر عذاب خدا ہی نازل
ہو جائے جب کہ خود اس کا خانہ کعبہ پر دیرینہ میں حملہ ہوا لیکن زکوٰۃ کی آسانی
شکر آیا اور نہ کوئی عذاب نازل ہوا۔ تو پھر جناب عبدالمطلب کو یہ کہہ کر انگ
ہو جانے کا کیا حق تھا اور ان کی علیحدگی کس طرح قابلِ توجہ ہو گئی۔ اس
منزل پر ایک لمحہ ٹھہر کر سوچا پڑے گا اور ایمان کی عزت و برتری کا اندازہ لگانا
پڑے گا کہ اگر آج مسلمانوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے اور اس کے کہنے کا کوئی اثر
نہیں پڑ سکتا ہے کہ اس کے اعلان پر عذاب الہی نازل ہو جائے تو کل جناب
عبدالمطلب نے یہ نہیں کہا اور عذاب الہی کیسے نازل ہو گیا۔ اور عذاب بھی کیسے
مکہ ابابیل کا لشکر آیا اور کلکریاں پھینک کر انہیں کوٹ کر سردوں کے
تباہ و ہراد کر دیا۔ اتنے مختصر سپاہی اور اتنے گراں ڈیل جانور۔ لیکن جب
آدھروں والا حملہ آور ہوتا ہے تو آدھروں کے قد و قامت سام نہیں آتے
اور بے فکری کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔

میں خود ہی ہوگی۔ کچھ بیٹیاں زندہ دفن ہوں گی۔ کچھ ماں بیٹے کیلئے شکر و شریعت نہیں دیکھیں
 کچھ بھائی بھائی کا خون ہاتھ پر ہے گا۔ کچھ سربراہ قافلے لئے رہیں گے۔ کچھ لاش
 کا خون ہزار ہوگا۔ کچھ قریب بچان اور تھن بے مدد بنادے گا۔ کچھ قافلوں
 کا قتل عام ہوتا ہوگا۔ کچھ شرافت سر بازار عریان ہوتی رہے گی۔ کچھ عزت میں ہوں گے
 اور کچھ انبیاء کی ریاضت سکتہ کے عالم میں پڑی رہے گی۔ کیا یہ سب قلیل جسم
 نہیں ہے۔ کیا یہ مائتہ کسی مہربانی کا حقدار نہیں ہے۔ کیا قرآنی اسلیم کوئی
 منصب نہیں چاہتی کیا سلسلہ ہدایت و ارشاد کو قیامت تک نہیں چلنا ہے۔
 دائے قدرت کی۔ میرے بندے ذرا انتظار کریں۔ میں نے رحم و کرم کو رکھ
 رکھا ہے کہ سلسلہ بارش سے پانی کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے اور لوگ بارش رحمت
 کو بھی زحمت سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن جب تھوڑی پانی بھی جاتا ہے اور قدر
 تک بارش نہیں ہوتی تو ہوا کے میں اور فضا کی گھٹن ہی کو دیکھ کر بارش کی دہائی
 ہونے لگتی ہیں اور پھر ایک ایک قطرہ آب کو دیر آبدار کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ جس
 جلی کے بعد نہت کھائے روک لیا تھا کہ انسانوں کو نبی کی قدر و قیمت
 کا اندازہ ہو جائے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ بظاہر انبیاء نہیں رہتے ہیں تو
 سادہ کا کیا عالم ہوتا ہے اور جب یہ احساس ہو جائے ہو گیا اور سادہ کی کائنات
 فریاد طلب ہو گئی ہے تو دیکھو وہ منکر سے ایک گھٹا اٹھ رہی ہے۔ وہ فائدہ
 عبد المطلب سے اگر گوبر بار اُسٹہا ہے۔ وہ ریشہ الاول کی صبح کو قافیت کا
 ابر گوبر بار بارش رحمت کو رہا ہے۔ وہ دنیا میں تھل ہو رہی ہے۔ وہ کھیتیاں ہری
 بھری ہوئی ہیں۔ وہ بیڑو پہلہا رہا ہے۔ وہ ریاضت انبیاء کام آ رہی ہے۔ وہ
 قرآنی اسلیم کی کھلا رہی ہے۔ وہ فصل ابراہیم پر بہا آ رہی ہے۔ وہ بارش رحمت

میں کچھ صلہ دے گا گیرتے ہیں ہم ۔ بیٹے کے بھی گئے پچھو پچھو ہر ہم
 گھٹنے چاہ عبد المطلب سے امر کیا کہ دے وارثہ اسلیم کی کیا رکھیں
 کو آپ ذریعہ دیو تیکھ اور چاند سے فرزند کو پالیں گے۔ چاہ عبد المطلب تیل ہو گئے اور
 طے پایا کہ دس اور تین کو ذریعہ قرار دیکر قرعہ ڈالا جائے۔ قرعہ ڈالا گیا۔ چاہ عبد اللہ
 کے نام نکلا۔ دوسری مرتبہ دس بڑا کو پیش کر دیے گئے لیکن قرعہ انہیں کے نام
 نکلا۔ پھر تین کئے گئے مگر انہیں کا نام نکلا۔ اور اس طرح دس دس کر کے تلو تک
 فوت ہو گئی۔ اور آخری مرتبہ قرعہ اور تین پر کھل آیا جس سے چاہ عبد اللہ کی جان
 بچ گئی۔ سوادق براہ خدائیں قربان ہو گئے اور اسلیم اپنے دو بر تربیت میں
 اسی مقدار کو جان کا ذریعہ قرار دیا۔ کھل ابراہیم نے دہرہ کے بھی تھا قرآنی فرض
 ہو گئی اور آج عبد المطلب نے سوادق ذبح کئے تو وہی نفس کا بدلہ بن گیا۔ یہ
 ہے غفلت کو دیکر جو مرتبہ ظلت کے بعد ابراہیم کو ملا تھا وہی مرتبہ آج عبد المطلب
 کو مل رہا ہے۔ صلوات

یہ کچھ نفس عبد اللہ کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو جائے کہ کچھ قدرت
 میں ان کا سر نہ کٹا۔ اور نہ تھا۔ لیکن ان تمام باتوں اور انی عظیم اور بلند شخصیتوں
 کے باوجود سادہ کا عالم نہ گرا گیا تھا۔ عالم عورت ایک گھڑی جہالت میں ڈوبا ہوا تھا
 عقیدہ اطلاق اجلا ہے۔ اتحاد، سماج، فرو، تہذیب، تمدن کوئی ایسا حیل نہیں تھا
 جہاں انہیں انسان کہا جاسکتا ہو۔ پورا سماج سلا اتحاد بنا ہوا تھا۔
 بدو و گھو ایک ایک بہت پختہ ہوتا رہے گی اور کچھ قبل کی باغی برآمد ہوتی
 رہے گی۔ جو عبد المطلب پر شرب نوش اور عطا تھا کار و کار۔ ایک کچھ لوگ غلام اور کچھ
 بیٹے رہیں گے۔ کچھ سود کے ذریعہ غریبوں کا خون چوسا جائیگا۔ کچھ جوئے نام پر

آرہے ہیں بعضی تاج سیادت چنے ہوئے آرہے ہیں۔ عبد منافؑ کا کعبہ لئے ہوئے آرہے ہیں۔ باشم سعادوں کے دیرا بہار ہے ہیں۔ عبد المطلب حبیبہ قربانی کی مہراج دیکھ رہے ہیں۔ عبد اللہ شانِ بندگ کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور مہراج کی رات کا دُعا فرائزِ عرش سے زمینِ عکسہ کی طرف آ رہا ہے۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی شخصیت کو آنا ہوتا ہے تو اس کے شایانِ شان انتظامات بھی کئے جاتے ہیں اور اسی مناسبت سے کئے جاتے ہیں کہ ان کو دیکھنے والا دور ہی سے اعزازہ کر لے کہ یہاں کیا ہونے والا ہے اور کون آیا ہے۔ سیاسی شخصیتوں کے لئے انتظام الگ ہوتا ہے اور مذہبی شخصیت کے لئے الگ۔ محمدؐ والوں کا انتظام اور ہوتا ہے اور خدیجی والوں کا انتظام اور۔ صاحبانِ فن اس نکتہ سے باخبر ہیں اور اسی اعتبار سے انتظام بھی کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مالک کا ثنات نے اپنے محبوب کو بھیجے کیلئے کیا انتہام کیا؟ جس سے آپ کی شخصیت کا بھی اعزازہ ہوا اور آپ کے مقاصد عالمیہ کا بھی انکشاف ہو جائے۔ دُعا لیل سے جناب عبد اللہؑ تک مسلسل صاحبِ ایمان و کردار کا آنا اور اپنے اپنے طور پر دینِ خدا کی حفاظت کرنا اور اس کے لئے دُعا لیلِ عظیم شخصیت اور بلند ترین متروکات کا وارث بنے اور اسے جواز فرما دیا۔ کا حامل بنا کر بھیجا جا رہا ہے اور مقاصد کے اعتبار سے بھی عجیب و غریب انتظام ہے اور ایسا بلند انتظام ہے جسے انسان دُعا سے دیکھتے ہی اعزازہ کر لے کہ اپنے مانے کے مزا ائمہ و مقاصد کیا ہیں۔ اور وہ کن اقدار و مقام کو پھیلانے کے لئے کر رہا ہے۔

اسلام و عظیم رشتوں کا جانتا رہا ہے۔ ایک خالق و مخلوق کا رشتہ

کائنات کی پہلی پہلی ربا ہے۔ اور غائبانہ عالم کو دائمی نگہ دار بنا رہا ہے۔ مصلوات۔
اور رجب الاول کی صبح بھی ساداتِ نشان صبح تھی جب محمدؐ غلیلی میں تھا
آ رہا تھا اور اس کی گردن میں عرب کا جاذبِ چمک رہا تھا۔ تمہیں کرنی کے چکر لگ کر رہے
تھوڑے ہوئے آواز دے رہے تھے کہ چوڑا ہوا اندازِ حق کا حامل آ رہا ہے۔ بحرِ مادہ
خاک پر کر پکار رہا تھا اور اس کی سماد کے سامنے دنیا میں مجالِ روانی نہیں ہے
آنکھ کدہ فارسی گل ہو کر آواز دے رہا تھا کہ ایک دارِ غلیلی آ رہا ہے کائنات
میں انقلاب برپا ہوا۔ درجِ تہذیب و تمدن دھس کر رہی تھی۔ اسلام مرفورز ہوا تھا
کفر کیستی میں ایک غلیلی بھی تھی اور عالمِ بالا میں جنِ مہر ت بنا یا جا رہا تھا۔

آنے والا اولِ مخلوقات ہونے کے باوجود اتنی دیر میں آ رہا ہے اور
اسے اول کے بجائے آخر بنا یا جا رہا ہے۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے لیکن اس کا واضح
سبب جواب یہ ہے کہ جتنی بڑی شخصیت کو آنا ہوتا ہے ویسا ہی انتظام کیا جاتا ہے
معمولی حکام کی آمد کا انتظام چند گھنٹے قبل شروع ہو جاتا ہے اور بڑی شخصیت کی آمد
کا انتہام چند روز اور چند ماہ قبل سے ہوتا ہے۔ مالک کا ثنات اپنے آئینہ سری
حبیب صاحبِ مہراج کو بھیجے والا تھا۔ اس نے پہلے قہید میں انبیاء کو بھیجا تھا کہ
زمین ہموار کریں۔ اس کے بعد ادھیاء کا سلسلہ قائم کیا کہ قوم قبلِ احکا کیلئے
قیام ہو جائے۔ اس کے بعد مخصوص برگزیدہ بندوں کو مقرر کیا کہ وہ اپنے کردار
سے قبولِ ہدایت کیلئے زمین تیار کریں۔ اور اس طرح جب پُرِ احوال تیار ہو گیا
تو اپنے محبوب کو عرضِ عظم سے فرضِ مکہ پر آنا اور اس شان سے اتنا کہ
محبوب آدم صفت لیکر آ رہے ہیں۔ نوحؑ نے ہدایت کر رہے ہیں۔ ابراہیمؑ خلعت
و درش آ رہے ہیں۔ یونسؑ حکم بدست آ رہے ہیں۔ عیسیٰؑ مرنے جلانے ہوئے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين
 خاتم النبيين سيدنا و مولانا ابي القاسم محمد وآله الطيبين الطاهرين
 ورضي الله عن اعدائهم اجمعين اما بعد فقد قال الله الحكيم
 في كتابه الكريم بعد لقائه مع النبي صلى الله عليه وآله وسلم
 فقال لا افرح بك يا احمد الا بعد ان يفرح بك الله في كل
 وقت وحين

استاد جلیل القدر حضرت مولانا صاحب کرامت کی ہدایت کی روشنی میں ہمارے ادھر ہے۔
 اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے ہر دور میں ہدایت کا انتظام کیا ہے
 اور تاریخ کے ہر موڑ پر رہنماؤں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے تاکہ انسان یہ نہ کہہ سکے کہ
 ہماری ہدایت کا انتظام نہیں ہوا اور ہم ماہِ راسخ پر نہیں آسکے۔ ہم نے آدم جیسا مسخرد
 نامیہ بھیجا۔ ہم نے نوح جیسا طوفانِ آسمانی سے محفوظ کیا۔ ہم نے ابراہیم جیسا بت شکن بھیج
 دیا۔ ہم نے موسیٰ جیسا خروجِ شکن بھیجا۔ ہم نے عیسیٰ جیسا مسیح پیدا کیا اور پھر
 آخری منزل پر ایک عرشِ نشین بندہ کو فرضِ زمین پر اتار دیا تاکہ نظمِ ہدایت مکمل رہے۔
 اور اس میں کوئی خلل نہ پڑنے پائے۔ ہم نے اپنے محبوب کے جواں برداشت کر لیا،
 لیکن انسانیت کی تباہی برداشت نہیں کی۔ ہم نے صاحبِ عرش کو فرضِ نبی
 بنا دیا لیکن اویہ نشین کا جھٹکنا گوارہ نہیں کیا۔ یہ سارا کرم تھا کہ ہم نے رسول
 بھیجا اور یہ سارے رسول کا ظرف تھا کہ اس نے دنیا کی ہدایت کی خاطر عرض کا
 اصل چھوڑنا گوارا کیا اور بھلا ادا دے گا کہ ہے کہ تمہیں اس کا کلمہ پڑھنا
 بھی گوارا نہیں ہے۔

دنیا کے انسانیت عدل و انصاف سے کام لیتی تو اسے اندازہ ہوتا

اور ایک طوطی غفلت کا رشتہ۔ اس کے احکام انھیں دو درجہوں کے باعث اور اس کے
دین کی وسعت و بزرگی سے انھیں دونوں رشتوں سے وابستہ ہے۔ اس کا مقصد
پہلے رشتہ سے یہ ہے کہ وہ زمین کا ایک ایک لہنے والا بارگاہی بناد میں تسلیم جھکا راوی سامی و
الہییت عباد گزار بن جائے اور دوسری منزل میں اس کا مقصد قیام امن اور وہ پر جانا کہ بند
انہیں اس طرح زندگی گزاریں کہ اس امن قائم ہے اور اس طرح کہ خداوند تعالیٰ ہونے پائے
باقی اسلام انھیں دونوں مقاصد کی میل کھیلے کر رہا ہے۔ قند نے جاہا کر اسے ایک
ایسے ماحول میں بھیجا کہ ہر دیکھنے والا دونوں مقاصد کا اندازہ کر لے۔ اس کی ایک نظر جناب
غیاث الدین کا ملب اختیار کیا اور دوسری نظر جناب امیر کا ملین اطہر ملب عبد اللہ اور اسے
رہا ہے کہ انہی الہدیت کا علمبرار نکھڑا رہا ہے اور اگر نہ کہ بعض افسانہ کا اضافہ کر کے کہ
اس عالم کا قدر دار نکھڑا رہا ہے۔ اب اگر صحیح زندگی گزارنا ہے تو اس کی عہدیت کا سبق بھی لینا
اور امن و امان کا بھی عہدیت چھوڑ دو گے تو خدا سے مایوس ہو جائو گے اور امن و امان
کاملاً غائب ہو گے تو سماج میں زندہ زندہ کھو گے۔ زندہ رہنا ہے تو عبد اللہ کے لال
کا کل پر مٹاؤ اور سکون و اطمینان سے زندگی گزارنا ہے تو اس کی گود کے پالنے کی ضرورت
محبت میں پناہ لینا۔ مسلمات،

میرزا غلام اس دنیا میں آئے اور یہ اعلان کرتے ہوئے آئے کہ جب زمانہ فتنہ
نجد سے بھر جائے گا جب اسی قدریں پا مال ہونے لگتی ہیں جب لہ لہ بیت اور
الٹا کا دور دورہ ہو جائے گا جب غلام و جبر و غلام سے حکم تک عام ہو جائے ہیں تو یہ یکم
اپنی رحمت کا نام ایک غم کو بھیجتا ہے اور اس کے فیر کے کتاب غلام کو منقلب کر دیتا ہے اور یہ
افشا ہے کہ حضرت پہلے دو غلام میں پہلے غم کو بھیجتا تھا اس طرح آخری دو غلام و جبر کی غم
غم کو پڑھ غیب سے باہر لائے گا۔ مسلمات۔

جو ایک کوئی کیا حقیقت ہے۔ ساری زندگی حضور سرور کائنات کی اٹلاؤ فرمائیں ہدایت
میرے کے بعد بھی ان کے حقوق سے عہدہ برکت نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے جہاں سے لے
نیزل سراج عرش الہی کو جھوٹا ہے اور ہم نے ان کی اطاعت کے طفیل سراج صلی
کا ہے۔ وہ سراج میں بھی گئے قرأت کیلئے خود نماز لے کر واپس آئے اور ہم مصلی پر بھی
گئے تو منزل سراج کی تہا ہی لے کر گئے۔ مسلمات،

دنیا میں کوئی ہے جو سرکارِ دو عالم کے احسانات کا بدلہ ادا کر سکے اور
آپ کی بے پناہ محبت کا صلہ دے سکے۔ آپ کی نسبت کو خود خدا نے کریم نے احسان
قرآن دیا ہے اور آپ کی آمد کو خود رب العالمین نے نزول رحمت سے تعبیر کیا ہے
اور آپ کی زندگی کو آپ کے خون کے پیا سول نے بھی طہرہ بالاستیلم کیا ہے۔ آپ پھر
کھاتے رہے لیکن صداقت کا کھٹہ پڑھواتے رہے۔ کانٹوں پر چیلنے رہے لیکن
امانت و دیانت کے خار و راہ کو گلستان بنا تے رہے۔ آج مجھے انھیں سرورِ دو عالم
کا تذکرہ کرنا ہے اور انھیں کی سیرت مبارکہ پر آپ کی سی روشنی ڈالنا ہے۔ ممکن نظر
تو کئی انسان کے اس کی بات نہیں ہے۔ کبھی کی سیرت میں ایک پیغمبر ہوتا ہے تو
اس کی وضاحت آسان ہو جاتی ہے اور کبھی کی زندگی میں ایک کمال ہونا
ہے تو اس کی تفصیل ممکن ہو جاتی ہے لیکن جس کی زندگی سراج کمال ہو اور
جس کا کردار سراج یا اعجاز ہر اس کے کمالات پر کئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ اور
اس کے خفا کی کون بیان کر سکتا ہے۔ اس کی توصیف کے لئے اللہ کا لہجہ
مددگار ہے۔ قرآن کی زبان لازم ہے۔ اعجاز کا انداز ضروری ہے۔ سچے الائن
کا ترجمہ لازم ہے، مولا کے کائنات کا ظرف درکار ہے۔ اسلام کی روح لازم ہے
اور ایمان کی حیات درکار ہے۔

کوئی کہ روای ہر تو اس کی سخاوت کا بیان کیا جائے۔ حجت کی محبت ہر تو اس کے صبر و
کی جائے۔ سلسلہ کا مخرج ہر تو اس کے خزانہ کا تذکرہ کیا جائے۔ جبریل کا لہجہ ہر تو اس کے
اذانِ حکم پر روشنی ڈالی جائے اور علی کا انداز ہر تو اس کے جوش و جلال کا نقشہ کھینچا جائے اور
دنیا کے کسی انسان میں یہ باتیں ممکن نہیں ہیں۔ اس لئے اس کی توصیف بھی ممکن نہیں ہے
یہ مالک کائنات کا کرم تھا کہ اس نے توصیف کے کچھ اسباب فرام کر دیئے اور آوازِ وحی
کر لے۔ میکہ بسکہ! اگر میکہ حبیب کا کردار کھنا ہے، میکہ حبیب کی زندگی کا نقشہ
کھینچنا ہے، میکہ حبیب کے کمالات کا، اندازہ کرنا ہے تو قرآن کا انداز لے لے۔ علی کا کردار
لے لے، حسن کا اخلاق لے لے، حسین کا عجز استقلال لے لے، سہاد کی عبادت لے لے، باقر کا
علم لے لے، صادق کی صداقت لے لے، کاظم کا حلم لے لے، رضا کی شانِ تسلیم لے لے،
ستقی کا تقویٰ لے لے، عقی کی پاکیزہ زندگی لے لے، مسکون کا جلال لے لے، امدادی
کا اعجازِ ولایت لے لے۔ مسلمات،

جب یہ اسباب فراہم ہو جائیں گے تو میکہ حبیب کی توصیف ممکن ہو جائے گی
اور جب یہ آئینے سامنے لگ جائیں گے تو میکہ حبیب کا کردار نظر آنے لگے گا۔ میں نے
یہ آئینہ خاندانی لے بنایا ہے کہ ہر دور میں میکہ حبیب کی تصویر دکھائی جائے اور ہر
زمانہ میں میکہ حبیب کے کردار کا نقشہ منظر آئے۔ میرا انتظام اتنا دائمی اور ابدی
ہے کہ خود میکہ حبیب کو کھنا پڑا کہ میرا آخری وارث میرا مقصد بھی ہوگا اور میرا کبھی
ہم صودت بھی ہوگا اور ہم سیرت بھی، ہم شکل بھی ہوگا اور ہم رتبہ بھی۔ اس کا نذر میرا
نہ ہوگا اور اس کا ظہور میرا ظہور ہوگا، اس کی رفتار میری رفتار ہوگی اور اس کی
گفتا میری گفتا ہوگی، اس کا کردار میرا کردار ہوگا اور اس کا انداز میرا انداز ہوگا،
اس کا لہجہ میرا لہجہ ہوگا اور اس کا حکم میرا حکم، اس کی حیات میری حیات ہوگی اور

اور اپنے سماج اور معاشرہ کو کہا دیا ہے۔ اور پھر اس کے ذاتی اوصاف و کمالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ان صفات و کمالات سے دنیا کو کیا حال ہوا اور اس کے فغائل اس کی ذات تک محدود رہے یا اس سے دوسروں کو بھی فیض حاصل ہوا۔ اس نے صرف اپنے لئے زندگی گزاری ہے یا اپنے سماج کو بھی کچھ دیا ہے اور اس کی بھی کوئی خدمت کی ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس نے جس ماحول میں کام کیا ہے اور جن حالات میں زندگی گزاری ہے وہ حالات کیا تھے اور وہ ماحول کیسا تھا۔ دنیا اس کی آواز پر لپٹ کر کہنے کو تیار تھی یا اسے فنا کے گھاٹ اتارنے پر آمادہ تھی۔ سماج کا ذہن اس کے پیغام کے لئے ہموار تھا یا اسے سستانے کے لئے تیار تھا۔ حالات کے دباؤ میں آکر اس نے اپنی روح میں کوئی تبدیلی کی ہے یا اپنے موقف پر براہ قائم رہا ہے۔

سردہ کائنات کی حیات طیبہ کا جائزہ لینے کے لئے انھیں امور کا تجزیہ ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ مختصر سے وقت میں اتنی طویل داستان نہیں جھڑکا جاسکتی اور تھوڑے سے وقفہ میں عالم الفار سے لیکر صبح محشر تک کے کمالات کا نقشہ نہیں کھینچا جاسکتا۔ وہ ذہن کہاں سے آئے جو عالم الفار کی تصویر کھینچ سکے۔ وہ ظرف کہاں سے پیدا ہو جو صبح محشر کی منظر کشی کر سکے۔ وہ علم کہاں سے آئے جو حضور کے کمالات کا احاطہ کر سکے اور وہ فکر کہاں سے پیدا ہو جس میں کلمہ کا کردار سمجھ سکے۔ جب یہ شرف انبیاء و مرسلین کو نہیں مل سکا تو ہمیں اور کچھ کہاں مل سکے گا۔ اور اس منزل کمال پر روح الامین عاجز رہے ہیں تو ہم اور کپ کہاں تک بردار ہو سکیں گے۔ چند لمحوں میں صحنہ ایک خاک کھینچ دینا چاہتا ہوں اور بات کو کسی ایک منزل تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔

حدید ہے کہ اس کا نام میرا نام ہو گا اور اس کی کفایت میری کفایت یعنی اس کے اور میرے اختلاف میں برابرے نام بھی فرق نہ ہو گا۔ مسلمات،

ایسے حبیب کی ایسی پاکیزہ سیرت پر روشنی ڈالو کسی عدم انسان کے لئے کی بات نہیں ہے۔ اور ہمیں بعض مسلمانوں کا یہ الزام بسرو چشم قبول ہے کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کو کد کا حق نہیں پہچانا اور ہمیں سرکار کی مکمل معرفت حاصل نہیں ہو سکی۔ ہم اس اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اور نہ اس اعلان میں کوئی توجہ نہ کیجئے ہیں۔ ہم اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم نے سرکار کا مکمل عرفان نہیں حاصل کیا۔ ہم نور ہونے کو نور کی حقیقت کو سمجھنے، ہم پائیدار ہونے کو پائیداری کی صحیح عظمت سے آشنا ہونے، ہم مرکز دینی بننا یا گھٹنا ہوتا تو ہم روح کی کیفیت کا اندازہ کرتے، ہم پر قرآن نازل ہوتا تو ہم مصیبت قرآن سے ناخبر نہ ہوتے، ہم مرزہ ختم نبوت دیا جاتا تو ہم ختم نبوت کی منہ زل سے روکنا نہ ہوتے۔ اور جب ایسا کچھ نہیں ہے تو ہمارا کیا کردار ہے کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کر لیں اور یہ اعلان کر دیں کہ سرکار ہم نے آپ کو انسانی پہچانا ہے کہ آپ ہمارے ذہنوں سے بالاتر ہیں۔ ہمارے دماغوں سے بلند تر ہیں۔ ہماری فکر سے نامدادی ہیں۔ ہماری نظر سے دور ہیں۔ اور اہم ایسی چیزیں ہیں جو ہم آپ کے دھی کو نہ پہچان سکے اور اس نے اعلان کر دیا کہ تمہارا ظاہر فکر میری بلند لوں تک نہیں پہنچ سکتا تو ہم آپ کو کیا پہچانیں گے۔ مسلمات،

سیرت ذکر و ارادہ کو سمجھنے کے لئے چند باتوں کا سمجھنا ہے حد ضروری ہوتا ہے اور ان کے غیبیہ سیرت کا تجزیہ ناگہل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ صاحب کو فارغ نے اپنے بزرگوں سے کیا لیا ہے اور اپنے بعد والوں کو کیا دیا ہے اس کے بعد یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس نے اپنے سماج اور معاشرہ سے کیا لیا ہے۔

کے لئے وہ نسل چھوڑی ہے جس کا ایک ایک فرد بے نظیر اور ایک ایک شخصیت لہجہ
ہے۔ دنیا ہے تہذیب کے لئے قابلِ تحسین۔ ہر دورہ آغوش بھائی ہے تو نصیری کا
کاغذ۔ نر سے ہیں تو اسلام کی عزت و اکبر۔ ذریت ہے تو دین و اہلک کی حفاظت
اور اس فرزند ہے تو محمد بن مریم کا امامِ مصلوات۔

پہنچے ہے کو ان میں ہر سند و تعلیم و تربیت سے بے نیاز ہے اور سب
بائے رب العالمین کے تعلیم یافتہ ہیں لیکن میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ
عالمِ سخن ہیں اور میانہ کے کمالات میں نبوتِ بہر حال واسطہ ہوتی ہے۔ اور دھماکے
کوئی مرتبہ ہزت کی نیابت ہی میں پہنچتا ہے۔ اس لئے اللہ نے جو کچھ بھی عطا
کیا ہے اور جب بھی عطا کیا ہے ہی کو واسطہ فرزند بنا یا ہے تاکہ شانِ
نیابت و جلالِ نبی محفوظ رہے اور دنیا و دھوکہ دکھا جائے اور اسی لئے
برائے کامنات فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رسول اللہ نے ہزار بابِ تعلیم سکھائے ہیں اور
میں نے ہر باب سے ہزار باب نکالے ہیں۔ وہ ظاہر ہے کہ جو اتنا صاحبِ صلاحیت
ہو کہ ایک ایک باب سے ہزار ہزار باب نکال سکے وہ کسی کی تعلیم کا محتاج کیا ہوگا
علیٰ چاہتے تھے کہ دنیا پر بدوائع ہو جائے کہ میں دیکھ رہا ہوں اور دیکھنا کمال
نہی کے واسطے سے آتا ہے۔ مجھے پیغمبر نے دنیا میں تسلیم نہیں دی ہے لیکن میرا
کمال انہیں کے واسطے سے ملا ہے۔ مصلوات،

رسولِ اعظم کو اپنے محتاج سے کیا ملا؟ یہ داستان بڑی دردناک ہے
آپ جس سماج میں بوٹ بھوٹے وہ اتنا پست اور ذلیل تھا کہ دنیا کی کوئی
چرائی ایسی نہیں تھی جو اس سماج میں موجود ہو۔ ذہنی اعتبار سے اتنے پست
کو اپنے ہاتھوں کے تھامنے ہوئے پیغمبر کو خدا کیجئے تھے اور اس کے بالاتر

جہاں تک سرکارِ دو عالم کی نسلِ شرانت و عظمت کا تعلق ہے، دنیا جانتی
ہے کہ آپ نسلِ ابراہیم اور ذریتِ اسمعیل میں تھے۔ آپ کو میراث میں جذبہ قربانی
اور جہادِ انار ملا تھا۔ جنابِ ابراہیم و اسمعیل کے بعد آپ کے جلد آباء و اجداد
طہرین و طاہرین اور اللہ کے پرستار تھے۔ آپ کے کسی بزرگ نے جنوں سکے
ساتھ نہ رہیں جھکا یا اور باطل کو جھکے نہیں کیا۔ سب اس دعائے ابراہیم کا
شہرہ بن کر دنیا میں آئے کہ پروردگار مجھے از میری ذریت کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا
آپ کے بزرگوں میں جنابِ قحط بن محاب جیسا سروارِ قریش، جنابِ عبد بنات جیسا
ذکر وادِ حرم، جنابِ انصام جیسا سخی و نیک دل، جنابِ عبد المطلب جیسا صاحبِ
ایمان و کردار، جنابِ عبد اللہ جیسا زکی اللہ، جنابِ آمنہ جیسی پاکیزہ سیرت
عاقبت اور جنابِ ابو طالب جیسا جاناؤ اور شیر دل چچا تھا۔ بزرگوں سے ترکہ میں
شرافت و نیابتِ بسیادت و قیادت، سخاوت و عدالت، ایمان و کردار، تقویٰ و
لبارت، قربانی و ایثار، ہمت و ہراس، جہاد و استقلال کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اور ایک
انسان کی کردار سازی کے لئے یہ ترکہ بہت کافی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ اہل
مضبوط دار بھی ہو۔ جہاں تک کسی کی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، نہ تربیت کی
وہ جس کی آغوش کا محتاج ہوتا ہے، نہ اعلیٰ کا۔ اس کی تعلیم عرش و دیں گاہ
سب اللہ کی ہوتی ہے اور اس کی تربیت عرش و دستِ قدرت سے الطیام
پائی جاتی ہے اور ایسے حالات میں کردار کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں کیا
جاسکتا۔ مصلوات،

آپ نے اپنے سببِ فاعل کو کیا دیا؟ اس کے لئے بھی تفصیل
کی ضرورت نہیں ہے۔ عرشِ باریکی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے بعد

دیا، تباہی کے دشمنوں کو محبت کا خوگر بنایا، رہنروں کو سادہ دہانت دکھائی اور
ڈاکوؤں کو چارہ دار و خدا کا راستہ دکھایا، طرہت پریشانی کا ذکر نہیں ہے، اس نے
ہر حال میں قوم کے حال پر رحم کیا۔ دین سے نکالا گیا لیکن غاصبانہ انداز سے داخلہ وقت
بھی انتقام نہیں لیا بلکہ ان ہی کی اور آداب کی تعلیم دینے لگا کہ کمال اس کو پہنچا کر کیا تھا
اور عید اللہ کا فرزند عیدیت کے ناپاک نادری کا درس ہی دینے والا تھا۔ صلوات،

بنی نے اپنے سماج کو کیا دیا؟ اس کا اندازہ اس دن ہوا جب منگہ فتح ہوا،
ادب آپ نے دشمنوں سے سوال کیا کہ بتاؤ تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟ اور سب نے
ایک زبان کہا کہ جو ایک کریم ابن کریم سے امید رکھی جاسکتی ہے۔ مرل اعظم نے
عام صافی اور امن و امان کا اعلان کر کے بتا دیا کہ مسلحہ و اشعثی کے ماحول میں
کردار کا اقرار لینا بہت آسان ہے اور متعدد فزیر جنگوں کے بعد کرم کا کلمہ
پڑھنا لینا بہت مشکل ہے۔ پس کرم کردار کے آغاز و انجام کو ملا کر دیکھو تو میری
زندگی کا راز کچھ میں آجائے گا، میں نے ابتدائی زندگی ایسی گزاری کہ مجھے
کچھ نہ سمجھنے والوں نے بھی ماقوق و امین سمجھا اور آخری زندگی اس شان سے
گزاری کہ میرا مقابلہ کرنے والے بھی مجھے کریم ابن کریم ہی سمجھ رہے ہیں،
صلوات،

لیکن اس مقام پر یہ یاد رکھئے کہ کرم کردار کی صافی کا تعلق سرکاری جرائم
ہی سے ہوتا ہے، عمام کے مجرمین کو معاف کرنے کا حق سرکار کو نہیں ہے،
عدلیہ ظالموں سے ہمدردی اور کمزوری کے حق میں ایک نیا ظلم ہر جلسے کا۔
یہ وجہ ہے کہ حق العباد کو چوروں کا رہی معاف نہیں کرتا۔ اب جو لوگ اسلامی
مظاہر پر اعتراض کرتے ہیں انہیں اس نکتہ پر بھی سمجھا رکھنا چاہیے،

قیامت یہ کہ جس کو ملوس کے خدا بنائے تھے اور خام کو سمجھ کر لگے پر انہیں کو کھاجاتے
تھے۔ آپ خود بھی کہ جو قوم اپنے خدا کو معاف نہ کر سکتی ہوا، اس کو ہم کو جاتی ہمدرد
دوسرے خدا کے بندوں کو کیوں کر معاف کر سکتی ہے

اخلاقی اعتبار سے اتنے ذلیل کرنا عام، بدکاری شرف، عیاشی طرہ امتیاز،
ذکر عزت نہ کوئی احترام، نہ کوئی شرافت نہ کوئی شجاعت، جو رہی، ذکی، رہزنی،
شراب خوری، سود، جہاد اور ایسی تمام برائیوں کے سر تاپا عادی تھے۔

خیالات اتنے غلط کہ بیٹوں کو زندہ دفن کر دینا شرف، غزیروں کا خون
بہا دینا شجاعت، قبائل کو تہمتیں کر دینا بہت، قہروں میں فساد مکرار دینا عزت
اصناف بہت کا خون بہا دینا باعظمت امتیاز و اعظمت امتیاز

ایسی قوم کے لئے کیا دشوار تھا کہ اگر کوئی اس کے اپنے مذہب کے غلط
آواز بلند کرے اور اپنے خود ساختہ خداؤں کو باطل قرار دے تو اس کی راہ
میں کانٹے بچھائیں، اس پر پتھروں کی بوچھاڑ کریں، اس کی زندگی کے درپے
ہو جائیں اور اس کی پوری نسل کو تباہ و برباد کر دیں، لیکن کیا کہنا اس
کریم النفس انسان کا اور کیا کہنا اس رحیم و کریم پیغمبر کا کہ اس نے سماج کو
اتنے غلط کر دیکھنے کے باوجود مقابلہ کرنا کیسا کبھی بد دعا بھی نہیں کی، پیغمبر
ارنے والوں کو دعائیں دیں، کانٹے بچھائے والوں کو گلے لگایا، افغان کے دشمنوں
کو زندگی کا پیغام دیا، اخلاق کے مارے ہوئے افراد کو باکرم دار بنایا، شرابیوں
کو عقل و ہوش کا سبق سکھایا، بدکرداروں کو نیک کردار بنایا، جواریلوں کو
اکل حلال کا سلیقہ بتایا، سود خوروں کو انکار کا سبق دیا، بیٹوں کو زندہ دفن
کرنے والوں کو بیٹوں کی تعظیم بتائی، بھائیوں کے قاتلوں کو برائیاں کا سبق

کے نہیں ہے، جس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے سماج سے کچھ لیا نہیں ہے۔
 لکھا ہے کچھ دیا گیا ہے اور اسے عطا کیا ہے کہ شراب خواروں کو شفی بنا دیا ہے۔
 شرابازوں کو کریم بنا دیا ہے۔ سود خواروں کو غنی بنا دیا ہے۔ خاتونوں کو عسید
 بنا دیا ہے۔ غریبوں کو مجاہد بنا دیا ہے۔ پتھروں کے بجا یوں کو وحشیانہ شکر
 کا بندہ بنا دیا ہے۔

حدیث ہے کہ عرب کے امتیازی کمال فصاحت و بلاغت اور زبان وادب
 سے بھی آپ نے کچھ لیا نہیں اور اس میدان میں بھی انھیں کچھ دیا گیا ہے۔ ان
 ادب لیا ہوا انھیں کے انداز میں گفتگو کرتے اور مابین فصاحت و بلاغت
 ادب، گھوڑا، تلوار، شراب اور عورت کی تندرہ ہر جاتی، لیکن انھیں دیا اور تانا
 دیا کہ ادب، گھوڑے، شراب، عورت اور تلوار کے ہر شانہ و لہ کو تو صید،
 عبادت، نجات، امامت، قیامت، جنت و جہنم، زمین و آسمان، ماضی و مآب
 کے جیسے اہم مضامین و دے دیئے اور عورتوں کے ظاہری حسن اور مشرق کے کھنڈرات کا
 ہم کرنے والوں کا الحمد للہ کہنے کا سلیقہ سکھا دیا۔

مذہب عرب گواہ ہے کہ حضور اکرمؐ بھی سماج کے پودہ اور ماسٹر کے پائندہ
 ہونے تو عرب میں سے تعلقات ہوتے قرآن حکیم نہ ہوتا، حضورؐ کی خطابت و شاعری
 جتنی سحرنا کام نہ ہوتا، یہ حضورؐ کے کلمات کا احسان ہے کہ آج دنیا کے عرب
 زبان کا کلمات کو چیلنے کی سکتی ہے اور اسے یہ کہنے کا حق ہے کہ سب سے بڑا کام
 سماجی زبان میں آیا ہے اور کسی زبان میں نہیں ہے۔ ایمان کے لیے میں صرف ہم
 گفتگو کرتے ہیں کسی اور قوم کو اس لیے میں گفتگو کرنے کا حق نہیں ہے۔
 اس کے بعد ایک نظر حضورؐ کے ذاتی نقال و ممالک کے نقال کے پاس ہے

اور اس کا ذکر طائری عالمان کے معیار پر نہیں پرکھنا چاہیے۔ اسلام ایک مستقل
 قانون ہے یہ طائفہ کا تابع نہیں ہے اور اس میں عوامی جرائم میں ہم خیر و شر
 کی کوئی گنجائش ہے!

عزیزان محترم! بچے اس موقع پر ایک منظر اور یاد آگیا جب صفین کے
 میدان میں علیؑ کے لشکر نے خام کے لشکر کو شکست دے کر واپس قبضہ کر لیا اور شاہ
 کے قبضہ کو ہٹا دیا تو لشکر علیؑ کو پیاس سے مارنے والوں کے لشکر میں ایک تنگ
 محید اب علیؑ ہم سے انتقام لیں گے اور ہم پیاس سے تباہ ہو جائیں گے۔ شہزادہ
 یونس یاد حاکم شام معاویہ بن ابی سفیانؓ تک پہنچی۔ اس نے آواز دی کہ پریشانی
 کی کوئی بات نہیں ہے، علیؑ بڑے کریم ہیں، تم پانی کا مطالبہ کرو وہ کبھی پانی
 بند نہ کریں گے۔

عزیزان گرامی! منظر کو منظر سے ہٹا کر دیکھ لیجئے کہ دار کی عظمت کا
 اغازہ ہوا جیسا کہ بنی تھے اور معاویہ کا باپ ابوسفیانؓ تھا، اور آج علیؑ ہیں اور
 ابوسفیانؓ کا بیٹا معاویہ ہے بنی تھے کے کریم کا اقرار کیا تھا اور آج بیٹا
 علیؑ کے کریم کا اعتزاز کر رہا ہے۔ چچا! آپ نے کون کس کا وارث
 ہے، اور کس کے پاس کس کی سیرت ہے۔ شام تک ابوسفیانؓ کا انداز یہ تھا
 اور علیؑ تک محمد مصطفیٰؐ کا کردار آیا ہے۔ مسلمات!

بنی اکرم کی سیرت گواہ ہے کہ آپؐ نے اپنے سماج کو دیا ہے
 اس سے کچھ لیا نہیں۔ سماج سے لیا ہوتا تو بیت پرست ہوتے، شراب خورد
 ہوتے، غمرازی فرماتے، سود کے عادی ہوتے، قاتل و سفاس ہوتے،
 اور مافوقی باتوں کے معتقد ہوتے، لیکن آپؐ کی زندگی میں ان باتوں کا

تو مسلمان بھی نہیں ہوتا مسلمان،

سناوت کو دیکھا جائے تو پوری پوری دولت خیر کی ساج پر صرف ہوتی نظر آتی ہے۔ عرب کی تاریخ گواہ ہے کہ جناب خدیجہ عرب میں سب سے بڑی دولت مند خاتون تھیں۔ اور جب حضور سرور کائنات کے عقد میں آئی ہیں تو اپنی ساری دولت ہمراہ لے کر آئی ہیں، لیکن چند روز کے بعد خدیجہ کی بیٹی کو فاقے کرستے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔ دنیا بتائے کہ اتنی بڑی دولت کیا ہوئی اور اتنا عظیم خزانہ کہاں چلا گیا۔ یہ حضور سرور کائنات کی سناوت اور آپ کا کرم ہی تھا کہ گھر میں فاقے ہو رہے تھے اور قوم کے فقیر غنی بن رہے تھے صلوات، شایان تجارت یہ ہے کہ زندگی میں دو عالم سفر تجارت فرمائے۔ ایک مرتبہ کمسنی کے عالم میں اپنے چچا جناب ابوطالب کے ساتھ گئے تو عالم پہنچا کہ راستہ کے عیسائی ماریب نے دیکھ کر آواز دی کہ ابوطالب اس بچے کو واپس لے جاؤ اور اسے شر و شتم سے بچاؤ۔ میں اس کے چہرہ میں نبوت و رسالت کے آثار دیکھ رہا ہوں اور غریب یہ کائنات کی عظیم ترین شخصیت ثابت ہوگا۔ اور دوسری مرتبہ جب جوانی کے عالم میں گئے قوافی برکت حاصل ہوئی کہ جب جناب خدیجہ کے مقام سے مالکہ کو راستہ کے کلمات کی اطلاع دی تو خدیجہ نے ساج کے تمام جندھنوں کو توڑ کر عقد کا پیغام دے دیا اور ایک اپنے ہی مال سے تجارت کرنے والے عامل کے قدموں میں ملادی دولت ڈال دی اور خود بھی اس کی طاوور بن گئیں۔ اس کو دار کا کوئی جواب ہے کہ انسان ایک سفر تجارت میں اتنی بڑی کائنات کا مالک ہو جائے اور ایک معاملہ تجارت سے زندگی کے بیشتر مسائل حل کر دے۔ اور مجھے تو جناب خدیجہ کے غرق و کردار کی بھی تعریف کرنا پڑتی ہے کہ جہاں سناج میں اپنے سے

زندگی کے پیٹھ کاٹنا ہے کس ماحول میں انجام دیے ہیں اور کتنے مختصر وقت میں کتنا اہم کام کیا ہے۔

جہاں تک ذاتی کمالات کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کچھ کہنا ہی نہیں ہے، یہاں زبان کھولنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے برابر ہے اور اس موضوع پر کئی بحث کرنے کی ضرورت ہوتی اگر کس نے کمال کے انکار کرنے کی ہمت کی ہوتی اور جب دشمن تک کمال کے معترف ہیں تو تفصیل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ذکر خیر کا افادیت کے بیش نظر چند کلمات کافی ہیں۔

آپ کے علم کو دیکھا جائے تو آپ کے اس دنیا میں آنے کی مسند من بھی یہ ہے کہ قوم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کے درمیان تلاوت کتاب کریں، یعنی دنیا میں اگر تعلیم حاصل کرنے والے اور میں اور دنیا کو تعلیم دینے کے لئے آئے ہالے اور ہیں۔ یہ آپ کے الہی علم کا نتیجہ ہے کہ جادو گردوں کو سجن سے آشنا کر دیا اور جاہلیت کے مارے ہوئے انسانوں کو علم کتاب و حکمت سے دیا۔ آپ کی مثل ایک مدرسہ فکر و نظر تھی، جہاں صحابہ ان ملاجیت علوم و کمالات کے جواہر حاس کر رہے تھے اور صحیح و شام حقائق قرآن کا پھر چا تھا۔ آپ کی نیان اقدس پر قرآن ہے نور چشمہ کمالات اور حدیث ہے نور صدر و فغان و کرامات۔ اب یہ اپنے غرق کی بات ہے کہ کتنا حال ہوگا اور کون کس قدر فائدہ اٹھائے گا۔ نبی کا دریاے فیض جاری ہے چاہے انسان مقداد بن جائے یا ابولہب البذی بن جائے یا ابوجہل، حضور کے کردار پر کوئی حق نہ آئے گا۔ باور پائی سے لگا ہے۔ بھی پتے ہیں اور کانٹے بھی۔ اب نیساں سے امرت بھی بنتا ہے اور دہر بھی۔ صاحب صلاحیت ہوتا ہے تو علم لے کے مسلمان بن جاتا ہے، کم ظرف ہوتا ہے

کی سراج نہیں ہے، عبادت اور زندگی کی سراج ہے۔ مصلوات۔

عبادت ہی کی طرح زندگی کا اوزار بھی جُدا گناہ ہے، بیٹ پر تھمے
بندھے ہوئے ہیں اور تسلیخ اسلام ہو رہی ہے، گھر میں خلتے ہو رہے ہیں اور کاہر
ہاٹ انجام پاتا ہے، دولت خد بکھٹ رہی ہے اور اپنے لئے ایک ایک خرما
کے عوض ایک ایک ڈول پانی کھینچا جا رہا ہے۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ زیر
قدم کائنات ہو، زیر نگین جنت ہو، زیر اتر زمین و ملک ہوں اور گھر
کی زندگی اتنی ساواوا اور فخرانہ ہو۔ یہ سب کیوں تھا یہ درحقیقت یہ جنت کا ایک
انوار تھا، کہ آج میں میں و اما کی زندگی گزار سکتا ہوں، جسے اختیار میں ساری
کائنات ہے لیکن کل میری امت کا کیا ہوگا اور پھر ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ تاہم
امت عیش عشرت ہی کو غلبہ و ملت کا نام دے دیگی اور یہ انوارہ بالکل صحیح
نکلا کہ آج جب میرت رسول کی اتنی ساواوا پیش نظر ہے تو درباروں پر دشمنی
پرکھ رہے ہیں، اگر ہمیں سرکار کی زندگی میں بھی رنگینی آگئی ہوتی تو اسلام
قیصریت و کمزورتی کا دوسرا نام ہو جاتا اور دین الہی خاک کے گھاٹ اُتر جاتا۔ کہہ
اور قیام کی زندگی میں ہی فرق ہے کہ کوئی شاہنشاہ جو میر سید پر بیٹھا ہے اور
خام کا عالم فرض غفل پر آرام کرتا ہے۔ اور کوئی پناہیہ آواز دے رہا ہے
کو میرا جانشین آسمان میں نہیں ہوتا، اُلو تراب ہو ملے۔ مصلوات،

ان حالات کو دیکھنے کے بعد جب سہ کارہ و دعاؤں کی شانِ خماعت پر
نظر جاتی ہے تو حیرت کا انتہا نہیں رہ جاتی، کہ ایک ایسا انسان جس کے دل
محنت و معزوری میں گمراہ تھے ہوں، جس کی رات صلیتے پر گزرتی پختہ جہاں کے
کام عبادت و ریاضت ہوں اور جس کی زندگی صرف زندگی و عبادت ہو، اسے

مزد و طہارت کے انسان کو منہ لگانا عیب بردہاں اسی طریق کی ایک فرد کو اپنے مقصد کا
مالک بنا دیا جائے، اور جہاں بڑے بڑے صنایع و پیشہ کے بنیاد کو ٹھکانا دیا گیا
ہو وہاں ایک عظیم عبداللہ کی کنیت ہی اختیار کر لی جائے۔

یاد رکھئے! غربت و افلاس کے عالم میں نہ جنت کے سایہ میں پناہ
لینا اور نہ ہی دولت و سرمایہ کی آغوش میں خرد ہر کی پوری اُمت کو پناہ
دینا اور بے مصلوات،

عبادت کا عالم اور بھی جنت انگیز اور توجیب خیز تھا، کہ رات رات بھر
سجدا اور دن بھر سجدہ، قیام و قنود، رکوع و سجود، تلاوت قرآن، ذکر و تکرار کے مشغلے،
خارجہ کی مسئلہ اور عبادت پر در و گداز۔ زندگی کے کارناموں کا آغاز ہی شانِ عبادت
سے ہوتا ہے اور نہ ہی کہ کوئی دیر کا شراغ ہی خارجہ کے ذکر و فکر سے مناسب اور
سراج عبادت کا عالم رہے کہ ساری کائنات سے زندگی کا مطالبہ کرنے والا
پروردگار خود یہ کہتا ہے کہ میرے عیب ماقول کو ذرا سوچا یا کرو۔ حکم خدا پر
مجددوں کے لئے اٹھنا اور ہے اور حکم خدا سے پہلے چھوڑ کر آرام کرنا اور ہے۔
پیشانی اپنی میں دیکھنا ہے یا علی میں کہیں حکم خدا سے نیا کو آرام کرتے
ہوئے دیکھنا ہے اور کبھی حکم رسول سے علی کو بسترِ جنت پر سونے ہوئے
دیکھنا ہے حکم خدا سے ذرا دیر آرام کرے تو جی اور حکم نبی سے تمام راست
چین سے سونے تو علی۔ مصلوات،

خدا کو کبھی یہ شانِ عبادت اس قدر پسند آئی کہ سراج کی ماتِ عرش پر
اعظم پر بھی بلایا تو محبت و نزول کے نام پر نہیں۔ رسالت و سلطنت کے نام پر
نہیں، بلکہ ارشاد ہوا۔ سبحان الذی اسبغ علیہ یسعی یہ معراج، رسالت و نبوت

بہار میں دیکھنا، ہجرت کی رات میرا صبر و سکون پہلے دیکھ لو تا کہ اندازہ ہو جائے کہ تلوار پر بھروسہ کرنے والے اور ہوتے ہیں اور کردار پر بھروسہ کرنے والے اور۔ تلوار پر تکیہ کرنے والوں کی شان اور ہوتی ہے اور نصرت الہی پر اعتماد کرنے والوں کا اندازہ اور مصلوات۔

کردار پر تکیہ انھیں پلوؤں پر غفلت کرنے کے سبب خاتمہ کھام میں سرکار کی زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر کے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے کتنے مختصر وقت میں کتنے عظیم کام کئے ہیں، قرآن کا یہ عالم تھا کہ تلاوت قرآن بھی کرنا ہے اور ترکیبہ نفس بھی۔ کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دینا ہے اور دین کے اصول بھی سکھانے ہیں۔ فرضی تعلیمات اور احکام شریعت بھی بتانا ہیں اور امت کی پرورش بھی کرنا ہے، انہوں اور کوجوں میں توحید کی آواز بھی بلند کرنا ہے اور مریضوں کی عیادت بھی کرنا ہے، مرنے والوں کے جنازے بھی اٹھانا ہیں اور دوسرے ملکوں میں اسلامی نمائندے بھی بھیجنا ہیں اور انھیں تبلیغی احکام و اصول کی بھی تعلیم دینا ہے، ازدواج کے نفقہ کا بھی انتظام کرنا ہے اور بچوں کی تربیت کا بھی انتظام کرنا ہے، اصحاب کی تعلیم و تدبیر کا بھی انتظام کرنا ہے اور سماج کے مشکلات میں بھی کام کرنا ہے، لوگوں کی امانتوں کو رکھنا اور واپس بھی کرنا ہے، اور معاشرہ کے ہر اہم موقع پر حاضر بھی رہنا ہے، حج بیت اللہ کی قیادت بھی کرنا ہے اور میدانوں میں حاضری بھی دینا ہے، مسلمانوں کو جماعت بھی پڑھانا ہے اور تلاوت قرآن کے آداب بھی سیکھ کرنا ہیں، خدو کہ بے پناہ تجارت و دولت کا انتظام بھی کرنا ہے اور ان تمام کاموں کے لئے وقت اتنا مختصر ہے کہ زندگی کے چالیس سال خاموش گزر گئے ہیں۔ ایک مدت غار حرا کی خاموش عبادت

میدان جنگ سے کیا واسطہ، لیکن یہ سرکارِ دو عالم کے کردار کی ہمہ جہتی اور جامعیت تھی کہ آپ جہاں مصلیٰ پر عاید شب زندہ وار تھے وہاں میدانِ جہاد میں سرورِ لشکر۔ جہاں دہلیائے فقر ہر ایک خاک نشین انسان تھے، وہاں محاذِ جنگ پر ایک قائم مقام آنا، آپ کی شجاعت کے تجزیہ کے لئے اسلام کے تمام سرگولہ کا تجزیہ ضروری ہے اور اس کا عمل و درجہ نہیں ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہنا کافی ہے کہ آپ محاذِ تبلیغ پر آئے تو پھر برستے رہے لیکن اپنا راستہ نہیں بدلا، اور محاذِ جنگ پر آئے تو نبات و استقلال کا مرتق بن گئے۔ آپ کا کوئی جہاد نہ اسلام کا ممنون کرم تھا نہ لشکر کا، جہاں لشکر کے قدم اکھڑ گئے ہوں وہاں آپ ثابت قدم رہے، اور جہاں سپاہیوں کے سر نہ اٹھتے تھے وہاں آپ میدانِ جنگ میں نظر آئے، ہر ملک کی شجاعت کا اندازہ دیکھنا ہے تو علی سے پرچھے، جس نے ہر میدان میں آخر تک ثابت قدم رہ کر شجاعت و استقلال کا مشاہدہ کیا ہے اور جب احد کے میدان میں مصطفیٰ نے کہا کہ یا علی جب سب چلے گئے تو تم کیوں نہیں گئے، تو عمر بن کی، حضور میں آپ کے نقشہ قدم پر ہوں، جب تک آپ نہ چلے جائیں گے میں بھی نہ جاؤں گا، گھبرا خوار تھا کہ بنی کی شجاعت کا اندازہ کرنا ہے تو میری شجاعت کو دیکھو، جب وہی کائنات قدم یہ ہے تو نبی کا عالم کیا ہوگا اور شاید اسی لئے قدرت نے علیؑ کے ہاتھ میں وہ الفقار دے دیا کہ علیؑ دینی کے مراتب کا فرق بھی محفوظ رہے اور دنیا دیکھ جائے کہ تلوار کے جبر و کھانے والا وہی ہوتا ہے اور تلوار کے تئیں میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنے والا فخرِ مصلوات درناں فرق سے قطع نظر کر لیا جائے تو علیؑ کی شجاعت و ہمت بھی تلوار کی ممنون کرم نہیں ہے، علیؑ نے روزِ اول ہی تلوار سے بے نیازی کا اعلان کر دیا تھا اور دنیا کو بتا دیا تھا کہ بدر و احد و خیبر و خندق میں میری تلوار کے جوہر

تو لے لے، اور ایک شخص نے کھڑے ہو کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ آپ ایک سفر میں جا رہے تھے اور آپ نے اپنے ناتہ کو تازیانہ مارنا چاہا تھا اور اتفاق سے وہ تازیانہ مجھے لگ گیا تھا، میں اس کا استعفا لینا چاہتا ہوں، تو آپ نے ہلال کو بھیجا تھا کہ ہلال سیدہ کے گھر سے تازیانہ لے آؤ۔ ہلال نے دروازے پر آکر آواز دی، شہزادی آپ کے بابا نے تازیانہ طلب کیا ہے۔ شہزادی نے گھبرا کر کہا: ہلال! بابا تو بیمار ہیں، ان میں تپ سفر نہیں ہے یہ تازیانہ کا کیا کام ہے؟ ہلال نے عرض کی۔ ابی ایک شخص نے اپنے قصاص کا مطالبہ کیا ہے اور آپ کے بابا اس کا حق دینا چاہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ زہر کا دل ٹپ گیا۔ ہلال یہ کون سا انسان ہے جسے باکی بیماری پر رحم نہیں آیا۔ میں کہوں گا۔ خنزیر اویں بیمار پر تازیانہ کا نام سنا اڈول بیقرار ہو گیا۔ کاش آپ کو ہلال کے میدان میں ہر نہیں جہاں آپ کا بیمار قید ہو کر کوہلا سے شام تک تازیانوں پر تازیانہ کھاتا جا رہا تھا۔ عزا دار و ہلال تازیانہ لائے، بیگم نے اس کے ہاتھ میں تازیانہ دیا، اس نے کہا آپ بخت سے پیرا بن جائیں، آپ نے پیرا بن جانا۔ اس نے بڑھ کر ہر نبوت کے ہوسے لئے، مسکے سرکار! خدا گواہ ہے کہ آپ کے ذمہ کسی کا کوئی حق نہیں ہے، یہ میری آخری توانائی تھی جسے پورا کر کے گئے تھے یہاں پر گستاخی کی تھی۔

دینا جاتی ہے کہ رسول کے ذمہ کسی شخص کا حق نہیں رہ سکتا۔ یہ تو کسی کو تازیانہ نہیں مار سکتا، رسول سے غلطی کا امکان نہیں ہے، لیکن آپ نے نہایت فراخ دل سے استقام کا موقع دے کر دنیا کو دکھا دیا کہ میں دربار میں صحابی کو بھی نہیں جھٹلانا چاہتا۔ مگر اللہ کے انقلاب زمانہ کہ ایسی

میں گوری ہے تین سال قبل ابوطالب میں خاعہ کی مصیبت برداشت کی ہے، تک جنگ اسی لڑائیاں لڑی ہیں، متعدد و متفرق ملک سے روایت رکھے ہیں، جنگوں کے لئے لشکر تیار کیا ہے اور انھیں ٹرین جنگ خلیفہ کئے ہیں۔ مہاجر کے میدان کو سر کیا ہے، بچوں کے لئے تیار بنے ہیں، عمدہ کو قبول دیا ہے، ذریعہ کا بندوبست کیا ہے، فتح مکہ کے موقع پر بیت فکری کا انتظام کیا ہے، وطن چھوڑ کر ہجرت فرمائی ہے، انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات و برادری قائم کی ہے، مدینہ میں مہاجر کی ہے، مہاجر کا عقد کیا ہے، انواروں کی تاز برداری کی ہے، عاشقہ نشینوں کو عرب صحرائی سے خیر امت بنایا ہے، آدمی کو ان انسان کو مسلمان اور مسلمان کو مسلمان بنایا ہے، اتنے کارناموں کو اتنی مختصر سہ ماہی کی تسلیلی مدت پر تقسیم کر دیا جائے تو شاید ایک کام کے لئے ایک دن کا وقت بھی نہ ملے گا، لیکن یہ رسول اسلام کی معجزانہ زندگی تھی کہ اتنے ہی عرصہ میں سارا کام انجام دے دیا اور اس طرح انجام دے دیا کہ دوست و دشمن نے بھی کمال کر دار کا اقرار کر لیا اور مسلمان تو مسلمان ہے ظالمی کائنات نے بھی میدان غدیر میں اعلان کو دیا کہ آج میں نے دین کو کمال کر دیا، اور دشمنوں کو تمام کر دیا اور دین اسلام سے راضی ہو گیا۔ صلوات

ان تمام باتوں کے بعد سب سے بڑا امتیازی کردار یہ ہے کہ کبھی اپنے کو رئیس اور حاکم کی خان سے نہیں پیش کیا، بلکہ امت کے ہر دھوکہ و دین شریک رہے اور برابر کا برتاؤ کرتے رہے۔ آپ اس موقع کو یاد کریں کہ جب زندگی کے آخری لمحات تھے اور مرض الموت میں مسجد تک آکر آپ نے اعلان کیا کہ میں مشرک و بت سے جانے والا ہوں، اگر کسی کا کوئی حق میرے ذمہ ہو

نقطہ ایک علی کے محلے میں رہتی بائزھی گئی ہے۔ لی بی! اس کے بال پریشان کرنا ہیں تو اس وقت
کچھ گاجب عمو عاشق کا ہنگام ہوگا، سارے خیمے میں رہے ہوں گے، بی بی! ایک خیمہ
سے دوسرے خیمے کی طرف جا رہی ہوں گی، اور فاطمہ اور احمد کے نعرے بلند ہوں گے،
جب مقتل میں ہر طرف شہیدوں کے لاشے ہوں گے، شہزادیوں کی گود خالی ہو چکی
ہوگی، باب کا مشت شاہد تیر شہید کھا کر ہلاک خاک پر سر گیا ہوگا۔

لی بی! اس کے بال کھولنا ہیں تو اس وقت کھولے گا جب آپ کے حین کا لگا
ہوگا اور خیر کا خیر ہوگا، آپ کی زینت فریاد کر رہی ہوگی اور زمین کو ہلا کو زلزلہ ہوگا۔
سیاہ آنکھیاں مل رہی ہوں گی اور دفنائے کر لیا میں ایک آواز ہوگی اَلَا قَتْلُ الْحُسَيْنِ
بَكْرًا لَا اَلَا قَتْلُ الْحُسَيْنِ بَكْرًا لَا۔

لی بی! آپ کو بد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ہیں تو ابھی نہ اٹھائیے، یہ ہاتھ
اس وقت اٹھائیے گا جب آپ کا زینب کے ہاتھ بندھ جائیں، جب آپ کا نام کلمہ م
قید ہی بن جائے، جب آپ کی سیکسٹہ شعر کے مانچے کھائے، جب آپ کا عابد
بہار انھوں میں ہنسنے لیاں، پیروں میں پیریاں، آگے میں طوفی غار دار پہنے ایا
بہنوں کے ساتھ کوڑو و شام کے بازار، تماشا ٹولوں کے جھوم میں لے لئے ہونے قافلہ کے
ساتھ بولے عام میں جائے گا۔

لی بی! فریاد کرنا ہے تو اس وقت کہئے گا جب شام کے زندان میں کمن
بچی دنیا سے سفر کر جائے اور آپ کی زینب اپنی بے کس کا ماتم کرے، نہ کوئی غسل
دینے والا ہو نہ کفن پہنائے والا نہ کوئی جنازہ اٹھانے والا ہو نہ پسر دینے والا
اور دفنائے شام میں ایک آواز گونج رہی ہو، لی بی! انھو نہیں دمن جانے کی
تقاضی، یہی جان! قافلہ جاسا ہے۔ لی بی!۔ ماں تجھے چھوڑ کر کیسے جا چکی لی بی!

دوسرا جب رسول کی بیٹی آتی ہے تو اس کی تکذیب کی جاتی ہے اور اسے صلیب
پہنائے جاتے ہیں، کیا فاطمہ کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ فریاد کرتیں کہ بابا آپچے
جسدائے معائب پڑے کر دلوں پر پڑتے تو مائوں کی طرح سیاہ و تارک
بچ جاتے۔

وقت گزرتا رہا، زندگی کا آخسر ہی لگا آیا، ملک الموت نے دروازہ
پر آکر آواز دی، سیتہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، باب کے رخسار پر آنسو گرے
باب نے آنکھیں کھول دیں۔ بیٹی خیر تو ہے یہ آنکھوں میں آنسو کیسے بہا عرض
کی۔ بابا کوئی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں بار بار سمجھا رہی ہوں لیکن وہ برابر
اگر نہ رہا ہے، فرمایا۔ سیتہ! اجازت دے دو، تمہیں تو معلوم ہے کہ
یہ ملک الموت ہے اور قبض روح کے لئے آیا ہے، بیٹی، یہ صرف میرے در کا
شرف ہے کہ ملک الموت بھی اجازت کے بغیر اندر نہیں آ سکتا۔

عزادار دوا جس زہرائے آج اپنی ڈیڑھی کا یہ شرف دیکھا ہے،
اس نے دُور دن کے بعد یہ انقلاب بھی دیکھا ہے کہ دروازے پر آگ اور
لکڑیوں کا انہما ہے اور دھواں اٹھ رہا ہے سیتہ فریاد کر رہی ہیں۔
چلتا ہوا دروازہ لگا جاتا ہے دشمن کی خدات والے ہوتے ہیں، فاطمہ کا
چہرہ شکستہ ہوتا ہے غشی کا عالم طاری ہوتا ہے، آنکھ کھلتی ہے تو وارث
کے محلے میں رہتی نظر آتی ہے۔ آواز دیتی ہے۔ لا لہو الاہمیں کو چھوڑ دو، در نہ
میں اپنے سر کے بال پریشان کر دوں گی۔ میں کہیں گا، شہزادی! ابھی آپ سر
بال پریشان نہ کریں، ابھی تو فقط ایک دروازہ میں آگ لگ چکی ہے، ابھی تو
فقط ایک پہلور زخمی ہوا ہے، ابھی فقط ایک دشمن کی خدات ہوئی ہے، ابھی

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالبؑ

اور مجھے فرمے آواز آرہی ہوگی۔ قافلے والو!۔ میرے چاہنے والوں سے میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا تمہاری مشتاق قید خانہ شام میں سو گئی اور اب چٹ کر ڈائے گی۔
 مولانا ابن عربیؒ ان اوقات سرور عالم کا ذکر کر گیا ہے تو ایک جملہ اور سن لیجئے۔
 باپ کا وقت آخر تھا، بیٹی سرانے موجود تھی، بیٹی نے باپ کی آخری خدمت انجاما دی
 اس کے بعد بیٹی اٹھ کر جوانوں، بادشاہوں اور مولائے کائنات نے مل کر نہایت
 اہتمام و احترام سے جنازہ ورن کر دیا۔ جی چاہتا ہے فریاد کروں صدیقہ طاہرہ۔ آپ
 اس بے قرار سے رو رہی ہیں جبکہ آپ نے باپ کی قبر دیکھی ہے، احرام سے جنازہ
 اٹھتا دیکھ لے، میں اس بڑے بارے میں کیا کہوں جو وقت آخر باپ کے
 سرانے نہ آسکی اور جب شام فریادیں کے سنائے میں آئی تو ظالموں کے
 تازیانے کھائے اور پھر کربلا سے چلی تو طبعی رتی پر باپ کا جنازہ چھوڑ کر۔ اور
 پھر شام کے زمان میں یوں سو گئی کہ باپ کی قبر بھی نہ دیکھ سکی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ



اسم مبارک

علیؑ، سیدؑ، ایماؑ،

لقب

مرقضیؑ، امیر المومنین وغیرہ

کنیت

ابوالحسنؑ، ابوالاعلیٰؑ،

والد ماجد

عمرانؑ (کنیت ابوطالب)

والدہ ماجدہ

فاطمہؑ بنت اسدؑ

ولادت

۱۳ رجب سنہ ۱ عام الفیلؑ، خاندیکمہؑ، بروز جمعہؑ

ازواج

جناب سیدہؑ، ام البنین وغیرہ

اولاد

امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ، جناب عباسؑ

شہادت

عباسؑ، جناب محمد تنقیہؑ وغیرہ

عمر مبارک

۲۱ رمضان المبارک یکشنبہ

قبر مطہر

۶۳ سالؑ

نصف اشرف

دوستی عقل و استقامت عظمت مہمانے کا ثبات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله
والصالحين خاتم النبيين سيدنا وولانا ابي القاسم محمد وآله
الطاهرين ولعن الله على اعدائهم اجمعين ما بعد فقد
قال الله الحكيم في كتابه الكريم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انا علمينا للصدى وان لنا الاخوة والاولاد

ارشاد جناب اقدس الہی ہر ہا ہے، بے شک ہمارے کئی بڑے بھائی
اور بہنیں اور بھائیوں کی اولاد ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مالک کائنات سے ہمارے بڑے بھائی
رفیق اول سے اپنے بھائیوں میں رکھا ہے اور سب سے بڑے بھائیوں میں کوئی دور ایسا
نہیں کہ صاحب اس نے کوئی آدمی اور ماہر سے نہ مقرر کیا ہے اور ہایت انسانیت
کا کوئی انتظام نہ کیا ہے۔ آغاز حقیقت میں بشر سے پہلے اللہ نے انسان کو پیدا
کرنا خدا اس بات کو دلیل ہے کہ قدرت اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتی کہ دنیا میں
گناہوں کا وجود ہے اور براہنا کا وجود نہ رہے، ہایت ماکل کرنے والے میں
ادبیت دینے والا ہے، اس نے یہ طے کر لیا ہے کہ عیب نگاہی میں
کوئی ایک ہایت اپنے والد سے گناہیت دینے والا ضرور ہے گا چاہے پردہ
غیب ہی میں کیوں نہ رہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ عیب اس نے آغاز کائنات
میں یہ برداشت نہ کیا تھا نہ انجام میں کچھ برداشت کئے گا بلکہ میں تو یہ بھی کہہ
سکتا ہوں کہ تخلیق کائنات میں آدم کا سب سے پہلا براہنا بن کر پیدا

امت کی جلالت کا اندازہ ہر پلے مسلمات،

نبی سب ہی ہیں ادنام سب امام ہیں، مسکن تاریخ گواہ ہے محدث نبوت
کی منزل میں آدم کے علاوہ کسی کے لئے سیدہ کرا یا گیا اور نہ امت کی منزل میں علی
کے علاوہ کوئی خاند کعبہ میں پیدا ہوا۔ وہ تاریخ نبوت میں آدم کا امتیاز تھا اور یہ
تاریخ امت میں علی کا امتیاز ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح آدم
خلیفۃ الناس نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ تھے اس طرح علی خلیفۃ المسلمین نہیں بلکہ خلیفۃ
اللہ تھے علی کا درجہ عین کرنا ہے تو آدم سے سلسلہ شروع کرو، علی کے سلسلہ میں
کوئی دوسرا بشر نہیں آ سکتا اور یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات نے خدا اعلان
فرما دیا تھا کہ میں جو تھا خلیفہ ہوں اور جب چاہنے والوں نے حیت سے پوچھا
مولانا یہ کیا فرما رہے ہیں، ہم تو آپ کو خلیفہ بلا فصل اور پہلا امام ملتے ہیں
تو منہ مایا، بے شک میں جو تھا خلیفہ ہوں۔ عرض کی، مولانا جلدی و خاصیت
فرمائیں، آپ کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا: اللہ نے قرآن حکیم میں چند خلافتوں کا
تذکرہ کیا ہے، سب سے پہلے اس نے آدم کو خلیفہ بنایا، اس کے بعد داؤد کی وقت
کا اعلان کیا، اس کے بعد اسحاق کو خلیفہ بنایا اور آخر میں یحییٰ خلیفہ قرار دیا، تو میں
ان تینوں خلفاء الہی کا جو تھا خلیفہ ہوں مسلمات،

مولائے کائنات نے اس تفصیل سے در باتوں کو واضح کر دیا، اول تو یہ کہ
پہلا سلسلہ الہی خلفاء سے ہے مسلمانوں کے خلفاء سے نہیں، چھ ان سے نہ ملنا
اور دوسری منزل کا تعین کرنے کے لئے ان کا ہمارہ نہ لینا، یہ ظاہر ہیں، میں معذور
پر جاہل ہیں میں عالم، یہ گھنگھار ہیں میں پاکیزہ کردار، یہ بت پرست ہیں میں سچ
شخص، یہ منکرین کے گھروں کے پیدا ہیں اور میں خاندان اکبریا۔

ہو اس بات کا دلیل ہے کہ ماہنا، ماہر سے پہلے ہوتا ہے تو اب مجھے کہنا
پڑے گا کہ میں فلسفہ کل کوئی راہرو نہیں تھا لیکن ماہنا تھا اس طرح کل کوئی
ماہر و ذہ جلتے گا لیکن ماہنا ہر حال قائم رہے گا مسلمات،

تخلیق آدم نے یہی واقعہ کر دیا کہ ماہنا کی خلقت میں ایک خصوصیت اہتمام
بھی رہتا جاتا ہے جیسے کہ روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ قدرت نے خلقت
آدم کیلئے خصوصیت کے ساتھ مٹی فراہم کرانی اور پھر توئل اسے خمیر کیا
گیا، اور پھر پیکر آدیت چادر کر کے اس میں اپنی روح پھونکی اور کعبہ
ظاہر سے سیدہ کرایا، جس بات کی دلیل ہے کہ ماہنا کی تخلیق میں ایک
خصوصیت اہتمام رہتا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کل جب قدرت
نے تخلیق آدم میں اتنا اہتمام رہا تھا تو پھر تخلیق نور و ابائیم و موسیٰ و عیسیٰ
میں یہ اہتمام کیوں نہیں رہتا تھا اور اگر رہتا تھا تو اس کا تذکرہ دامن قرآن
میں کیوں نہیں ہے؟

میرا خیال ہے کہ قدرت نے ہر نامکدہ کی خلقت میں کوئی نہ کوئی اہتمام
فرود رہتا ہے، جیسا کہ تاریخ کے بعض واقعات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے
لیکن تفصیلی تذکرہ مثلاً خلقت آدم میں اسی نے کیا گیا ہے کہ انسان پہلی ہی
منسل پر اس حکمت کو پہچان لے، اس کے بعد تو خود ہی اندازہ کر لے گا کہ جب
پہلے ماہنا میں یہ خمیر مولیٰ اہتمام کیا گیا ہے تو دوسرے ماہناؤں میں یہ اہتمام
کیوں نہ رکھا جائے گا اور یہی اندازہ میں نے ہر منزل پر درج کیا ہے۔ نبوت کے
آغاز میں پہلے نبی کو اہتمام سے پیدا کر دیا تاکہ نبوت کی اسفرا دیت کا اندازہ
ہم جانتے اور امت کی منسل میں پہلے امام کو بڑے اہتمام سے خلق کر دیا تاکہ

دعویٰ بھی نہیں کیا۔ تو اب بچے کہنا پڑے گا کہ جس خلافت امامت و حکومت و ولایت کا ذکر قرآن میں سب سے پہلے کا ہے اور جس کا ذکر نہ کرنا میں ہے وہ سلاطین دنیا اور شاہان وقت کا حصہ ہے، اب امت کو اختیار ہے چاہے خلافت قرآن پر ایمان لائے یا خلافت تاریک پر اور جب اس کا فیصلہ ہو جائے گائب میں رہیں گے گا کہ جس کتاب اللہ کے دعویٰ میں کتنا اثر ہے اور کچھ یہ کہنے کا حق ہو گا کہ جس کتاب اللہ کا دعویٰ ہم کرتے تو زیب بھی دیتا، یہ تاریخ کے پرستاروں کو جس کتاب اللہ کا دعویٰ کرنے کا حق کہاں سے پیدا ہو گیا۔ لیکن ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ اس نے کہ خود قرآن ہی نے اپنے مفسرین کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اور اصل ظلم بھی تھا قرآن کو چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ آپ نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ میں دو گواہ قدیمین مجھ سے جانتا ہوں، ایک قرآن اور ایک میری عمرت اور میرا اہل بیت،

اب تو یہ واضح ہو گیا کہ تھا قرآن پر ایمان لانے والا خدا کا دوا دار ہے نہ نبی کے کا، اس کا ایمان نہ توحید پر ہے نہ رسالت پر اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعروں کی کوئی قیمت نہیں ہے، جب تک حق علی اللہ پر ایمان نہ ہو گا نہ لا الہ الا اللہ کا کام آئے گا نہ محمد رسول اللہ صلوات۔

عزیزانِ محترم! مجھے آج اسی سلسلہ خلافت الہیہ کی جو بحث اور سلسلہ امامت کبریٰ کی پہلی کڑی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ قدرت نے اس کی ولادت میں کیا اہتمام برتا ہے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب ملائے کائنات کی ولادت کا وقت

تھا تو اس وقت تھے اور اہتمام میں ماریت اور میں آغاز میں نور کا لکھا اور ان میں نور کا، ان کی خلقت مادہ سے ہے، میری خلقت نور سے ہے، ان کی خلقت جنت کے ساتھ تھی ہے میری تخلیق کا وقت قرآن کے ساتھ، ان کی خلقت شرک و عورتوں کے عروج میں تھی ہے میری خلقت حورانِ جنت کے حضور میں۔ انھیں دینا نے اپنا نام نہ بنایا ہے بلکہ اللہ نے اپنا جانشین بنایا ہے، انھیں امت کی احاد نے صاحبِ اقتدار بنایا ہے بلکہ انہی کرم نے جنت و عرش کا شمار بنایا ہے، انھیں دنیا کے عزائم کے غنی بنایا ہے بلکہ انہی دولت نے امیر بنایا ہے، انھیں بندوں کے مفادات نے القاب و خطابات عطا کئے ہیں میری شان میں عرش الہی کے آئین اتری ہیں اور مختصر یہ ہے کہ انھوں نے تلخ شان کو زینت سر بنایا ہے اور میں نے تاریخِ حکومت کو شو کو دل میں رکھا ہے۔ صلوات،

دوسری طرف مولا کے کائنات نے بھی واضح کر دیا ہے کہ قرآن مجید میں جس خلافت کا ذکر ہے وہ انبیاء کی خلافت ہے اہل دنیا کی خلافت نہیں ہے۔ اس نے یا تو آدم و داؤد و ہارون کی خلافت کا ذکر کیا ہے یا آیت ولایت میں میری حکومت کا ذکر کیا ہے۔ انبیاء و مرسلین کی جانشینی کا ذکر کیا ہے یا سب اہل غدیر میں میری عظمت کا اعلان کیا ہے۔ پہلے طیف سے دین کا آغاز کیا ہے یا آخری طیف پر دین کی تکمیل کی سند دی ہے اس کے علاوہ اس کے ظاہر میں کسی خلافت کی گہرائش نہیں ہے، محض ان کی کثرت میں نہیں جانا چاہتا، میں اگر یہ نظم بھی کروں کہ دنیا کے محال و مناقب میں بھی آئیں ہمارے ہمارے اور قرآن مجید نے انھیں بھی اپنا مددگار دیا ہے تو بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قرآن حکیم نے ان کی خلافت حکومت کا کوئی ذکر کیا ہے، اور ذکر کیا، بھلائی جانتے مائل نے آج تک

عزیزان گرامی! ان کی تفصیلات آپ کی نگاہ کے سامنے ہیں، غور کیجئے تو
لفظ ایک فضیلت اور ہرگز ایک کرامت ہے، ہر منزل ایک شرف ہے اور ہر قدم
ایک جلالت۔

زیادہ تفصیل کا محل نہیں ہے، صرف چند لفظوں کی طرف آپ کی ذہنیں
موجز کر دینا چاہتا ہوں، یہی بات توبہ ہے کہ جب بنت اسد کو ولادت کی تکلیف
کا سامنا ہوا تو گھر سے باہر کیوں نکلیں، ایسے موقع پر خواتین اپنے گھر میں رہا کرتی
ہیں اور دوسری عورتیں دعاء کے لئے مسجد اور عبادت گاہوں کی طرف
جاکر آتی ہیں لیکن یہاں فاطمہ بنت اسد نے کس سے ذکر بھی نہیں کیا، اور
خانہ کعبہ تک چلی آئیں، اور پھر آئیں بھی تو ایسی پریشان نہیں ہو گئیں کہ
اپنا منہ عجایب کو کہیں، بلکہ پہلے اپنے ایمان کا اعلان کیا، پھر اپنے مولود کا
نام اسد دیا اور آخر میں دعا کی، دعا سے بعد بھی دل پر کبریاں ہوئی تو کچھ بٹنے کے
بجائے آگے بڑھ گئیں۔ آج اگر خدا نخواستہ اسی مہلت کی کوئی دہوار
ٹوٹنے لگے تو آپ حضرات بھی یہاں نظر آئیں گے، چہ جائیکہ ایک خاتونِ امہ
وہ بھی ایسے سخت وقت میں جب کہ عورتیں سایہ سے بھی ڈرا کرتی ہیں اور پرچا ہوں
سے بھی درخت زدہ ہو جاتی ہیں جناب فاطمہ بنت اسد پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ
جاتی ہیں اور خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جاتی ہیں، اس کے بعد یہ خیال بھی نہیں ہے کہ
وہاں کوئی درگاہ لے گا، کہاں سے عورتیں آئیں گی، کون اس موقع پر ساتھ دے گا،
کہاں سے آب و دروازہ کا انتظام ہوگا، کہاں سے آنے والے فرزند کے ضروریات فراہم
ہوں گے، اور اس کے بعد قیامت یہ ہے کہ منظر کو دیکھ کر سارے شہر میں کھرام برپا
ہو جائے، تمام افراد دست کر خانہ کعبہ کے قریب آگئے ہیں اور تین دن گزرنے پر بھی جناب

کعبہ کا کوئی فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کے قریب آئیں اور اپنے
شکر اقدس کو دیوار کعبہ سے لمس کر کے دعا کی، اسے پروردگار میں کچھ بر
پائی لائی، تیرے سوا ہر ایمان لائی، تیرے سوا ہر ایمان لائی، صبر و استقامت
بیت کا واسطہ، اس کے سوا ہر ایمان کا واسطہ اور اسے جسے پروردگار اس مولود کا
واسطہ جو کعبہ شہیم میں ہے، میری شکل کو آسان کر دے۔ یہاں کہتا ہے کہ ابھی
دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ دیوار خانہ کعبہ فتح ہوئی اور نیا در پیدا ہوا، جناب فاطمہ
بنت اسد خانہ کعبہ کے اندر گئیں اور مولا کے کائنات کی ولادت ہوئی، تین روز
خانہ کعبہ میں مقیم رہیں، دیوار اپنی اصلی حالت پر باقی گئی، لوگوں کو واقعہ
کی خبر ہوئی تو چاروں طرف سے لوگ لوٹ پوٹے۔ یہ کیا قیامت ہوئی یہ دیوار
کیوں کو فتح ہوئی، یہ دوبارہ کس طرح چھو گئی، یہ فاطمہ بنت اسد کیوں
نہیں، اور کس طرح اندر چلی گئیں، اور چلی گئیں تو اب باہر کیوں
نہیں آئیں،

دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی، دیوار بلائے گئے، قفل توڑنے
کی کوشش ہوئی لیکن قفل کو نہیں توڑ سکتا تھا، دروازہ کو نہیں کھل سکتا تھا
زکھلا، تین دن کے بعد از خود دیوار میں کد پیدا ہوا، اند فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ
سے باہر آئیں، پیچھے اسلام استقبال کے لئے بڑھے، بچہ کو چچی کی آغوش سے
اپنی آغوش میں لیا، بچہ کی آنکھیں بند نہیں، جیسے ہی بچی کی آغوش میں آیا
آنکھیں کھول دیو، اور جمال رسالت پر نظر ڈالی، پیچھے فرود سرت سے
اعلان کیا، باطنی آواز نے اپنی فطرت کے لئے مجھے مخصوص کیا اور میں نے
اپنے علم کے لئے مجھے مخصوص کیا۔ صلوات،

کہل نہیں کرتی اور یہ کیوں نہیں کہتی کہ تیرا چھٹا بھیا د معاف اللہ! ایک شخص نے کہ
ایا ہے کہ اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور پھر نیت کو کیا ہو گیا ہے کہ جب برکت کے
ذوق پہنچا آنکھ کھولتا ہے اور جو چہرہ سامنے ہوتا ہے اسے دیکھتا ہے تو بہت
کوہر ادا اس قدر پسند آجاتی ہے کہ اتنی ہی سی بات پر سارے علم کا فیصلہ کر دیتا
ہے اور نظر سے علم کا سودا ہو جاتا ہے۔

اربابِ کرم! غولہ کے پیاں نظر سے سیراب ہونا تو دیکھا تھا لیکن
نظر سے کمالات کا حقل ہوتا نہیں دیکھا تھا، یہ آج دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے
بچے نے ایک نظر میں سارے کمالات کا سودا کر لیا، یہ بچہ بھی عجیب کہتہ ہے
کہ بچپن میں چہرہ رسالت پر ایک صفحہ ڈالنا ہے تو علم رسالت کا سودا کر لیتا ہے
اور جوانی میں بستر رسالت پر ایک فیض سر جاتا ہے تو مرنے پر سودا گار کا سودا کر لیتا
ہے صلوٰۃ،

تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے، واقعہ کے خصوصیات مجھ میں آگئے ہیں
اب اس کے سوا کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ خدا اور رسول کا ایک جانا پچانا
مخصوصہ تھا جس کی رازدار جناب فاطمہ بنت اسد بھی تھیں اور جناب ابوطالب
بھی، اور بزرگوں پر اظہارِ طاری نہ ہونا، کما اسی بنیاد پر تھا کہ سب کو مایہ الہی کی
غیر تھی اور سب کو معلوم تھا کہ آج قدرت کا بھی اجماع ہے اور کمالات
کو اسی انداز میں پیش آتا ہے اور اگر الگ الگ تفصیلات دریافت کرنا چاہتے
ہیں تو فقیر لفظوں میں یوں کہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد گھر سے نکل کر
خارجہ تک اس لئے آئیں کہ آج کا مولود میرا نمائندہ نہیں ہے، پروردگار کا
نمائندہ ہے، دعاء سے پہلے ایمان کا اعلان اس لئے کیا تو ناہم اُنت میرے

ابوطالب نہیں آئے، جنہیں آنا چاہئے تھا، اور جن کی یہ قدر داری تھی، آج اچھے بے سربق
پر کوئی قانون گھر سے باہر ٹپکا جائے تو سب سے زیادہ فکر خیز ہو کر ہوگی، اور پھر ایسے
انہوں میں جبکہ گھر کا دروازہ بند ہو اور کنگ تک پہنچنا ناممکن نہ ہو، کیا ابوطالب
کھانپنے آنے والے لہلہ کی فکر نہیں ہے، کیا فاطمہ بنت اسد کی زحمات کا خیال
نہیں ہے، کیا انہیں مکہ کے ہنگامہ کی خبر نہیں ہے، کیا ان سے لوگوں نے اس
عجیب و غریب حادثہ کو نہیں بیان کیا۔ یقیناً یہ سب کچھ ہوا تو پھر سوال یہ ہے کہ
ابوطالب کیوں نہیں آئے، اور قیامت یہ ہے کہ تین دن کے بعد بھی پیڑ اسلام لائے
ابوطالب نہیں آئے۔

عزیزانِ گرامی! واقعہ کے خصوصیات صاف اعلان کر رہے ہیں کہ
یہ ولادت کسی عام بچہ کی ولادت نہیں ہے، اس میں قدرت نے ایک خصوصی
اجتماع برتا ہے، اس کا اندازہ دنیا کے دوسرے افراد کی ولادت سے
بالکل جدا محاذ ہے، جیسی تو دیوار میں دریا کے ہلایا گیا ہے، اور بچہ بھی کیسا
بچہ کہ تین دن گزر گئے آنکھ بھی نہیں کھولتا، ان فطری اعتبار سے پریشان ہے
خارجہ اس کی دیر ہے کہ بچہ آنکھ نہیں کھولتا اور بچہ ہے کہ آنکھ بند کئے ہوئے
ہے اور تین دن کے بعد جسے آغوشِ پیغمبر میں آنا ہے فرما آ نکھیں کھول
دیتا ہے۔ یہ کس نے بتایا کہ کس کی آغوش سے کس کی آغوش میں آگیا، یہ کسے
معلوم ہوا کہ خاندانِ کعبہ سے باہر آ چکا ہے، یہ کسے اندازہ ہوا کہ سال کی آغوش
نہیں ہے، رسالت کی آغوش ہے، اور یہ کس نے سکھایا کہ خاندانِ کعبہ کے اندر
آنکھ نہیں کھولنا چاہئے آغوشِ پیغمبر میں اگر آنکھ کھولنا چاہئے، کیا بچہ کہ
ان سے نیا دہ کسی سے انس ہے اور اگر ایسا ہے تو ان بچہ کی شکایت

مشکل کوٹائی کر رہا ہے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ مٹی کو چھوڑنے کے بعد باقی ٹیم کا خط
بھٹا نہیں رہ جاتا ہے اور غارت خانہ کا قریب بھی بے کار ہو جاتا ہے اور کیوں نہ ہو اہلیت
کو چھوڑ کر بیت سے بھر جائے گا تو ان کے لئے گا، طمان کو کتابے تو اہلیت کو بس
پہچانا پڑے گا اور ان پر سکھایا لانا پڑے گا۔ مصلحت،

طمان کے شکاف نہ ہونے پر پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ وہ
کئی اگر کسی قدر کی ہوتی ہیں لیکن نیچے پہچانو! میں جہد کرانہ کی ماں ہوں اور مجھے یہ
دلیل کیا مرثوب کرے گی، میرا ہر شہر خباثت کا خاں اور بہت دامستقل کا زور دار
ہے، میں ایک اسد کی بی بی ہوں اور ایک شیر ذوالجلال کی ماں، ایک میدان سے
پٹنے کا کیا سال ہے مصلحت،

آئیں اس بے نیازی سے آئیں کہ وہ ہر درد کا خیال ہے، عورتوں کا
انتظار، نہ آپ دواؤ کی فکر ہے نہ استغاثات ولادت کی کشمکش، اور نہ باقی حال سے
آلودہ رہیں اس کو یہ سب فکریں ہر تہا اگر میں خود سے آتی، میں کبھی کسی
کے ہاتھ پر آئی ہوں تو اب انتظام اسی کے ذمہ ہے، میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے
مجھے اس کے کم برا اعتماد ہے کہ وہ کسی کو بے بہارا نہیں چھوڑے گا اور اگر کسی دنیا
دلے کی آمد ہو تو میری عورتوں کو طلب کرتی لیکن جب اُدھر ملے گا اس کا مسئلہ
ہے تو خدمت کے لئے ہی اُدھر رہی کی عورتیں آئیں گی، چنانچہ روایت گواہ ہے کہ
خدا آئیں، سلام آئیں، مریم آئیں، حوریں جنت آئیں اور غارت بنت اسد کے
مشکلات میں کام آئیں اور قدرت نے اعلان کر دیا کہ اب فرق مراتب پہچان لو!
جو مریم و حق ولادت خدمت کے لئے آئیں ان کا مرتبہ بنت اسد کا مرتبہ
نہیں ہو سکتا، اور ان کا دل ناقص کے قائل کا ہم جہ نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ

ہو سکتا ہے اور کل بحث ایمان میں آپ کی طرح ماں کا ایمان بھی جھگڑا ہے میں
نہیں چھانے، اور جب میرا ایمان ثابت ہو جائے گا تو دنیا نے عقل و ہر شے کو
سوچنا پڑے گا کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے مسلمان عورت کسی کا فرمودہ کی زندگی
میں نہیں رہ سکتی اور اس طرح ہر قسم کے ایمان کا بھی اعلان ہو
جائے گا۔ مصلحت،

نعماء میں انبیاء اور کتب کا محالہ دے کر اپنے ایمان کی وسعت
اور اپنے مصلحت کی بندگی کا اعلان کیا اور صحابہ حرم کا محالہ دے کر واضح
کر دیا کہ غارت کب کے گرد بھی وسیلہ کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی، اب
وہ لوگ غارت خانہ سے کیا لے جائیں گے جو وسیلہ کے قائل نہیں ہیں اور خدا
کی بنا وسیلہ پہنچا رہے ہیں۔

مجھے تو کوئی ناپڑتا ہے کہ براہ راست جانے والے براہ راست ہی جائیں
گے، اب کہاں جائیں گے اس کا فیصلہ روز قیامت ہوگا، اور اگر آج چاہتے
ہیں تو اس حدیث کو پڑھ لیجئے جس میں مسلمان نے اپنے خدا کو بھی جہنم میں
دھکیل دیا ہے، اللہ یہ اعلان کر دیا ہے کہ جہنم کا بیٹ نہیں ہو سکتا
تو مخالف خدا ہیں اپنا ایک جہنم میں ڈال دے گا۔

مزید اخلاقی جنت کما بنا وسیلہ بناؤ تا کو جنت تک جانے کا راستہ
ملے، وہ براہ راست وہیں جانا پڑے گا جہاں پہلے سے سدا اللہ اپنے خدا
کو بھیج رہا ہے۔

صحابہ حرم کا واسطہ دینے کے بعد اپنے مولود فرزند کا واسطہ دیا تاکہ
دنیا پہچان لے کہ میرا دل دنیا میں آنے کے بعد ہی مشکوک نہیں ہے، عالم انہی کے

آوازوں: یَا اَمَّا دُخْتُیْ سَبَّحَ مَا دُرُکَاتِیْ جَعَلَ دُجَیْ: مجھے تسبیح کرنے دیجئے۔
 میں کہیں گئی اعلیٰ قبیع پر دروگاہ: کپڑے سے کیا خلق، ان طاقت کر۔ مجھے کرنے
 دیجئے: آپ تسبیح پڑھنا چاہتے ہیں پڑھئے۔ تسبیح کو اس مشاعرے سے کیا خلق ہے؟
 امام کی مصلحت، امام ہی جانتا ہے، لیکن واقعہ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ علیٰ منہل قبیع میں ہاتھ کا اندھا پسند نہیں کرتے، جسے توبہ بار بار کہہ رہے
 ہیں اور بگڑا ہی ہے۔ ہاتھ کھول دیجئے میں تسبیح پر دروگاہ کرنا چاہتا ہوں، پہچانا
 چھپنے، جو جنت دنیا آخر تک نہ کبھی امت نے اسے پہچنے ہی میں کھادیا اور
 بتادیا کہ تسبیح پر دروگاہ میں کوئی سائنس از محبوب کرو گار ہے۔ مصلحت،

آخر کار مادہ گرایی نے پتہ کر گہوارہ میں لٹا دیا اور کسی کام سے بلی گئیں
 دھڑک اٹھا آیا اور گہوارہ کی طرف بڑھا، چاہتا تھا کہ مولودِ رحم پر حمل کرے
 کہ ایک مرتبہ پتہ نے گہوارے سے دونوں ہاتھ نکالے اور اٹھ رہے کہ
 دو دھڑکے کر کے خاک پر ڈال دیا۔ مصلحت،

دنیا انگشت بندھاں تھی کہ یہ کم سنی اور یہ ہمت، یہ گہوارہ اور یہ
 ببادی، لیکن علی نے دفع کر دیا کہ جس کی طاقت دنیا کی دین ہوتی ہے وہ
 مشق و مہابت سے بعد شجاعت کا مظاہرہ کرتا ہے اور جس کی طاقت خلداد ہوتی ہے
 وہ ایسے ہی کرات کا اظہار کرتا ہے۔

اللہ کے کمال علی۔ آغوشِ رسول میں آئے تو آسمانی صحیفوں کی تلاوت
 کر دی، گہوارہ میں آئے تو اٹھ رہے کہ دو کھڑے کر دیئے اور قرآن شہید نے
 آواز دی کہ ہم نے طاقت کو اس لئے سرورِ لشکر بنا دیا تھا کہ ان کے پاس
 علم کی طاقت بھی تھی (درجہ کی توفیق بھی، ہم مال و دولت اور جاہ و حشم نہیں

کہا جت دینا ہے بھی محسوس کیا اور اللہ نے بھی ثابت کر دیا، دینا نے یوں محسوس کیا کہ مومن
 کے حال کو اللہ کا بیٹا کہا اور بنتِ اسم کے لال کو خدا مانا، اور خدا نے یوں محسوس کر لیا
 کہ امامت کی آخری منزل پر مریم کے لال کو مارم بنا دیا اور بنتِ اسم کے آخری
 فرزند کو امام بنا دیا۔ مصلحت،

اور شاید قدرت کے اسی منصوبہ کی کار فرمائی تھی کہ دنیا پر نشان ہو کر
 خانہ کعبہ کے قریب آئی لیکن جناب ابوطالب نہیں آئے، ابوطالب آواز دے
 رہے تھے کہ طاقت خود سے گئی، عزت تو میں تلاش میں نکلتا اور علی بیسکہ
 سانسندہ ہوتے تو انتقامات کی قدر دانہ مسکرا دیتا لیکن جب خدا نے
 بڑایا ہے اور آنے والا بھی اس کا سانسندہ ہے تو ذرہ داری کا بار بھی اس کے سر
 ہے۔ طالب و جعفر عقل کا انتقام میں نے کیا ہے اور علی کا انتقام پر دروگاہ
 کے قدر ہے اور خایہ دلچا وید ہے کہ جب حالات کی پریشانی کی بنا پر ابوطالب
 کے فرزندوں کی کفالت کا سوت آیا اور یہ طے پایا کہ ایک ایک بچہ کو لے کر
 پال لیا جائے، اور ابوطالب کا بوجھ ہلکا کر دیا جائے تو علی بن ابی طالب کو
 بیغیرہ ہی لائے کہ دنیا پہچان لے کہ جن کی تربیت دنیا والوں کے ذمہ تھی
 انہیں دنیا وائے لے گئے اور جس کی پرورش مالک کائنات کے قدر تھی اس کی
 قدر داری رسولِ اسلام نے لے لی ہے۔ قرآن مصلحت،

عزیزِ اہلِ مستدم! علی! آغوشِ جبریل سے دوبارہ مال کی گھوڑی میں
 ماں نے دستورِ عرب کے مطابق حفاظت کی عزت سے بچو کہ کپڑے میں لپیٹا چاہا
 بچہ نے کپڑے کو پارہ پارہ کر دیا، دوسرے کپڑے میں لپیٹا، اس کا بھی پیر حشر ہوا
 سات بابچہ استعمال کئے اور پتہ نے سب کو پارہ پارہ کر دیا، اور ایک مرتبہ

دیکھا کرتے۔ جانا ناسنگ کے لئے علم و جمعیت دست در کاہتی ہے، مٹی نے
 آواز دی۔ دنیا والو! اگر مسیحا ناسنگ کی مثال پیکرنا ہے تو مجھے جوائی
 اور مٹی میں نہ دیکھو، میرے کم سنی کا عالم دیکھو، غارت گری سے نکل کر خوش
 نیا میں آیا تو علم کا اعلان کیا، اور گہوارہ میں قدم رکھا تو طاقت جسم کا اظہار
 کر دیا۔ اب میرے علاوہ اس کائنات میں کون نامزدہ پروردگار ہو سکتا
 ہے۔ یہ منکرات۔

واقعہ شام ہو گیا، لیکن مٹی کے اظہار شجاعت سے عالم عربیت
 میں ایک ہنگامہ پیدا ہو گیا، جیسا کہ تاریخ کا بیان ہے کہ اس اذہبے
 کا خاصہ یہ تھا کہ اسے سیار الاولاد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اور عرب
 میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے اذہبے کے قریب لاکر ڈال
 دیا کرتے تھے، اگر اس کے نسب میں کوئی عیب ہوتا تو اسے اذہبے سے فنا کر دیتا
 تھا اور اس طرح زندقہ سے نجات و شرافت کا مفصلہ ہو جاتا تھا، مٹی نے
 اذہبے کو جیشہ جیشہ کے لئے متم کر دیا تو رنگ گہرا کہ عیسوی اسلام کے
 پاس آئے، حضور اب کیا ہو سکتا۔ اس بچہ نے زقیات ہی ڈھانسی، اب
 بارے بچوں کا کیا حشر ہو گا، ہم کائنات کا فیصلہ کیسے کریں گے؟

بریل آئم نے فرمایا: تمہیں تو اس واقعہ پر غور ہونا چاہیے کہ اگر یہ مساب
 سیار بنارہ جاتا تو اس کے مرنے کے لیے پھر کوئی سیار نہ رہ جاتا یہ قدرت کا کم سن
 کہ اس نے فانی سیار کو مٹا کر ایک ایسی اندھا کی سیار دے دیا، یاد رکھو آج سے
 نسب کا سیار یہ مٹی کی محنت ہے، اس کی جیب کو دیکھتے جانا اور نجات و شرافت
 کا فیصلہ کرنے رہنا۔ منکرات۔

بات آفری مٹی تک لہا ہوں، اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا، علامہ
 عبد اللہ امرتسری نے اپنی کتاب اربع المطالب میں مٹی کے ناموں میں حیدر کی
 بھی وجہ بیان کی ہے کہ مٹی نے اذہبے کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے، یہ وجہ
 صحیح ہر نام پر اس کا ضرور ہے کہ اس نام کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ ضرور وابستہ
 تھا کہ لوگ اس نام سے لرزتے تھے، چنانچہ حیدر کے میدان میں آپ نے
 مرحب سے کہا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے تو اس نے گجور کروا لیا کہ
 امادہ کر لیا اور پٹے کر لیا کہ اب سر کی خبر نہیں، لیکن خدا بڑا کرے ابلیس ملعون
 کا کہ یہ اپڑن کا بھی نہیں ہوتا، کچھ لگا کہ مرحب کہاں والیں جا رہا ہے لوگ
 تیرے بارے میں کیا کہیں گے، تیری شجاعت کس قدر رسوا ہو گی۔ اس نے
 کہا کہ مسیحا ماں نے وصیت کی ہے کہ حیدر نامی چھلوان سے ملے ملے اور نہ
 زندگی کی خبر نہیں، ابلیس نے کہا، مرحب! کیا ایک نام کے بہت سے انسان
 نہیں ہوتے، یہ کیا ضروری ہے کہ یہ وہی حیدر ہوں جن کے بارے میں تیری ماں
 نے وصیت کی ہے۔؟ شامت کا مارا بٹ کر آیا اور حیات نام ہوا وہ آپ کو معلوم
 ہی ہے، لیکن عزیزانی گرامی! یہ معلوم ہو گیا کہ خیطان کا ایک عرب یہ بھی ہے کہ
 ایک نام کے بہت سے کچھ کرفنائیں پر پردہ ڈال دیا کرتا ہے، شاید یہی وجہ ہے
 کہ تھوڑی حکیم نے مقام فضیلت میں اعلیٰ بیٹ کے کردار کا ذکر کیا ہے، نام نہیں
 لیا، کہ یہ ابلیس کے پیرواں بھی ہیں، سنو! اس سال کو میں گئے، پیغمبر اسلام نے بھی
 اسی حضرت کا اعزازہ کر کے میدان غدیر میں مٹی کو مٹا نہیں بنایا، بلکہ منبر بایا
 یہ مٹی مولا ہے، تاکہ ایک نام کے بہت سے نہ رہ جائیں، منکرات،

حقائق کو اس مسئلہ پر لانے کے بعد ایک شخصہ ان عربوں پر بھی

کو دیوار کعبہ میں درجن جلتے، یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ بچے بچے کے بھائے آگے
 بڑھ جاتیں، یہ بھی اتفاق تھا کہ دیوار دوبارہ جڑ جائے، یہ بھی اتفاق تھا کہ
 تین دن تک ہزار کوششوں کے باوجود قفل نہ کھل سکے، یہ بھی اتفاق تھا کہ
 تین دن کے بعد دوبارہ دیوار میں درجن جلتے، یہ بھی اتفاق تھا کہ سریم و حوا
 اور آسیہ دسارہ جیسے خواتین خدمت کے لئے جلی آئیں، یہ بھی اتفاق تھا کہ
 بنو سیدہ اسلام استقبال کے لئے پہنچ جاتیں، یہ بھی اتفاق تھا کہ بچہ آغوش
 بیٹرمیں آکر آنکھیں کھول دے اور اگر یہ سب اتفاق تو یہ اتفاق بھی ہزار
 اختیارات سے بہتر ہے اور کیا کہنا اس بندے کہ فضیلت کا جس کے سلسلے
 کے اتفاقات بھی فضائل میں جاتیں اور جب اتفاقات نے فضائل کے دیا
 یہاں یہ ہیں تو جب اختیارات کا سلسلہ شروع ہو گا تو بات کس منزل تک
 پہنچے گی؟ اور مجھے تو کہنا پڑے گا کہ عقلی کی منزل اتنی بلند ہے کہ
 اتفاق سامنے آئے تو غائب ہو جائے اور غائب بن جلتے اور اختیار سامنے آئے تو
 ایک ضربت غفلتیں کا عبادت پر بھاری ہو جائے صلوات

حضرت ابن عمرؓ: یہ انکار فضیلت کا پہلا نشانہ تھا، دوسرا نشانہ اس سے
 زیادہ دلچسپ ہے، کہا یہ جاتا ہے کہ خانہ کعبہ میں بٹوں کا اڈہ تھا اور بت پرستوں
 کا دستہ تھا کہ جب کوئی شخص پڑتی تھی تو خانہ کعبہ تک اپنے بٹوں سے دعا مانگ
 آیا کرتے تھے۔ معاذ اللہ جناب فاطمہ بنت اسد بھی دستہ عرب کے مطابق
 انھیں بٹوں سے دعا کرنے کے لئے آئی تھیں کہ اپا بٹن دیوار کعبہ میں در پیدا
 ہو گیا اور وہ اندر مل گئیں اور علی بن ابی طالب کی دلاوت ہو گئی، میں کہوں گا
 کہ یہ خدک فاطمہ بنت اسد جو بٹوں سے دعا مانگنے لگی تھیں اور

ذاتِ مقدسہ کے لئے سے فضائل اہلیت کس صورت سے برداشت نہیں ہوتے اور
 یہ منہ پر فضیلت پر کوئی نہ کوئی نقص تکلیف کی کوشش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ
 جب عام فضائل میں یہ ردش ہے جہاں مقابلہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اور دباؤ
 محال کرنے کی بھی گنجائش ہے تو اس فضیلت کا کیا عالم ہو گا جس میں مقابلہ کا کوئی
 سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، نہ کوئی انسان دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے، نہ علی کی اس
 فضیلت سے مقابلہ ہو سکتا ہے اور بد قسمتی یہ ہے کہ مسلمان آوارگوں کا بھی
 قائل نہیں ہے کہ اس امید میں زندگی گزار لینا کہ شاید انکے جہیز میں خانہ کعبہ
 میں پیدا ہو جائے، چنانچہ چاروں طرف سے مایوس ہونے کے بعد آخری راستہ
 یہ نکالا کہ مولاک اس فضیلت میں سے انکار کر دیا جائے، فضیلت سے انکار کے
 دوسرے نشانے لگے، ایک راستہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں پیدا ہونا کوئی علی
 کا کمال نہیں ہے۔ یہ تو انسان کا بغیر اختیار عمل ہے جس میں اس کا کوئی بس
 نہیں ہے، انسان نہ پیدا کر سکتا ہے، نہ موت پر کعبہ کہاں
 موت آجائے کس کے بس کی بات ہے اور کہاں پیدا ہو جائے کس کے اختیار
 کی بات ہے، یہ مایک کا خدات کے اختیار کی بات ہے اور اتفاقِ رقت کو
 فاطمہ بنت اسد اس موقع پر خانہ کعبہ ہی تک آگئیں اور وہیں علیؑ
 کی دلاوت ہو گئی، ورنہ اس میں علی کا کیا دخل ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اولاً تو
 لڑکی و اخوات اس اتفاق کے صحیح مخالف ہیں، ان میں اپنی منصوبہ کے آثار
 پائے جاتے ہیں، اور قدرت کا انتظام صاف نظر آتا ہے لیکن اگر یہ ان کا لب
 جائے کہ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ علی خانہ کعبہ میں پیدا ہو سکا تو کیا یہ بھی
 اتفاق تھا کہ فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ ہی تک آئیں، یہ بھی اتفاق تھا

انھوں نے جب کہا تھا کہ ہندو مغل میں کچھ پر ایمان لائی تھیں تو یہی کتابیں پر ایمان لائی تھیں۔
 مسلمان پر ایمان لائی تو ان کی مزار پر ہندو لگا رہے ہوتے تھے۔ انھیں نے کتابیں نازل
 کی ہیں اور انھیں بتوں نے انہیں یاد کر لی اور رسول بنایا ہے اور انھیں بتوں نے دیوار
 کھود بنا دیا ہے، اور انھیں بتوں نے جہان فیل کر کے ایک بیت شکن کو پیدا کر دیا ہے
 لیکن عزیز و ناتنا اور بتا دو کہ جب یہ سب کام بت کرتے ہیں تو تمہارا خدا کیا کرتا
 ہے؟ اور اس کا کیا معنی ہے؟ اس کے اختیارات کیا ہیں؟ اور اس کے اپنے
 اعمال و افعال کیا ہیں؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتوں کی نسلی بت
 ہے جس قسم کے تصورات پر آمادہ کر دی ہے وہ دیکھو! مسلمان یہ یقین بھی
 نہیں رکھتا کہ جناب طاقتور بت اسد بتوں سے دعا کریں گی اور یہ سارے
 کلمات و کلمات بتوں سے نہیں آئیں گے، بتا ہے بت پرستوں کو بت ہی نظر
 آتے ہیں، بت شکن نہیں۔ مسلمات

لیکن اس مقام پر آنے کے بعد مجھے ایک فقرہ اور کہنا پڑے گا کہ اس
 اعتراض کی گنجائش کہاں سے پیدا ہوئی اور یہ خیال مسلمانوں کے ذہن میں آیا
 کہاں سے کہ جناب طاقتور بتی اسد بتوں سے دعا کرنے کے لئے آئی تھیں،
 بات مفید یہ ہے کہ اگر آج خانہ کعبہ میں بت نہ ہوتے تو اس اعتراض کی
 گنجائش بھی نہ ہوتی، یہ انھیں بتوں کے دھوکہ پر مشتمل ہے کہ چھائے خانہ
 بنت اسد مشکوک بنا دیا گئی، اور اس پر بتوں سے دعا کرنے کا الزام
 دیا گیا، تو اباب کوہ! اتنا اور سوچئے کہ اگر یہ بت آج کھدہ جاتے
 تو ہمارا کیا حشر ہوتا، ہمارا ہر سجدہ مشکوک ہوتا، جاری ہر نماز مشکوک ہوجاتی
 ہمارا ہر روزہ مشکوک ہوجاتا، ہمارا ہر عمل مشکوک ہوجاتا، حدیث ہے کہ ہمارا ہر

کچھ مشکوک کہہ جاتا، اور دنیا کو یہ کہتے کا سر تلے مل جاتا کہ مسلمانوں کو اللہ سے کوئی
 محبت نہیں ہے یہ تو بتوں کا کوشم ہے کہ یہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں، سجدے
 بھی کر رہے ہیں، احاطہ نہیں بھی کر رہے ہیں، عبادتیں بھی کر رہے ہیں، ان کا
 ہر عمل انھیں بتوں کے لئے ہے، خانہ خدا کو فقط ایک بہانہ ہے جس کی طرف خواہ مخواہ
 رخ مڑ جاتا ہے۔ بتائے دنیا نے اسلام میں اس الزام کا کوئی جواب تھا
 اور کس مسلمان میں اتنی ہمت تھی کہ اپنے عمل کے اخلاص کو ثابت کر سکتا اور دنیا
 کو یہ بتا سکتا کہ ہمارا عمل اللہ کے لئے ہے اب کا بتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے
 اور جب یہ بات ثابت ممکن نہیں تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس انسان نے پوری دنیا
 و انسانیت و عبادت پر احسان کیا ہے جس نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک
 کر دیا ہے اور مسجدوں کو اللہ کے لئے بنا دیا ہے۔ پہچانا آپ نے علی کی عظمت
 کیا ہے۔ حدود و حدود پر گھر گھر خدا خواہ۔ دشمن نے اپنی جانب میں بنت اسد پر الزام
 کیا تھا لیکن یہی الزام فضائل کی بنیاد بن گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ علی نے خانہ کعبہ کو
 بتوں سے پاک کر دیا اور مسلمانوں کی کل عبادت اور زندگی مشکوک ہو جاتی، اور
 علی کا پوری دنیا نے عبادت و زندگی پر احسان ہے کہ انھوں نے مسجدوں کو غلوں بچھا
 ہماروں کو اخلاص عنایت کیا اور بتوں کی طرف جاتے ہوئے ذہنوں کو خدا کی طرف
 روڑ دیا اور ہمیں ایک بت شکنی ہے جو علی نے دلاوت کے وقت انجام دیا ہے۔
 علی صرف بت شکنوں کے بتوں کے بت شکن نہیں ہیں، بلکہ علی اس بت شکن کا نام ہے
 جس نے بچہ کے بت توڑے، عورت کے بت توڑے، بزرگ و خجرات کے بت توڑے
 اور کعبہ دل کو جملہ بتوں سے پاک کر کے عرض اللہ میں بن گیا، جس نے بتوں کو
 بیت اللہ نہ کہا جاتا، اور بتوں نہ ہوتے تو قیام بوس عرض اللہ میں بن گیا، جس نے

بھی اللہ کے گھر میں ہوئی اور دنیا سے جاتے ہوئے علیؑ کی شہادت کا سلسلہ بھی
اللہ کے گھر سے شروع ہوا،

زندگی کا آغاز بھی خانہ خدا سے اور انجام بھی خانہ خدا پر۔ اور کبھی ہوئی
بات ہے کہ انسان کی سوانح عمری میں ولادت و وفات کو بڑی اہمیت حاصل
ہوتی ہے، قدرت نے علیؑ کے آغاز و انجام کو مسجد سے مربوط کر کے واضح کر دیا کہ
علیؑ والا وہی ہوگا جس کا ربط کعبہ و مسجد سے ہو، جو طواف کعبہ سے فرار کرے
اور مسجد میں نہانے پڑھنے سے کنارہ کشی کرے اس کا علیؑ سے کوئی تعلق نہیں
ہے، علیؑ آئے تو عظمت کعبہ کا اعلان کرتے ہوئے آئے اور گئے تو عظمت مسجد
کا اعلان کرتے ہوئے چلے گئے۔



حضرت محمدؐ کو بھی! بات آگئی ہے تو خانہ کلم میں ایک اور فقرہ کہ کے آپ کی نیت
کو تمام لوگوں کو دنیا علیؑ کی اس فضیلت سے کیا مقابلہ کرے گی، انبیاء اس منزل پر نہیں آئے
آپ کو یاد ہوگا کہ حبیب جناب سریم کے یہاں جناب عیسیٰؑ کی ولادت کا وقت آیا تھا تو بیت المقدس
میں رہنے والی مومنین کے کھانچا تھا کہ سریم باہر چلی جاؤ، یہ عبادت خانہ ہے زوجہ خانہ نہیں ہر
ادرجب علیؑ کی ولادت کا وقت آیا تو اپنے گھر میں رہنے والی بنت اسدؑ کو دیوانہ میں دینا
کے بلایا، حالانکہ بیت المقدس کی حیثیت عارضی تھی، وہ چند دنوں کے لئے قبلہ بنا گیا
تھا، اور خانہ کعبہ کی حیثیت دائمی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبلہ ہے۔ حیرت کی بات
ہے کہ بیت المقدس جیسے گھر میں کلمۃ اللہ روتے اللہ بلکہ بقول نصاریٰ (ابن النصار) پیدا
ہونے دیا جائے اور خانہ کعبہ میں فرزند ابوبکرؓ پیدا ہو جائے،

حضرت اہل محرم! یہ علیؑ نہیں پیدا ہو سب سے ہیں، یہ قدرت واضح کر رہی ہے
کہ یہاں جو حضرت ابن اللہ، کلمۃ اللہ عیسیٰؑ کو نہیں ملا، وہ شرف فرزند ابوطالبؓ کو
نہیں رہا ہے۔ اب فیصلہ کرو کہ ابوطالبؓ کا فرزند یا مومن، اور فیصلہ کرنے سے پہلے
سوت لینا کہ اگر میری حکمت اور عدالت پر اعتراض کیا تو تمہارا بھی ایمان نہ رہ
جائے گا، عزیز ابوطالبؓ اس مرد مومن کا نام ہے جو ایمان کی پیادہ دیوانہ
میں بہتلت، ادھر عبدالطلبؓ ادھر علیؑ، ادھر خانہ بنت اسدؑ، ادھر رسول
اکرمؐ، عبدالطلبؓ کی وصیت گواہ ہے کہ ابوطالبؓ صاحب ایمان ہیں۔ خانہ
بنت اسدؑ کی زودیت گواہ ہے کہ ابوطالبؓ مومن ہیں، رسول اکرمؐ کی تربیت
گواہ ہے کہ ابوطالبؓ حافظ اسلام و ایمان ہیں اور علیؑ کی ولادت گواہ ہے
کہ ابوطالبؓ صاحب ایمان نہیں بلکہ کل ایمان کے باپ ہیں فقرہ مضمرات،
علیؑ کی تاریخ میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ علیؑ کی ولادت

کائنات کی تخلیق و ترقی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على اشرف الاولين
والآخريت خاتم النبيين سيدنا وولانا ابي القاسم محمد وآله الطيبين
الطاهرين ولعنته اللعنة على اعدائهم اجمعين اما بعد فقد قال الله
الحكيم في كتابه الكريم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ قَرَارًا لَّنَا لَلْآخِرَةُ قَالًا وَلَوْلَا

الک کائنات کا خدا ہے کہ یہ شک ہدایت کی دست داری ہمارے اوپر
ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

کتنا کہہ رہے وہ مالک جس نے عالم سنی میں انسانیت کو رہنے والا نہیں
جھوڑا اور ہر دور میں ہدایت کی ذمہ داری لے کر انسانیت کو منزل کی گال تک پہنچنے
کا سہارا دے دیا، یہ تعجب میں وہ افراد جو الہی راہنمائی سے فائدہ نہ اٹھائیں اور
قدرت کے استغناء ہدایت کو چھوڑ کر اپنے انتظام کی فکر میں لگ جائیں اور خوش نصیب
ہیں وہ افراد جو منزل تسلیم و رضا کرتے ہوئے اپنے اختیار ہدایت کو مالک کائنات
کے حوالے کر دیں اور سلا ایتنا اللہ کی تعریف بن جائیں۔

جہاں نے بالہا اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ جیسے پروردگار عالم ہوتا ہے
عالم کے لئے زمین کو تیار کیا اس کا انداز دنیا کے رہنماؤں سے بالکل مختلف
ہوتا ہے۔ وہ عالم پیدا ہوتا ہے اور عالم رہتا ہے، وہ صاحب عصمت پیدا
ہوتا ہے اور معصوم رہتا ہے، اس کی زندگی کمالات کا آئینہ ہوتی ہے، اور
اس کے کمالات سے حال و جلال الہی کا پتہ چلتا ہے۔

۴۴

تفصیل کے ساتھ جملہ بتایا ان آیت کے حالات پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں
اور نہ اتنی گنجائش ہے، صرف ایک فرد کے حالات پر بھی کسی کو کسی عالم دنیا
مٹا ہوں جس سے باقی افراد کے کردار کا آسانی اذعانہ ہو جائے گا اور یہ محسوس
ہوگا آسان ہوگا کہ جب پہلی منزل پر ہوتا اہتمام ہے تو باقی منازل پر اس اہتمام
کے نہ ہونے کا کیا سبب ہے؟

مختصر الفاظ میں مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب کے حالات زندگی اور
آپ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ الہی راہنما کیسے محنت حال
میں اپنے فرائض ہدایت کو انجام دیتا ہے۔

مولائے کائنات کی زندگی کا جائزہ لینے کے لئے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ
یہ ہے کہ آپ کے ذاتی فضائل و کمالات کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ
انسانی کمالات اور روحانی فضائل میں کس منہزل پر فائز تھے اور آپ کی منہزل
خداوند رسول یا الہی دنیا کی نگاہ میں کیا تھی؟ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے کارناموں
پر نگاہ کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ نے مساعدا یا مساعدا حالات میں کس طرح
زندگی گزار دی ہے؟ اور اپنے گرد و پیش کے حالات کو کس طرح رہا ہے؟

میسرے لئے دونوں راستے ایسے ہیں جس کا طے کرنا محال نہیں تو خدا
فرور ہے، کہاں کہ دار ابن ابی طالب اور کہاں مجھ جیسا بندہ ذلیل، کہاں مسدود
خدا و رسول اور کہاں مجھ جیسا بے بغاوت سات، کہاں ساتی کو ترک مثلاً اور کہاں
یہ زبان جس، کہاں باب جبر العلم کی وصیت اور کہاں مجھ جیسا جاہل، کہاں گریب آکا
کا بیٹا نے دلا اور کہاں میرا جیسا برگشتہ مفقر، لیکن اسی کا نام لے کر قدم آگے
رٹھانا چاہتا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ جہاں شوکر کھاؤں مجھ کو سہارا ضرور دے گا۔

شہزادوں کی شہادت سے نبی کی شہادت کی تکمیل ہو سکتی ہے تو وہی کی دلاوت سے نبی کے شرف و لاوت کی بھی تکمیل ہو سکتی ہے۔

اور مجھے تو اس منزل پر یہ کہنا ہے کہ محدث و پہلی کا تحقیق میں بھی مولائے کائنات کے فضائل کا ایک پہلو نظر آتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر کو وہ شہادت اس لئے نہیں دیا کہ ایک نہ ایک شرف شہادت سے محروم رہ جائیں گے اور وہ شرف شہادت باطل رہ جائے گا۔ مگر کیا کہنا مولائے کائنات کا کہ انہیں وہ دونوں مشہدات براہ راست مل گئے اور کسی واسطہ کی ضرورت انہیں بڑی دشمن یہ سمجھ رہا تھا کہ ہم نے دہریہوں کو برا بھلائی ہے اور مٹی بچہ دیکھیں گے اور مٹی مٹھیں گے تو دشمنی ہی سے میسر شرف کی تکمیل ہو رہی ہے اور ایک وقت دہریہ کی شہادت بھی مل رہی ہے اور تلوار کی شہادت بھی لطیف ہو رہی ہے۔ صلوات۔

دلاوت کے بعد ایک نظر علم و فضل پر ڈالنا ہوگی جہاں یہ دیکھنا ہے کہ مولائے کائنات کے علم کی منزل کیا ہے۔ وہ وہ جانے کی ضرورت نہیں ہے خانہ کعبہ کے قریب آجائے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ غلط فہمیت اس خانہ کعبہ سے آ رہی ہے، پیغمبر اسلام استقبال کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ پھر نبی کی آغوش میں آ رہا ہے اور انہیں کھول کر منہ کر رہا ہے، خدا کے حبیب کھڑے ہوئے۔ پیغمبر نے اجازت دی تو فوریت و انجیل و زبور دستہ آن کی تلاوت شروع کر دی، اور اس انداز سے تلاوت کی کہ نبی کو کہنا پڑا کہ آسمانی صحیفے یوں پڑھ کر ان کے انبیاء میں نہ پڑھ سکتے تھے، اور قرآن حکم اس طرح پڑھا جو تلاوت کرنے کا حق تھا۔ صلوات۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جو پھر پیدا ہو کر آسمانی صحیفوں کی تلاوت

اور جب کوئی مشکل پڑے گی وہ حل ضرور کر دے گا، اور مشکلات میرا ہے نہ پکارو گی تو مجھے پکارو گی گا، دوسرا کہ ہے جو مشکلات میں کام آئے، اور زندگی کے مسائل حل کر سکے۔ تجربہ بھی کہتا ہے کہ اسے بلاؤ جو غریبوں اور مفلسوں کے بلائے نہ آجائے، اسے نہ بلاؤ جو پیغمبر کے بلائے پر بھی نہ آئے۔ صلوات۔

مولائے کائنات کے ذاتی فضائل کو دیکھنا ہے تو آغازِ زبان سے دیکھتے پہلی ہی منزل پر وہ شرف نظر آئیگا جس میں کائنات کا کوئی الہاں حصہ دار نہیں ہے اور دوسرے کا کیا ذکر اس شرف میں قائم البتہیں کو بھی شریک نہیں بنایا گیا تو کسی دوسرے کو کیا بنایا جائے گا۔ یہ مٹی کا تھا شرف ہے کہ اولین و آخرین میں خانہ کعبہ میں سوائے مولائے کائنات کے کوئی دوسرا نہیں پیدا ہوا، ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ یہ سچ نہ ممکن ہے کوئی کوئی اس شرف دیا جائے جس سے نبی کو بھی محروم رکھا جائے، کیا مٹی کا مرتبہ نبی کے بالاتر ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ نے ایسا سوچا ہی کیوں؟ لیکن میں عرض کروں گا کہ ایک دلاوت کا کیا ذکر ہے، شہادت کی مناسبت کو دیکھ لیجئے ہاں خود محدث دہریہ خرابے ہیں کہ اللہ نے مصلحتاً اپنے حبیب کو شرف شہادت سے الگ رکھا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر حضور کو تلوار کی شہادت دی جاتی تو دہریہ کی شہادت سے محروم رہ جاتے اور اگر دہریہ کی شہادت دی جاتی تو تلوار کی شہادت سے محروم رہ جاتے، دونوں شہادتیں ایک وقت ممکن نہیں تھیں، اس لئے اللہ نے آپ کو شہادت سے الگ کر کے آپ کے فرزند حسن و حسین کو دونوں طرح کی شہادت دی تاکہ ان کی شہادت نبی کی شہادت بن جائے اور ان کے ذریعہ سے نبی کے کمالات کی تکمیل ہو جائے۔ اب اگر محدث دہریہ کی منگواہ میں

تاریخ کائنات میں کوئی اس شان کا دعویٰ کرنے والا نہیں ملا، مگر علی نے یہ دعویٰ کر کے واضح کر دیا کہ اہل دنیا میرے علم کا مقابلہ کیا کریں گے وہ میرے علم کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، تحت و تابع پر قبضہ کر لینا آسان ہے، مسئلہ علم پر حلوہ کرنا مشکل ہے، یہ میری ہی منزل ہے جہاں یہ اعلان کر رہا ہوں کہ اگر مسئلہ علم بکھا دی جائے اور مجھے بھٹا دیا جائے تو توریت والوں کے درمیان توریت سے فیصلہ کروں گا، انجیل والوں کے درمیان انجیل سے فیصلہ کروں گا، دہر والوں کے درمیان دہر سے فیصلہ کروں گا اور قرآن والوں کے درمیان قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ قرآن کی کون سی آیت کہاں نازل ہوئی ہے، کب نازل ہوئی ہے کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا مفہوم کیا ہے، اس میں ناسخ و منسوخ کیا ہے، عام و خاص کیا ہے، حکم و مشابہ کیا ہے، میرے سینے میں علوم کا ایک دریا موجزن ہے مگر انہوں نے کوئی لینے والا نہیں ہے اور کسی میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

یہ انداز اعلان ہی بتا رہا ہے کہ مٹی کا کمال کیا ہے، اور مٹی کا دور کیا تھا؟ کس
انداز سے بیقراری تھی کہ کوئی علم لینے والا بل جائے، اور کس طریقہ سے کوشش ہو رہی
تھی کہ کوئی دیرِ اہلیت پیدہ نہ جائے؟ اس اندازِ ظلم کا کوئی جواب ہو سکتا ہے کہ مخالفین
قرآن کو جانتے والے سے قرآن نہ لیا جائے اور جاہلانِ امت تفسیر قرآن کرنے میں مدد جائیں
دارتِ کتاب سے علم کتاب نہ لیا جائے اور ماہانِ حق و ناسخ کتاب کو لو مارا نہ بنا
دیں۔ مجھے تو کہنا پڑے گا کہ یہ الٰہی دنیا کی برہنہ بھی تھی کہ انہوں نے دیرِ اہلیت کو

عزیز میرے، میں کی جرات کا دیکھ کر کمال کیا ہو گا۔ جو اندر تو میں نے رسم دنیا کی بنائے
 رکھی، یا اندر یہاں تو کمال کی وہ منزل ہے جہاں پہنچنے اور جرات کا کوئی فرق
 نہیں ہے، جو منزل ہے وہ منزل کمال ہے اور جو عربیہ وہ مرفضات
 ہے۔ شوقِ عرفیہ ہے کہ پہنچنے میں بنائے کمال دیکھا تھا تو انہوں نے سند
 فضیلت دے دی، اور آج میں کو ساری دنیا کالات کا مشاہدہ کرے گی تو سب
 عرفِ ابنِ فضیلت کریں گے۔ ادا بہن کا کیا ذکر ہے جو عہد میں وہ بھی یہی
 کہیں گے تو اگر علی نہ ہوتے تو سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں تھا۔

دینائے اسلام کا اطلاق ہے کہ اسلام میں کوئی علم ایسا نہیں ہے
 جس کا سلسلہ علی بن ابی طالب سے نہ ملتا ہو، علم قرآن ہر باتفسیر، علم حدیث
 ہر یافتہ، علم فرائض ہر یا علم احکام، علم عقوبت ہر یا علم کام، علم نذر ہر یا علم مرن
 علم مصلحت ہر یا علم فلسفہ، علم شریعت ہر یا علم کتابت، علم خطابت ہر یا علم حساب، علم طبیت
 ہر یا علم جغرافیہ، کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کا سلسلہ مولائے کائنات سے نہ
 ملتا ہو۔ اور اس کا قرآنی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے علیؑ کو دہشت کتاب اور
 امام مہین قرار دیا ہے اور جو کچھ کتاب میں ہے وہ سینہ علیؑ میں ہے اور جو کچھ
 کائنات میں ہے وہ قلب امام نہیں میں ہے، یہی علم ہے جسے دیکھ کر قبائل
 فرمایا تھا کہ میں خیر علم ہوں اور علیؑ اس کا مدعا نہ ہیں، ایسے شہر کے پاس آنا
 ہو وہ دروازے سے آئے اور یہی علم علما جبر کا مشاہدہ کر کے دنیا کے
 علم و فلسفہ سرسبز رہتے اور آج تک ہے، اور اسی علم کا کرشمہ تھا کہ مسیح
 خود بے سلسل اعلان ہو رہا تھا کہ جو کچھ پر ہوتا ہے پوچھ لو، قبل اس کے
 کہ میں تمہارے درمیان نہ رہ جاؤں، میرے پاس زمین و آسمان دونوں کا

اور دنیا کی طرف سے علم دیا، وہ زورِ اہلیت پر کیا گیا ہے، یہاں فرشتے علم
لے لے کر آئے، جنات علم لیے آئے، آسمان والے علم لیے آئے، اہلِ ذرّات میں یا ذرّات
میں ذرّے کے مسلمان آئیں یا ذرّے کے مسلمان آئے، انجمن آئیں یا ذرّے کے مسلمان آئے،
صاحبانِ اقتدار آئیں یا ذرّے کے مسلمان آئے اور روایت گواہ ہے کہ جب
بزمِ پیمبر میں جبریل کی موجودگی میں علیؑ آئے تو جبریل تنظیم کیے کھڑے
ہو گئے، پیمبر اسلامؐ نے مسکرا کر پوچھا: جب جبریل تم نے علیؑ کی تنظیم کیوں
کی؟ عرض کی: حضورؐ کو تو معلوم ہی ہے کہ علیؑ کا بھروسہ ہے اور استاد کی تنظیم
خود ہے۔ فرمایا: جبریل برکتاً ہے استاد کیسے ہو گئے؟ عرض کی: سرکارِ اوجب
تجسس علیؑ پر علم پر سوال کیا تھا کہ جبریل تم کون ہو اور میں کون ہوں؟ تو میری
کچھ کچھ میں نے آگاہ کر دیا جواب دہی: ایک مرتبہ میں نے اس فرد کو دیکھا کہ آواز دے

رہا ہے۔ جبریل کہہ دے کہ میں عبد اللہ بن ابی طالب ہوں اور میرا نام جبریل ہے اور تو عبد اللہ بن
ہے اور میرا نام بھی عبد اللہ ہے۔ آ رہا ہے نظر آپ تعجب نہ کریں، جب ساکن جنت آدم
کا کمرے علم میں اٹھل ہو سکتے ہیں تو قسم جنتِ اعلیٰ کیوں کر اٹھل نہیں ہو سکتے۔
صلوات،

علم کے ساتھ شجاعت کو دیکھا جائے تو مجاہدہ میں کوا اذہر کے ہونے
منظر آئیں گے۔ سماعت کو دیکھا جائے گا تو فریادیں ہرگز نہیں سنے کر آسمان تک
والوں کی نظائیں نظر آئیں گی اور جب کوئی پرکھے گا کہ عالم کی سعادت کا یہ عالم
تھا کہ مکان میں چاہیے دو عازرے تھے اور ایک ایک سائے کو ہر دور دانے
سے دیا کرتا تھا تو مسکرا کر فرمائیں گے کہ ایک ہی دو عازرے سے اتنا کچھ نہ دیتا
کو چاہیے دو عازروں پر جانے کی نعمت نہ ہوتی۔

مملکتِ اسلامیہ کے فقروں کو دیکھ کر کھانا کھانے والا امام اور اس کے
مذہب میں وہ افراد لائے جائیں جنہیں اپنے گھراؤ اور محلہ کی بھائی بھرن ہو، کر رہا علیؑ
مذہب سے ہمارے کہ ساتھ سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنے والے کو غنی کہا جاتا
ہے اور ساتھ کو مال مال کر دینے والے انسان کو جنابِ امیر کہا جاتا ہے
صلوات،

وقت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ کہیں غریب کا ہاتھ پٹا رہے ہیں، کہیں
بازار میں غریب فروخت کر رہے ہیں، کہیں کھیت میں پانی دے رہے ہیں، کہیں
بازار میں غریب فروخت کر رہے ہیں، کہیں درخت سہارے سے ٹپکنے کی اصلاح
کر رہے ہیں، کہیں چاہنے والوں کی امداد کر رہے ہیں، کہیں دشمنوں کی مشکل کشائی
کر رہے ہیں اور کہیں ہر منزل پر دشمنوں کا سامنا کر رہے ہیں لیکن دنیا کو جتنا
سہ ہے ہیں کہ انھیں ہاتھ دیکھ کر بیٹھ جاتا اسلام نہیں ہے، قریب باز کا مظاہرہ کر کے
زندگی کو بڑا اسلام ہے، مابقی ان کو سب انسان صاحبِ نان و سفر ہوتا ہے، اور
دوبارہ باز کا مظاہرہ کرنے والا قانع خیر ہو رہا ہے۔ صلوات،

ان کلمات کے ساتھ ان حضرات کا بھی جائزہ لیا جائے تو عالم ہی دوسرا
نظر آئے گا، کہیں کی مجال ہے کہ زندگی بھر کی عبادتوں کا حساب لگا لیتے جب کو

نے سر جھکا دیا اور خدا اس کے سامنے بھی نہ جھکے، تو اب کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حلیٰ کسی نااہل کے سامنے سر نہیں جھکاتے اور عیادت مرتضیٰ میں کسی بزرگ کا امکان نہیں ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جس کا احترام اور احساس ساری دنیا کو ہے کہ آج بھی عالم اسلام میں سب رضی اللہ عنہ میں حرم علیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں، جس کا وجہ یہ ہے کہ سب کے سر برتنوں کے سامنے جھکے ہیں، حلیٰ کا سر کسی کے سامنے نہیں جھکا، اور یہی تو وجہ ہے کہ سب کے لئے رہنائے خدا کی دعا بہرہ میں ہو اور حلیٰ نے ہجرت کی رات بستر پیغمبرؐ کو سو کر دفنائے الہی کا سودا کر لیا ہے۔

بات کو طول تکڑا رہا ہے اور ابھی حیات مولائے کائنات کا وہ سراسر پہلو بالکل تشدد ہے۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ مختصر لفظوں میں اُدھر بھی اُشاخ کر دیا جائے، یہ ذاتِ محالات ایک طرف دنیا کے ساتھ حلیٰ کا برتاؤ اور اسلام میں مولائے کائنات کی خدمات کا جائزہ لینا ہے تو اس خاک کو نگاہ میں رکھنا ہوگا اور حیاتِ علی مرتضیٰؑ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ ایک حصہ حیاتِ پیغمبر اسلامؐ میں اور ایک حصہ بعد پیغمبر اسلامؐ تاکہ یہ تجزیہ آسان ہو جائے کہ حیاتِ پیغمبر میں حلیٰ کے کارنامے کیا تھے اور بعد پیغمبر اسلامؐ مولائے کائنات نے کیوں کر زندگی گزار دی ہے اور آپ اسلام اور امت اسلام کے کس طرح کام آئے ہیں؟

تقسیم کوئی جدید تقسیم نہیں ہے، حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک ضروری تقسیم ہے کہ جس طرح پیغمبر اسلامؐ کے کردار کے تجزیہ کے لئے مکہ اور مدینہ کی زندگی کو دو حصوں میں بانٹنا پڑے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ عالم غریب اور بے کسی میں رسولِ کریمؐ کا کردار کیا تھا اور اہل ایمان و انصار کے مل جلنے کے بعد زندگی کا انداز کیا رہا، اس طرح مولائے کائنات کی زندگی کو بھی دو حصوں پر بانٹنا پڑے گا اور عیادت

فصل کی ایک ضرورت تقلید کی عبادت پر بھاری ہے اور کس کی مثال ہے کہ ساری راتوں کا حساب کر سکے جبکہ ایک رات کا سوجانا مرضی پیر، دھکار کی قیمت بن جائے ملوث،

لیکن بہر حال اجمالی طور پر یہ عرض کرنا ہے کہ حلیٰ کے اعمال نگاہِ قدرت میں اس قدر عزیز اور بلند ہیں کہ جیسے آیاتِ قرآن مقرر ہوئی ہیں، حلیٰ جس عمل کا مظاہرہ کریں اور ہم عرضِ انعام سے زمین کی طرف قصیدہ بگڑا جائیں، سناں پڑھیں تو ہم دے سرائی کریں، از کوفۃ دین تو ہم سر بدلتا دلائی رکھیں، جہاد کریں تو ہم نیاں حرمین کا پیغام سنائیں، سانکوں کو حلیٰ دین تو ہم سورہ دہرے کر جائیں، اچلہ میں آجائیں تو آیتِ تطہیر نازل کر دیں، قبائل میں جائیں تو صدقات کا اعلان کر دیں، غیبر فتح کر لیں تو محنتِ خدا و رسول کی قبولیت کریں اور غریب میں مولائے باریں تو دین کے کمال اور شہنوں کے اتمام کی سند دیدیں ملوث،

حلیٰ کی عبادتوں میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ سر غیر خدا کے سامنے نہیں جھکا اور خدا کے سامنے بھی کسی طمع یا خوف کی بناء پر نہیں جھکا بلکہ اپنے اخلاص کا اعلان بلکہ کیا کہ خود بلکہ گاہِ اہدیت میں عرض کی پروردگار میں نے تیری بندگی جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے نہیں کی ہے، تجھے بندگی کا اہل پایا ہے تو سر جھکا لیا ہے، مجھ یا حلیٰ واضح کردہ ہے ہیں کہ وہیں دنیا پر خلیہ ہو جائیں حلیٰ کا سر کسی نااہل کے سامنے نہیں جھک سکتا، حلیٰ کو طمعِ جنت اور خوفِ جہنم نہیں ہے تو دنیا کے خزانے اور سلطانین کے تازیانے حلیٰ کو کیا جھکا سکیں گے۔

حلیٰ کی عبادت کا امتیاز یہ ہے کہ ان کی بندگی کسی طمع یا خوف کی بناء پر نہیں تھی بلکہ الہیت و استحقاق کی بناء پر تھی یعنی خدا اہل اور عقدا تھا اس لئے حلیٰ

نہیں ہوئے جب تک علی آپ نہیں گئے۔ گویا پیغمبر اعلان کر رہے تھے کہ باوجود کھو نہ
 میں نے تم میں کسی کو اپنے مٹی کے پیسے شروع کیا ہے نہ دینہ میں شروع کرونگا۔
 میں عرض کروں گا یا رسول اللہ! اگلے آپ چھانچے تو مٹی کا انکلا کہہ رہے
 تھے آج خدا کے آپ آپکے نہیں ہیں۔ امت کے بزرگ و حمیرہ کا آپ کے ساتھ
 ہیں اب مٹی کا کیا فورت ہے؟ آپ فرمائیں گے میں ہیں تو مانگ کرنا چاہتا ہوں
 کہ میں نے اسلام کے مسائل میں کس کس پر اعتماد کیا ہے، باوجود کھو! میری جان خطرے
 میں تھی تو مٹی کو بستر پر لٹایا تھا، میرا دھارہ خورہ میں تھا تو مٹی کو اما خوں کے دایں
 کرنے کا فترہ دار بنایا تھا، پھر اسلام خطرات سے دو چار کرنے والا ہے تو مٹی کے
 پیسے ایک قدم نہ اٹھاؤں گا۔

کاش دنیا کو اس بات کا احساس ہو جاتا کہ الی دنیا کی کیا بساط و اوقات
 ہے، مٹی کے پیسے ہی قدم نہیں اٹھاتے اور جب بننا مٹی کی ضرورت ہو کر
 کر رہے ہیں تو ہم مٹی کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔ ہمارا تو کھلا ہوا اعلان ہے کہ
 میں مٹی کا سہارا لے کر بننا اپنی ایک آرام گاہ کی طرف گئے ہیں، اسی مٹی کا سہارا
 لے کر ہم اپنی آخری منزل جنت کی طرف جائیں گے۔

دینہ زورہ آنے کے بعد حضور نے اپنی اکھڑی بیٹی فاطمہ زہراؓ کا عقد مٹی
 سے کیا اور ساری دنیا سون کو روک کر وہی الہی کے فیصلہ پر کیا کر نور کا شتر
 نور ہی سے ہو سکتا ہے، طلعت کو نور سے رشتہ کی جو ہے کار ہے۔

اور یہ بھی عجیب قیامت ہے کہ جس کے عقد میں نور کا رشتہ آیا وہ الہی
 نور والا بھی نہ کیا گیا، اور جس کے عقد میں طلعت کے رشتے آنے وہ دو نور والا
 ہو گیا۔ عقد زہراؓ مٹی کی سادگی و سبیل ہے کہ اسلامی رشتہ میں پہلے رسول کی

وفاقی رسول کے ماحول میں کر دیا جائے نہ لیا جائے گا بلکہ بعد رسول بھی
 رسول کے ماحول کو دیکھنا پڑے گا کہ غلام نہیں رہے تو کیا اذیت اور سختی ہو
 گی تو کیا اذیت ہو گی۔

طبیعیات سے قطع نظر ایک لڑکے کے لئے یہ دیکھنا ہو گا کہ حیات پیغمبر اسلام
 کچھ مٹی کے کچے مصالح و کمالات اور کد اترائے حیات سامنے آئے ہیں اور ان میں
 حوالے کا نکات کا کیا اندازہ ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ عرض کر دیا جائے کہ
 آئے تو غارِ حنا میں آئے، غارِ کعبہ سے آغوشِ نبیؐ میں آئے، آغوشِ پیغمبر
 قدرتِ قرآن کی آغوش سے گھوڑے میں آئے تو اڑ رہے تھے تو کھڑے
 کھڑے، ایک مدت تک باپ کے ساتھ رہے، اس کے بعد رسول اکرمؐ کی تربیت
 ہوئی، دس گیارہ برس کی عمر میں پیغمبر اسلامؐ نے اعلانِ رسالت کیا اور سارے
 قبیلہ کو فتح کر کے اسلام کا پیغام سنایا تو اس دعوت کا چوڑا اعلان مٹی کے
 ہاتھوں سے ہوا، اعلانِ رسالت پر کفار و مشرکین نے سامعہ کا ہن اور ہنوں کا
 تو مٹی نے نصرت پیغمبرؐ کا وعدہ کیا، اور وعدہ نصرت کے بعد قدم قدم پر رسولؐ پر
 جان قربان کرتے رہے۔ پیغمبرؐ کو لگیں ہیں رہے تو مٹی جیسے شے جلتے
 رہے اور کھاسے مقابلہ کرتے رہے۔ بننا شہب اب طالب میں گئے تو راتوں کو
 باپ پر بستر ہلکے کے بچا کے بستر پر رہے تاکہ حمل ہو جائے تو مٹی خلی ہو
 جاتی، میرا رسولؐ بچے جانے، نئی سال کے حاحوہ کے بعد پیغمبرؐ جو الزام
 رات عمر رسولؐ کی چھاؤں میں سو کر رہائے الہی کا جواہر، جس کو ان کے
 کفار و مشرکین کی اناہیں دایں کر کے دیکھنا ہوتا کہ کیا باہر انوس رسالت
 ہوئے کہ گھر سے دینہ کی طرف چلے اور پیغمبرؐ اس وقت تک دینہ میں داخل

مصلحت کے بعد بھی مسلمانوں کے سر نہیں اٹھے اور پیغمبر اسلام کے اصرار پر بھی کوئی نہیں
آؤ بالآخر علیؑ ہی نے جا کو عمرو کا سر قلم کیا اور نبیؐ نے آواز دی۔ آج علیؑ کی ایک ضربت
عین کی عبادت پر بھاری ہے۔ صلوات،

خداوند کے بعد رسولؐ میں صلح حدیبیہ کی منزل آئی، جہاں پیغمبر اسلام
کے ارادے سے نکلے اور کفار کی مزاحمت کے بعد صلح کی نوبت آگئی، جس پر بہت سے
مسلمانوں نے اعتراض بھی کیا اور پیغمبر اسلام کی رسالت میں شک بھی کیا تو صلح
درست اور علیؑ ہی کے ہاتھوں سے مرتب ہوئی اور صلح نامہ کی کتابت کا کام علیؑ
نے انجام دیا، نہ کوئی کتاب وہی نظر آیا، نہ کتاب الہام، مصحف ایک علیؑ تھے جو
صلح نامہ مرتب کر رہے تھے اور نبیؐ لکھوا رہے تھے۔ اور چونکہ اس صلح کو فتح بین قریار
کے بعد دینے اسلام کو توجہ کرنا تھا کہ اسلام میں تمنا کا فائدہ بھی علیؑ ہی ہے اور اسلام
میں ختم کا فائدہ بھی علیؑ ہی ہے۔ صلوات،

حدیبیہ کے بعد صلح میں خیبر کا معرکہ سامنے آتا ہے جہاں یہودیوں کے
ظلموں کو فتح کرنے کے لئے بعض مسلمان سپاہی میدان تک جاتے ہیں اور اُٹلے
پاؤں جا پھرتے ہیں اور بقول تاریخ سردار یہ کہتا ہے کہ لشکر کمزور ہے اور
لشکر یہ کہتا ہے کہ سردار بزدل ہے اور آخر لادنی علیؑ خود پر اعلان کرتے ہیں کہ
اسلام کے لئے دونوں بے کار ہیں اور پھر کوار غیر فرار کا خطاب دے کر علیؑ کو
میدان میں بھیجتے ہیں اور علیؑ مرحب و عنقر کو ترخہ کو کے خیمہ کو فتح کر کے
واپس آتے ہیں۔ صلوات،

خیبر کے بعد صلح میں مکہ فتح ہوتا ہے، جہاں پیغمبر اسلام فائدہ
کعبہ میں بت شکن کا فرض انجام دیتے ہیں اور علیؑ کو حکم دیتے ہیں کہ کعبہ

کچا نہیں ہیں۔ یہاں شریک کو ساوہ ہرنا چاہیے، اہر کو نقد ہرنا چاہیے، چیز
کو ہر نقد اس کے اندر ہرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ہر دم اسلام میں وطن اخلاذ کا ہے
اسلام نہیں ہے، کاخ علیؑ و عائشہؓ کے عمام و کنیز اس بحث کی طرف توجہ ہوتے
اور سماج کو مبتلائے مصائب نہ کرتے۔

عقد کے بعد اسلامی سرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے
صلح میں بدر کا سرکہ چنن آبا، جس میں سقائی لشکر کا فریضہ علیؑ ہی نے
انجام دیا، اور سارے مسلمانوں کے برابر کفار تہنا علیؑ ہی نے فتنل کیا، بدر
کے بعد صلح میں احد کی منزل آئی، یہاں بھی سارے مسلمانوں کے
میدان سے بھاگ جانے کے بعد ثنات قدم کا مظاہرہ علیؑ ہی نے کیا اور جب
پیغمبر اسلامؐ نے پوچھا تو کیا علیؑ سب چلے گئے، تم یوں نہیں گئے؟ تو عرض
کہ: سرکہ! میں آپ کے نقش قدم پر ہوں، میں ایمان کے بعد کفر نہیں اختیار
کر سکتا، اب کوئی پتہ چھ کر کیا علیؑ کیا میدان جنگ سے بھاگ جانا کفر
اور اگر کفر ہے تو بھاگنے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

عزیزانِ محرم! آپ دیکھ رہے ہیں کہ عالم اسلام کا جو سہتا
خلیفہ کیا کچھ سا ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کو کیا ہو گیا ہے کہ کوسے بھی نہیں کیا
علیؑ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو، بھلا فرار کو کفر سے کیا مشتق ہے؟
تو کیا یہ دونوں بھائیوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ ایک اعلان کر رہا ہے، اور
توسرا اپنی خاموشی سے اس کے اعلان کی تائید کر رہا ہے اور اس طرح
نصرت پیغمبرؐ کے ٹھوس ہونے والی کے مسلک کا اعلان ہو رہا ہے۔

احد کے بعد صلح میں طوق کا سرکہ چنن آبا جہاں عمرو بن عبد

یعنی اسلام کر کے پارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان بناتے ہیں اور وہاں پہنچ کر
 جو آئندہ میں حج میں شریک ہو جاتے ہیں، جس کی دالیوں پر بیٹھ کر
 رسول کا قافلہ رکھا جاتا ہے اور پھر اسلام خیر و جا کر مٹی کو انھوں پر
 خد کر کے آواز دیتے ہیں۔ جس کا میں رسول ہوں اس کا یہ مٹی بھی بولا ہے
 کہ اگر ان مجید تکمیل دین کا اعلان کرتا ہے اور اُنت سے دستِ عسائی پر
 ہوتی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو خوش آجائے کو حق کا ہاتھ بہت ہے
 کے لئے پیدا ہوا ہے، بہت کولے کے لئے ہیں مسلمان،

غزیر کے دو مہینہ قبل دن کے بعد ہر صفر سال کو حضور سرور کائنات
 کا انتقال ہوتا ہے، جہاں سے مٹی کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے
 اور اُنت کے علیحدہ ہو جانے کے بعد مٹی، پختہ کو تسلی دے کر
 ان کو کہتے ہیں اور دنیا کو مزید کر دے ہیں کہ تین دن کے لئے دوڑنے والے
 ہیں اور نبوت کی تجویز دیکھیں کہ کالے ادا ہے۔ ادا ہے، جو جس کا
 قصد ہوتا ہے کہ اس کے لئے ہر آن کو شاں رہتا ہے۔ دنیا کا رشتہ تختِ عالم
 سے ہے اور میرا رشتہ اولِ اعظم سے ہے اسی کتب سے ہے پختہ لائے گئے،
 آج آخری منزل تک پختہ کر دیں پہنچا رہا ہوں۔

اباہم کریم اسے ہم کہہ نہیں سکتا لیکن اس کے سوسہ سال
 ہی جا چکا ہے کہ کونسی دنیا میں کی اگر کوئی خانہ بدو کو گھر بنائے تو
 جہاں وہ رشتہ کی خیم ہوتا ہے، خدا جانے کیسے بڑا دولت مند
 کو تار دے گا اور کبھی رشتہ کوئی نہ گیا۔

ہیں نہیں، بلکہ فیصدِ خلافت کے بعد اپنی کی طرف سے

وہ جس کے بعد ہر مٹا کر کتب سے بت گراؤ اور مٹی دوش رسول پر بلند ہو کر اپنا
 خیمہ لگا کر رہتے ہیں اور دنیا کو بتا دیتے ہیں کہ رسول اسلام نے خاتم
 سے اس کے حق کے ہٹانے کا کام نہیں ہے لیا ہے اور عقل کے مقابل میں اس
 جہاد کا فرض میں نے ہی اچھا کیا ہے فرق مفسد یہ ہے کہ انھوں نے پیادہ
 جہاد کیا تھا اور میں نے دوش رسول پر سوار ہو کر جہاد کیا ہے مسلمان،

حق کے لئے دوش میں سب اہل کی منزل آتی ہے، جہاں عیسائی
 حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے دوش آئے ہیں اور آیات قرآن کے
 نزول کے باوجود ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور آخر کار قرآن مجید سب اہل کا حکم
 دیتا ہے کہ جی اس خان سے بڑا کہہ رہتے ہیں کہ جو دین میں حقیقت ہوتے ہیں،
 انھیں بچھوٹے ہوتے اس میں حق جو حق کے نیچے تھرا دیتی کائناتِ عالمہ دہرا
 اور ان کے نیچے نفس پختہ مٹی بن اہل طالب۔ سب اہل ختم ہوتا ہے، بخاری
 اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں اور تاریخ آواز دیتی ہے۔ مسلمانو!
 اب اس کو کا احسان پہنچاؤ، اب تک تو میدانوں میں بعض اصحابِ فکر بھی
 اپنے حق، اب اسلام کے اس مرکز حق و صداقت میں سولے آئل کے
 کے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے، مسلمان فضائلِ آلِ محمد کو انھی اذنام میں
 کو احسان ہے کہ ہائی شکستِ اہلیت سے جوتی ہے، اصحاب سے نہیں،
 اور شاید اس فضیلت کو پائی رکھنے کے لئے اللہ نے مٹی کو ہمارا کلبہ ہے کہ
 اسلام کے آخری راہنما کے نیچے نڈا چڑھ لیں تو دنیا سے اسلام کو بھی آلِ محمد
 کے کمالات و احسانات کا اندازہ ہو جائے مسلمان،

مبادلہ کے بعد شروع میں یمن کا ہم تھا کہ ہے پیارے مسلمان

مشرور اور اچھا ہے اور پھر دینے کے بجائے چینی کی جاکڑ اور قبضہ کیا جاتا ہے
 عالم کو غیب سے بتایا جاتا ہے، ورد از سر پر آگ اور کھوپیاں جس کی جاتی
 چھا اور دوبار حکومت میں کھینچ کر طلب کیا جاتا ہے اور قتل کی دھمکی دے کر بیعت
 کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ تم ایک اللہ
 کے بندے اور حق کے بھائی کو قتل کر رہے ہو، تو جواب مٹاتا ہے کہ ہم
 تمہیں زندہ خدا تو تسلیم کرتے ہیں لیکن رسول کا بھائی تسلیم نہیں کرتے،
 دیکھا آپ نے انقلاب آؤت، جب یہ آؤت علی کے نبی کا بھائی ہونے سے
 انکار کر سکتے ہیں تو اگر باغ فدک اور منصب حکومت کا انکار کر دے تو
 کیا تجب ہے، علی نے اس مصیبت پر بھی صبر کیا اور فراق دیکھ کر کے بن
 کیا، وہ بھی مذکور یا گیا، مصائب پیش آتے رہے اور علی حسب وصیت پیغمبر
 خورشید ہے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد حکومت بدلی، اور حکومت کا دوسرا دور آیا،
 اس دور میں بھی مصائب میں اضافہ ہی ہوا، اور جہاں آزادی کے ساتھ
 روحانی اقدار بھی نمایاں طور سے خالی ہو گئیں، ان اپنے حقوق کا انکار کر رہا
 تھا اور دیرینہ دین خدا پر حملہ کر رہا تھا اور کلمہ کھلا احکام الہیہ کی نفی
 ہو رہی ہے، حلال خدا کو حرام کیا جا رہا ہے اور حرام خدا کو حلال بنایا جا رہا ہے
 اور حق علی کے پامال کرنے کا عظیم سازش ہو رہی ہے کہ ایک طرف جابر فدک کے
 ساتھ حق عرس کو بند کر دیا گیا کہ آل محمد کے پاس کوئی دولت باقی نہ رہ جائے اور
 دوسری طرف چلتے چلتے نئی حکومت کا ایسا منصوبہ بنایا گیا کہ خلافت مولائے کائنات
 تک پہنچنے میں نہ پائے۔ چچہ اور رسول کی کوٹھی بنائی گئی، اسیریت پر فیصلہ رکھا گیا،

عزیزانِ محترم! اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ مسلمانوں
 نے سیرت حکام پر عمل کرنے سے انکار کر کے ایک مسئلہ اور بھی واضح کر
 دیا کہ اگر علی نے کل حکام وقت کی بیعت کر لی ہوتی تو آج سیرت کو
 ضرور قبول کر لیتے، مولائے سیرت کو ٹھکرا سکا واضح کر دیا کہ جب میں
 سیرت کے نام پر پوری حکومت چھوڑ سکتا ہوں تو مجھ سے یہ تو بھرگز
 نہ رکھنا کہ میں کسی اقتدار سے مرعوب ہو کر باطل کے سامنے سر جھکا دوں گا

مشکل کشاد تھا، مسائل تھے اور حلال مسائل نہ تھا، شریعت تھی اور مخالف شریعت نہ تھا، قتل نہ تھا اور غفر قرآن نہ تھا، اسلام تھا اور ذرہ وار اسلام نہ تھا، اہل بیت تھے اور فاطمات نہ تھا، احسانات عاجز اگر وہ علی پر آئی اور نہ دزدی یا علی! اب مشکل کشا آپ ہیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں ہم سے بیعت لے لیجئے علی نے انکار کیا، اور جب امرار برصالحو مسجد بھڑ میں منبر پر بیٹھ کر بیعت کی اور ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں تمہاری بیعت کا حتماً نہیں ہوتا، تم مسجد ہی بیعت کے محتاج ہو، کل یہ بات مجھ میں آئی تھی اور آج مجھ میں آگئی، بیعت کا وجہ ٹھوکر لگنا ہے قیامت کی بنا ہی پڑا ہے، عسکرات،

تاریخ میں ایک نیا انقلاب آیا، اور مسلمانوں کی حکومت سے عالمی سی کے بعد امام الزینہ نے خلیفہ عثمان کے انتظام کا نو بن کید مراسلے کا ثبات برقی حقائق کا ارازم لگا کر انتقام کے لئے جبل کے میدان تک آگئیں، مراسلے کا ثبات لے لاکھ لکھا، لیکن کسی کی کھڑکی کے اندر کھڑکی کی لڑائی ہوئی، امام الزینہ کی شکست ہوئی، حضرت علی کو فسخ نصیب ہوئی، لیکن آپ نے نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ انھیں دینے پر تیار دیا کہ دینا چاہیے کہ عزت پر تیسرے کا محافظ کر لیں اور اس میں رسول کو سر مبارک لا بولا کہہ کر ہے اور اس طرح حق و باطل کا فیصلہ بھی ہو جائے۔

جبل کا آگ سرد ہوئی تھی، لیکن انتقام کی دوسری اہم شام کے شروع ہوئی اور زمین کا پہاڑ گرم ہو گیا، وہاں بھی لڑائی علی کی تھی، تمام ہوئی لیکن اچانک حکومت شام نے نیرول پر قرآن لے کر کے جنگ کاؤٹے چلا دیا، مقصد یہ تھا کہ ہم قرآن سے فہلہ کرنا چاہتے ہیں، اب دیکھیں علی کا سسک بھا ہے، مراسلے کا ثبات نئے جنگ رو کر دی، اور مالک انشر کو چاہی جالیا اور دنا پر واضح کر دیا کہ ہم وہ محافظ قرآن

اور زمین کی بیعت کر لوں گا۔

تاریخ کے دس سال یہ بھی گزر گئے اور حکومت کا تیسرا دور لگ گیا، اس دور میں اہل مصاب و مقام کا سلسلہ اس شدت کے ساتھ جاری رہا اور دینا صاکی کو بیعت نہیں ہوئی رہی۔

یہاں یہ پورے اعلیٰ و اعلیٰ تقسیم ہوئے اور بیعت اہل شہم کے گھرانے ہوتے رہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب خلیفہ سوم کو حکومت ملی تو وہیں فاطمہ ان حضرت ابو سہیلان نے آکر کہا، بیٹا! اب یہ خلافت تمہارے قبیلہ میں آگئی ہے، اس گین کو جس طرح چاہو پھاؤ، خودار جنت و جہنم کے پھر میں نہ پڑنا، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں نے بزرگ فاطمہ کی بات مان لی، لیکن اتنا فرما دیا کہ اس بات پر جو سفیان کو لڑا لیکن نہیں اور میں سے انرا دینا برجا تا ہے کہ اگر خلافت میں جنت و جہنم کا اسکند نہ ہوتا تو لوگیت میں خسر دینی کو بیعت اہل شہم کا کھیل نہ بنایا جاتا، یہ بیعت اہل شہم کا قدیم عقیدہ تھا جو اب تک بڑے بڑے اشرار سے چلا آ رہا تھا، اور اس عقیدے نے اس پردہ کو چاک کر دیا، پڑی میں اور دوسروں میں اتنا ہی فرق ہے کہ وہ بیعت نے بات کو بردہ میں رکھا تھا اور چریدنے پردہ کو چٹا دیا تاکہ دنیا پہچان لے کر پڑی میں پہنچا دے، اور یہاں آج تک مذہب ہے اور اس طرح یہ بھی واضح ہو جائے کہ شریعت ہر دور میں رہا ہے اور حکومت آج تک مذہب ہے اور یہی معنی ہیں تحسین و حق و انانہ جو تحسین کے

تقریباً بارہ سال تک عالم کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور دینا اہل کی زمین و خلیفہ ہوئی، یہاں تک کہ اہل الزینہ عاشرہ کی کوششوں سے خلیفہ خلافت کا قتل واقع ہوا۔ اور مسلمان لا مارٹ ہو گئے، اب مشکلات تھیں، اور

کیا نہ تھے اسلام اس تجارت جہازات کو فروش کر سکتی ہے جب کائنات کا
امیر اپنی بیٹی کے گھر میں تھا اور میں نے انظار میں دودھ اور نمک کا حاکم لایا
میں نے لالہ ام کلثوم، تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے ایک وقت میں دو غلامیں بھی
کھائیں، چل دو دودھ کا پیالہ اٹھا لو۔

مجھے معلوم تھا کہ مولائے دودھ کا پیالہ کیوں اٹھا دیا؟۔ راز تو اس وقت
کھلا جب ایک شخص کی تلواریں اس پر چڑی اور سلاخی ہو کر بہت الشرف میں تھیں
اور جرات نے دھم سر دیکھ کر دودھ بخوبی کھا۔

مرازا در ۱۹ دن خب انظار سے فارغ ہوئے تھے بعد مولا کا یہ عالم تھا کہ
بار بار حجۃ عبادت میں تشریف لے جاتے تھے اور نکل آتے تھے اور فرماتے تھے بیگم
بدین رات ہے؟ میں نے گھر سے پوچھا، بابا جان! یہ کون سی رات ہے؟ فرمایا۔
میری لالہ بدین اور تیری جدائی کی رات ہے، یہ وہ رات ہے جس کی پیروی اسلام
خروج سے گئے ہیں، جس کے بعد مجھے بارگاہ الہی میں حاضر ہونا ہے، میں اب کچھ تیار
ہوں کہس طرح نذر رہا ہے، آج مجھے دنیا کے کس بہادر سے مقابلہ نہیں کرنا ہے
آج مجھے بہت الجاہلین کا بارگاہ میں جانا ہے۔

رات گزرتی رہی، سو کا حکم آیا، محمد بدین فرما کر گھر سے باہر نکلے کا قصد کیا،
دراپان نے بڑھ کر اس سے کہا، اے کریم صبح کو دیکھ، فرزند ان جاندروں کا بال کھتا
ان میں کوئی ہوگا یا بسا رہ جائے، اگر ان کے آب و داد کا استحکام نہ ہو سیکے تو انہیں
آزاد کر دینا، میں کسی کو سہو کا پیارا نہیں دیکھ سکتا ہوں۔

ارباب مولا! یہ کہتے سے کہتے، اکاش کوئی آہن کو فہ میں اس دھمکت کو
سنتا اور باد کھتا کہ علی جاندروں کی سہو اور پیاس برداشت نہیں کر سکتے،

یہ جو عربی کتاب کے لئے جیتی ہوئی جنگ بھی چھوڑ سکتے ہیں، فرکان کہ جہر ذکر حکومت
میں کھلا کام ہے اور فرکان کی سزائے نام پر حکومت چھوڑ دینا ہمارا کام ہے۔

جنگ رکی، طرفین کے حکم میں ہوئے اور آخر میں ایک گہری سازش کے نتیجہ
میں مولائے کائنات کے خلاف فیصلہ ہو گیا، فیصلہ میں اس فرکان کا نام بھی نہ کیا جس کے
لئے جنگ رکی تھی اور اس طرح مولائے کائنات کے لشکر میں بھی بنادت کی ایک
لہر دوڑ گئی اور آپ کو نہروان کی لڑائی سے دو چار ہونا پڑا، الحمد للہ کہ آپ اس میں
بھی فاتح رہے۔

بات تمام ہو گئی لیکن اس حاضر و محض کو ناپا جاتا ہوں کہ غلاموں کے دودھ پر علی
سے عین عازلوں پر جنگ کیوں ہوئی اور ان لڑائیوں کا ذکر دیکھ کر کہ ہے؟ جنگوں کی تربیت
حقیقت کا فیصلہ کر رہی ہے کہ ان جنگوں میں ایک میں خلیفہ اول کی بیٹی کا بطن نہیں
اور دوسری میں خلیفہ دوم کا بنایا ہوا گورنر خاندان اور تیسری میں بنی امیہ کے ہوا خواہ
خاندان امیاس بات کی دلیل ہے کہ اگر صہایت نے اہلیت کے خلاف سہاڈت الی نہ کی
ہوتی تو آج مسلمانوں میں یہ برکت نہ ہوتی اور شاہدہ سیک کے اس تسلسل کو امام خزانے
محسوس کر لیا تھا، جب یہ فتویٰ دیا تھا کہ واقعہ پر ذکر شہادت حسین صراح ہے کہ اس سر
بتعین مجاہد پیدا ہوتا ہے۔

میں نے گزارش کرتے کا مقصد یہ ہے کہ اہل زمین نے اپنا چار سالہ دور
حکومت ایسے ہی پریشان ہونے اور الجھنے میں گزارا لیکن اپنے فریضہ ہدایت سے قفل
نہیں رہے اور جب زندگی کا آخری لمحہ آیا اور غلام کی سازش سے طرحت نے
قتل علی کا منصوبہ بنایا تو اس وقت بھی آپ قدم قدم پر اپنا فریضہ ہدایت ادا
کر رہے۔

نواز شروع کی، مسجد خالق میں رکھا، ابن لکھنوی مسجد بنے چورنگ
مسجد بنے، فضا میں کھرام برپا ہوا آسمانوں میں تلاطم پیدا ہوا، روح الامیں ٹپک کر چلائے
نیا کا بھائی اما گیا، علی فہید ہو گئے، متونی ہدایت گر گیا، رہبان ہدایت لڑی گئی۔
بیت الشرف تک آواز پہنچی، سیدانوں میں کھرام برپا ہوا، والد خیر کی آواز میں بسند
ہر یک، خیرا دے مسجد تک آئے، امام حسن نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور دنیا کر سب دن
کو خیر دار قتل علی کو مسجد میں نہ جانے کہا، ہزار قرآن پڑھ دینا، جہ سے زیادہ علی کا چاہئے والا کوں
ہوگا، میں دای علی اور فرزند علی ہوں، میں نے ٹھیک وقت حضرت مسجد میں آکر نماز پڑھائی
ہے اور ہمیشہ مسجد میں نماز پڑھتا ہے، خود مولائے کائنات نے ۱۹ دریں ماور معان کی صبح سب
کچھ جانتے ہوئے مسجد میں آکر فاتحہ کر دیا کہ علی جان دے سکتا ہے مسجد کو ترک نہیں کر
سکتا، دند گھڑی میں نماز ادا کر لیتا اور بظاہر خطو سے محفوظ رہتا۔

اس کے بعد خیرا دے باپ کو لے کر چلے، بیت الشرف کے قریب پہنچے، ابوالحسن
نے آواز دی، چلا حسن! چاہئے والوں کو واپس کر دوں اب گھر قریب آ گیا ہے، میں نہیں
چاہتا کہ ان عروں کے کانوں میں میری بیٹیوں کی آواز جائے،

میں کہوں گا، مولایہ مسجد کا کوفہ ہے جو چاہئے وصیت کر لیئے، ابھی علی کوئی
دعا فرزند موجود ہیں، لیکن مولائے کل منہ کا کوہ ہوگا، جب سے ہوئے باز نہ ہوئے
خافائیں کاٹے ہوگا، لڑائیوں کا مجھ ہوگا، ہر طرف آئے بند ہی ہوگی، جن کا سامان
ہوگا، اور اس عالم میں آپ کی بیٹیوں میں سے لڑکی جائیں گی آپ کے فرزند عابد کے
ہاتھوں میں چھوٹی ہیں، پیوں میں بیڑیاں، گئے میں طوقی غار دار، آپ کے نزدیک زبان حال سے
فریاد کر رہی ہوگی، ایسا نجد دہشت میں ہے، آپ کی بیٹی آپ کے دار حکومت میں آ رہی ہے،
ابا! آپ کو گوارا نہیں تھا کہ آپ کی بیٹی کی آواز نامحروں کے کانوں میں جائے، اب تو

اور کل انھیں من کی اولاد ہوگی جن کے غموں سے العنش العنش کی آوازیں بلند ہوگی
یہ چاہتا ہے عرض کر دیں، مولایا آپ کے گھر کے جانور پیا سے نہ رہیں اور آپ کی
اولاد گھڑائے کر بلا میں بین دن کی پیاس، نگاہوں کے سامنے دھواں نہ بانوں
پر العنش العنش، وا محمد! وا علیہ! وا حسناہ کی آوازیں۔

عزاد امان امیر المومنین! مولائے بیت الشرف سے باہر چلے، امام حسن اور
ابن حنین ساتھ چلے، شکر و بھلا، بجا، میسر لال داپس جاؤ، آج تھا اگر گھر میں بنا
زیادہ ضروری ہے، خیرا دے واپس ہو گئے، لیکن کسے معلوم تھا کہ مولائے کیوں
واپس کر دیا، تو باپ چلے یا فرزند۔ روز اس وقت کھلا جب علی کا مسجد شروع
ہوا اور میرا قس پابن لکھنوی کی اولاد تھی، فضا میں قد قتل امیر المومنین کی آواز گونجی اور
شہزادی نہایت دام کاظم ٹپک کر سہائی کے پاس آئیں، سہتا! یہ میں کیا سن رہی ہوں
کیا بابا ملے گئے؟ سہتا جلدی مسجد میں جا کر بابا کی خبر لائیے۔ میں کہوں گا خیرا دے
آج بھائی گھر میں موجود ہے، باپ کی خبر گیری کے لئے مسجد پہنچے لیکن بی بی
کل جب فضا کے کر بلا میں آواز گونجے گی "لا قتل الحنین بکرہا" تو کسے مبعوث
ہو، بھیجئے گا، جز قتل سے بھائی کی خبر لائے۔ عجیب نہیں۔ شہزادی آواز دیں کہ
میں خود بند ہی تک جاؤں گی اور بھائی کے گلے پر چلتا ہوا خیرا دے گھر کر آواز دوں گی
بیرسعد! میرا بنایا توک ہو رہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔

عزاد اور! مولایہ مسجد میں آئے، اس غریب فریق ہدایت انعام دیا، گھر سے
برادران کی، عمن مسجد سے قاتل کو بیدار کیا اور دنیا کو یہ پیام متاثر مصلے پکائے
کون وقت نماز قاتل کا سونا بھی برداشت نہیں کر سکتا تو چاہئے والوں کا بے ناز کی ہونا
کیونکر برداشت کرے گا۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی، ہر طرف از حد کا احترام ہے، جس کو کس سے ٹو جھانک،
کے ہر درگاہوں، ابا ازینب کے سر پر چادر میں ہے، بیٹی کے سر کے بال کچھ ہٹے
ہیں۔ بلاشبہ دیا سے ہوں ہی نظر میں انکس اور جب کہیں نظر اٹھ جاتی ہے تو
ساتھ لوگ بیروہ آپ کے حسین کا سر نظر آتا ہے، ابا ابا پکڑا ہے جیسے سے
بڑی محبت تھی اور آج آپ کا حسین آپ کے تہہ میں آ رہا ہے اور آپ لیتے ہیں
آج۔

اور یہ مقام کو آپ بن ام کلثوم کے گھر میں تھے اور آج ام کلثوم آپ کے
گھر میں بن کے آئی ہے، ابا ذرا اٹھ کر دیکھے آپ کی سیکڑ کا کیا عالم ہے، کس
جی، یہ بھی یہ قید کی محنت، یہ بے گئی، یہ امیری اور یہ عالم غربت۔
یہ ایسا حال کی غربت تو دیکھے ابا : نہیں ہے آپ تو گھر میں بیٹھے ابا :
جب آپ کے عابد کا حال زار کچھ ہے : کمال صفت بھی ہے تو کمال دار کچھ ہے
سلام ملکیت کے صاحب دار سلام : سلام بیٹے میرے گھر کے سرگزار سلام :
جو ہوئے تو بھی کر لایا جائے گا : گلے سے تربت یہ شیر کی رنگ بے گا
مدد کر دے ابا کہ خاتم جان ہوں : بہتر سر سوتے بڑائے عام جان ہوں

وَسَيُكَلِّمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنَّى مَنَعَكَ بِشَيْءٍ لِّكَرُون

اِنَّا لَنَنصِرُكَ مَا نَا لِيَهْرَاجُونَ

اسم مبارک

لقب

کنیت

والدہ ماجدہ

والدہ ماجدہ

ولادت

اولاد

شہادت

عمر مبارک

قرن طہر

شاطرہ

زہرا، بھول، صدیقہ وغیرہ

ام المومنین، ام ایمن

حضرت محمد مصطفیٰ

جناب خدیجہ

۲۰ جمادی الثانیہ شریعت، مکہ معظمہ

امام حسن، امام حسین، جناب زینب، بنات ام کلثوم

۲۰ جمادی الاولیٰ سال ۱۰، امام حماد الثانیہ

دریہ منورہ

۱۸ سال

بین قبر و قبر رسول یا بنت اربع

تیسری محفل داستان عظمت صدیق مظاہرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَزْلُوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَسْرَافِ الْاَنْبِیاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
اَعْلَیِّہِمْ وَرَضَیَہُ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَشَدَّ اَہْمًا جَمِیْعًا اَمَّا بَعْدُ فَعَدُوۃُ تَالِہِ السَّکَرِ
اَلْمُحْکَمُ فِی سِتَابِہِ الْکَرِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا عَلِمْنَا لَیْقَہْدٰی وَاِنَّا لَآ اٰخِرَہٗ وَاَوَّلٰی۔

اے کائنات کا ارشاد ہے، بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے ادر ہے اور
دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

یہ ایک ایسے صادق القول کا قول ہے جس کے کلام میں غلطی اور غریبہ کا کوئی
امکان نہیں ہے، اور جب اس نے کہہ دیا ہے کہ ہدایت کی ذمہ داری ہمارے ہاں ہے اور
ہم تو چاہے کہ دنیا میں کوئی ثبوت ملے یا نہ ملے یہ ماننا پڑے گا کہ اس نے ہر
دور، ہر عہد، ہر زمانے اور زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت کا انتظام کیا ہے
اور ایسا نہ ہوتا تو چند ہزار سال کی مدت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اربعہ اور پچیس
ان کے اوصیاء و خلفاء کی گنجائش کہاں ہوتی۔ انبیاء و کثرت خود اس بات
کی دلیل ہے کہ اس نے کوئی خطا زمین کوئی علاقہ زمین اور کوئی زمانہ ایسا نہیں
چھوڑا جس میں ہدایت کا انتظام نہ کیا ہو، اور اس انتظام میں یہ ملاحظہ رکھا ہو
کہ میں دور میں جیسی ضرورت ہو ویسا ہی نہی سمجھا جائے، ویسا ہی کتاب نازل
کی جائے، ویسا ہی قانون بنایا جائے اور ویسا ہی شریعت مقرر کی جائے۔ تاکہ انسانی
اس قانون سے فائدہ اٹھا سکے اور نمائندہ پروردگار حالات زمانہ کے مطابق دنیا

کی ہدایت کر سکے۔

اس مقام پر یہ مسئلہ ضرور قابل غور ہے کہ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار
انہوں میں ایک کو بھی عورت نہیں بنایا، اور پوری تاریخ ہدایت میں کسی ایک عورت
کو بھی نہ مرنے نہیں دیا گیا کہ وہ منصب نبوت و رسالت کی حامل ہو، ایک سے ایک
صاحب ایران و کردار خراب بن گئے ہیں اور ایک سے ایک اپنے نفس منطحات مغرور میں پرانے
آئیں لیکن کسی ایک کو بھی منصب الہی نہیں دیا گیا، تو کیا یہ مزاج دیا جائے کہ سادہ اللہ
دین خدا میں عورت لاکھوں مرتبہ نہیں ہے یا دین الہی بھی عورت کے حق میں اتنا ہی
ظالم ہے جتنے ظالم دنیا کے دوسرے قوانین ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو عورتوں
کو منصب ہدایت کیوں نہیں دیا گیا اور انہیں اس مشقت سے کیوں محروم
رکھا گیا؟

تاریخ انسانیت میں یہ شاعر عورتیں گزری ہیں جنہوں نے قیادت کا منصب
سنبھالا ہے اور با حسن و جہد انجام دیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ عورت کی
حکومت بھی کامیاب نہیں ہوئی اور اس نے دنیا کو صالحہ نظام زندگی نہیں دیا تو مجھے
ممان فرمائیں، مردوں کے حاکم بھی کچھ کم دماغ و لڑ نہیں ہے، زبان سے کچھ دینا
بہت آسان ہے لیکن ایک مرتبہ دونوں کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو سارا
حال معلوم ہو جائے گا۔ روئے زمین پر پہلا ظالم مردی نے بنایا ہے، پہلا ظالم
کے کئی انکاد مردی نے کئے ہیں جناب ابراہیمؑ کا گھر میں مردی نے کچھ لکھا ہے
جناب یونسؑ کو اداہ ظالم مردی بنایا ہے، جناب یونسؑ کو اپنی جانب میں سطر پر مردی نے
چھوڑا ہے، نبیؑ کی حکمرانی کے خزانے کے دماغ میں مردی تھا، خدا
کے مقابل میں دعائے خالی کرنے والا فرد مردی تھا جس کا ایک کے مقابل میں

گرجا بنانے والا برہمن مردی تھا اور اس کے مقابل میں دوسری طرف قصیر عورت میں
مردی کی بددشمنی کو سنے والی آسیہ عورت تھیں، عیسیٰؑ کو شریعہ سے بنا دیا
رکھے والی مریح عورت تھیں، جناب اسماعیلؑ کے لئے خدش میں پانی فراہم کرنے والی
احسہ عورت تھیں، علیؑ کا عظیم گھر کون زندگی بھلا کرنے والی خدیجہ عورت تھیں، ایک
یہ ایک عورت زہری توہر نبوت کی غربت دولت سے تبدیل ہوئی، زنجبیب کا احوال
تصدیق میں منقلب ہوتا، زکریاؑ کی لیسلی کا فتح ہوتا، زکریاؑ کی لیسلی کا جرم ہوتا، زکریاؑ
بیت پر میں بچہ سید ہوتی زکریاؑ اسلام میں یرخان و حکومت متفق آتی اور مجھے قیود بھی
کناڑ تاج کہ تاریخ اسلام میں صدرا اسلام کے کھلے توڑنے والے اور دولت
لے لے کر ٹی و مالدار بن جانے والے مرد تھے اور اپنے کھڑے دل پر قیود امت
کو پانے والی خالہ زہرا کی مال خود بخت اکبر کی عورت تھیں، صلوات،
یہ نہ کہنے کہ عورت کو کوئی شہرہ نہیں ہے، عورت کا کئی کردار نہیں ہو،
عورت کا کئی ایمان نہیں ہے اور جب یہ سب کچھ نہیں ہے تو پھر سوال اپنے مقام
پر ہے کہ اللہ نے عورتوں کو منصب داریوں نہیں بنایا۔

ساری دنیا نے اسلام اس ایک سوال کے سامنے اٹھتی ہے نہ اس کے او
تقریر و تجویز سے اسلام میں عورتوں کے حقوق ثابت کرنے والے علماء اسلام
اس سوال کے مقابل میں سکوت و صامت نظر آتے ہیں، ہم نے ماکہ اسلام نے
عورتوں کو عزت دی ہے، وقار دیا ہے، مرتبہ دیا ہے، میراث میں حصہ دیا ہے،
شہادت کا حق دیا ہے، کسب معاش کی اجازت دی ہے، نکاح کرنے کا اختیار
دیا ہے، تعلیم سکھانے کے حقوق دیے ہیں، اولاد پر طاعت واجب کر کے خیر اہی
کا مرتبہ دیا ہے، شہرہ کی شریک حیات بنا کر گھر کا زور دار بنایا ہے، اب اس کی

تسلیم کر لیا کہ یہ کام خدا کا ہے، بلایا نہیں ہے، اور جب اپنے گھر کی قیادت و خلا کا مسئلہ آیا تو سب نے طے کر لیا کہ یہ حق بندوں کا خدا کا نہیں ہے۔

اباب کرم! میرا تمام دنیا نے اسلام کو چیلنج ہے کہ یا تو عورتوں میں کوئی ایسا نقص ثابت کریں جس کے بعد ان میں منصب کی صلاحیت نہ رہ جائے یا یہ اعتراف کر لیں کہ جود الہی اللہ کے اختیار میں ہے، اس میں امت کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مصلوات،

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی عبادت یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے نبوت کا قیاس خلافت و امامت پر کیوں کر لیا؟ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نبوت و رسالت میں ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جس کا وجود عورت میں نہیں ہو سکتا اور اس کا علم صرف ذات پروردگار کو ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مردوں کو نبی و رسول بنایا ہے۔ عورتوں کو نہیں بنایا۔ لیکن اس کا قیاس خلافت و امامت پر نہیں ہو سکتا۔ امامت نے بعد پھر جو اختیار لیا ہے وہ خلافت و امامت کا اختیار ہے، نبوت و رسالت کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن اباب کرم! مجھے پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اگر یہ طے ہو جائے کہ نبوت و رسالت میں ایسی خصوصیت ہے جس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے اور خلافت و امامت میں ایسی کوئی شے نہیں ہے تو امت اسلامیہ نے پیغمبر اسلام کے بعد اہل بیت کو خلیفہ رسول کیوں نہیں بنایا؟ جبکہ یہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے کہ عتبت رسول، علم و فضل، ولایت و صریح و غیرہ کے اعتبار سے وہ خلیفہ سے چتر تھیں، جملہ خلفائے اسلام کی حد نہیں سب ملا کر اتنی نہیں ہیں جتنی حدیں صرف امام المومنین عائشہ کی ہیں۔ کسی خلیفہ المسلمین کو رسول سے

کے قابل تنظیم و احترام بنایا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اتنی عزت و محبت کے بعد عورتوں کو منصب کیوں نہیں دیا، اور سوال کا کہ نبیوں میں ایک آدمی عورت کو یہ عہدہ کیوں نہیں بخشا؟

میرے خیال میں یا تو دو نیلے اسلام اس اعتراض کا جواب دے اور دنیا کے کفر و الحاد کو مطمئن کرے کہ حقوق نسواں کا لغو بلند کرنے والا اسلام اس منزل پر کبھی غامض ہے اور یہاں عورتوں کے حقوق کی حمایت و رعایت کیوں نہیں کی گئی، اگر یہ امر ممکن نہیں ہے اور اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہے تو رمان لفظوں میں اعتراف کر لے کہ جہاں تک حقوق کا تعلق ہے اسلام نے کسی منزل پر عورتوں کو محروم نہیں رکھا اور نہ مردوں سے پیچھے رکھا ہے، لیکن منصب کے معاملہ میں اس کی دنیا دوسری ہے، اس کا تعلق مردانہ عورت سے نہیں ہے بلکہ مصلحت الہی اور علم پر مددگار ہے۔ بات صرف مرد و عورت کی ہوتی تو دنیا کے سارے مرد و نبوت و رسالت کے دعویدار ہو جاتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد سے کہ دوڑوں اور اربوں مرد صاحب ایمان ذکر و ار گزرے ہیں اور میں لیکن کسی کو منصب نبوت و رسالت نہیں ملا، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ منصب خدائی مصلحت سے وابستہ ہے، اس میں علم و قابلیت اور استعداد و صلاحیت کی بحث نہیں ہے، قابلیت و صلاحیت اور کردار و ایمان شرط منصب ہیں لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر صاحب ایمان ذکر و ار کو منصب دے دیا جائے اور ہر قابل و فاضل انسان نبی اور رسول بن جائے، اور جب دنیا نے اسلام نے عاجز کر دیا کہ یہ اعتراف کر لیا تو ایک قدم بچے ہی بڑھا پڑا کہ جب عورتوں کی نبوت و امامت کا مسئلہ آیا تو سب نے

بہر حال میدان میں میں دیکھا گیا ہے، پھر ان کی خلافت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ
جہاں جہاں غلط وقت کے دل میں فروغ پیدا ہو گئی تھی وہاں بھی وہ سنت
اقدامات کو نہیں اور کسی سے مروت سے کام نہ لیتیں جس کا زور و ثروت یہ ہے کہ خالد
بن ولید کے سالار میں غلطی رسول نے صحابہ رسول کچھ کمزورت سے کام لیا اور انکی
نا قابل مساوی غلطی کو نظر انداز کر دیا لیکن ام المومنین اپنے نظریات میں اتنی سخت تھیں
کہ صحابہ رسول کیا نفس رسول کو بھی صاف نہیں کر سکیں اور لشکر نے کرم مقابلہ پر
آگئیں۔

ملاحظہ کیے یہ حقائق مجاہد ہیں کہ رسول اکرم کے بعد اسلام میں اتنا عظیم
انقلاب آیا تھا کہ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں تھا اور جب یہ امت رسول کی جیتی
یہی کا نہ ہوئی تو کوئی بھی کی کیا ہوگی اور جب خلافت کی دوڑ میں بزرگوں کو
بچوں کا خیال ذرا بھی تو دوسروں کا کیا خیال آئے گا؟

ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین اسلام میں نہ خدا نے عہدوں
کو عہدہ دیا ہے نہ امت نے، تو آپ یہ سال بہر حال رہ جاتا ہے کہ پروردگار
جو عورت اس قابل نہیں ہے تو اس کی ہدایت کا کیا انتظام ہو گا؟ اور مرد
اس کی عملی ہدایت کچھ کیوں کر گے، وہ اس کے اعمال بجالانے سے قاصر ہیں اور
وہ ان کے اعمال سے استفادہ کرنے سے عاجز ہے تو پھر وہاں راہ کیا بنے
گی؟

قدرت نے آواز دیا تھا کہ نہیں، میں منصب نہ دوں گا لیکن عورتوں میں
بھی ایسی ایک قسم کے خدایاں پیدا کر دوں گا جن کا عمل عورتوں کے لئے شیعہ ہوتا
ہو جائے گا اور جن کے نقش قدم پر چل کر دنیا و آخرت کی نیکیاں

وہ امت اور امت حاصل نہیں تھی جہاں المومنین کو حاصل تھی اور جس کے
ساتھ یہ نفس اسلام نے اتنی رعایتیں نہیں برتی تھیں جتنی ان کے ساتھ
برتی ہیں، اور کسی کی اس قدر ناز و برداری نہیں کی ہے جتنی ان کی ناز و برداری کی ہے
تو پھر امت نے یہ عہدہ انہیں کیوں نہیں دیا۔ اور شاخ شاخ بچے تو یہ شکوہ خوران کے
والد بزرگوار سے ہے کہ انہوں نے منبر رسول پر جا کر یہ تو کہہ دیا کہ علیؑ کے ہونے
ہونے میں خلافت کا اہل نہیں ہوں، یہ کیوں نہ کہا کہ اپنی دختر نیک اختر کے
ہونے ہونے پر حق بچے نہیں پہنچتا اور قاعدہ کے اعتقاد سے یہ منصب
انہیں ملنا چاہیے۔

لیکن بے کوئی ناہم یہ اعتراض کرے کہ نبی کے بعد امت اسلامیہ
اور خیر نبی پر چاروں طرف سے حملے کے اسکا نات تھے، منافقین منتظر بیٹھے
تھے، مشرکین غار کھائے تھے، یہودی اپنی شکست کے انتقام کی فکر میں
تھے، عیسائی الگ چلے ہوئے تھے اور مرتدوں کا نقشہ الگ سر اٹھا رہا تھا
ایسے موقع پر اسلام کو علم فضل و کمال، روایت و حدیث سے زیادہ لشکر کشی
اور مورک آرائی کی ضرورت تھی، اس لئے یہ منصب کسی عورت کو نہیں دیا جاسکتا تھا،
ورنہ اسلام کے تباہ ہوجانے کا اندیشہ تھا لیکن ارباب کرم! میرا کسی عالم عورت
کی گفتگو نہیں کر رہا ہوں، میں ایک مخصوص قانون کی گفتگو کر رہا ہوں، میری بحث
غالب ذہن سے نہیں ہے کہ ان کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ ان میں
سرکھ آرائی اور لشکر کشی کی صلاحیت نہیں تھی، سب سے گفتگو ایک ام المومنین
سے ہے جن میں یہ صلاحیت بدیع الہم موجود تھی اور وقت کے عطف سے کچھ
زیادہ ہی تھی، غلط وقت کو میدان میں مقابلہ کرتے نہیں دیکھا گیا لیکن ام المومنین

حال کر لیں گے، میں ان کے کردار کی مناسبت لوں گا، میں انہیں زبردستی سے
 آراستہ کروں گا اور اتنی طیب و طاہر بناؤں گا کہ مردوں کی طہارت کا اعلان کروں یا
 نہ کروں ان کی طہارت کا اعلان ضرور کروں گا۔ عصمت مریم پر وقت پڑے گا تو ان کی
 طہارت کا اعلان کروں گا اور چادر نہ ہر آئیں اجتماع ہو گا تو ان کے حق طہارت
 کا اعلان کروں گا۔

ارباب کرم! میں نے بار بار عرض کیا ہے کہ جسے خداوند عالم طہارت کا
 انتظام سپرد کرتا ہے اس کی خلقت میں بھی ایک خاص اہتمام رکھتا ہے چنانچہ
 مریم کو نمونہ عمل بنایا تو انہیں اپنے گھر کے لئے وقف کر دیا اور فاطمہ زہراؑ
 کو قیامت تک کے لئے شریکۃ الرسول بنایا تو ملاقات میں وہ اہتمام رکھا کہ
 کائنات کی کسی خاتون نے نہیں کیا تھا۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب جناب خدیجہؓ نے نہام اشراق قریش
 سے عقد کرنے سے انکار کر دیا اور امانت و دیانت پر غرور کو دیکھ کر از خود پیغام
 عقد دے کر رسول اکرمؐ سے عقد کر لیا تو عرب میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ خدیجہ
 نے پیغمبر اللہؐ سے عقد کر کے ہماری سیادت و قیادت کی توہین کی ہے،
 ایک غریب و نادار سے عقد کر کے ہماری دولت و ریاست کا مذاق اڑا دیا
 ہے، ابند طغر سے تحریک عقد کر کے ہمارے رسوم و تقابین کی تہلیل
 کی ہے، اور ایک غیر مذہب کے مرد سے عقد کر کے ہمارے عقائد و نظریات
 کی توہین کی ہے۔ عقد کے بعد جیسے جیسے مل اعظم کے نظریات سامنے آئے
 گئے مخالفتوں کا رخ ضریح کی طرف تیز تر ہوتا گیا، اب مکہ کی گلیوں میں صرحت
 بنیبر پر پتھر نہیں پڑا ہے۔ نئی کے ساتھ مخالفت و بغاوت کی

بچی میں سب گھروں کے بھی پس رہے تھے، اور دنیا جانتی ہے کہ عورتوں کا مزاج
 زیادہ جذباتی ہوتا ہے اور وہ رسم و رواج کی زیادہ پابند ہوتی ہیں، عرب عورتوں کی
 نظر میں خدیجہ کا بہن ظلم کیا کہ تمہارا رسم و رواج کی مخالفت کی ہے اور ایک
 ایسے مرد سے عقد کیا ہے جو ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے، ان کی مخالفت کرتا ہے
 انہیں بھجن، بیجاں اور بے معرفت کہتا ہے اور خود بخود طلاق بھی نہیں لے لیتی اور
 عقد سے نکل بھی نہیں آتی بلکہ ان کی نصرت کر رہی ہیں، ان پر ایمان لے آئی ہیں،
 اور اپنی دولت سے ان کی اعادہ بھی کر رہی ہیں، ان کے مذہب کو آگے بڑھا رہی
 ہیں اور سنا گیا ہے کہ ان کے شکم میں کوئی فرزند بھی ہے، یعنی ایک وارث کا
 بھی بندوبست ہو گیا ہے، غضب ہو گیا، قیامت آگئی، کاش کوئی انہیں ختم کر دیتا
 کاش ایسی عورت سماج میں نہ پیدا ہوتی، کاش اسے موت آگئی ہوتی کہ ہمارا
 مذہب زبنا م ہوتا، ہمارے قبیلہ کی ناک نہ کٹتی، خدا جانے یہ عورت کہاں سے
 آگئی؟ اور ابھی تک زندہ ہے۔ اب تو ایک ہمارا سستہ ہے کہ ولادت کے وقت ہر
 سب اس کا بائیکاٹ کر دیں اور کوئی اس کے قریب نہ جائے ہمارے بڑوں نے چاہا
 تو یہ تڑپ تڑپ کے مرجائے گی اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سکون مل جائے گا۔
 عورتوں کے مزاج سے جتنے سخت اقدام کی توقع کر سکتے ہوں، اسی
 رنگ میں حالات کا جائزہ لیجئے اور سر پئے کہ خدیجہ کا عالم کیا ہے اور کس طرح
 سارے سماج کی مخالفت کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔ مگر اللہ سے صبر و خبات
 کو پائے استقلال میں کوئی جنبش نہیں، عقیدہ میں کوئی فرق نہیں، حاجت
 اسلام اور خدمت پیغمبرؐ میں کوئی کوتاہی نہیں۔ اور دل آواز دے رہا ہے
 کہ حق کے جادہ پر ہوں تو خدا مددگار ہے، اس کے نبی کا ساتھ دیا ہے تو

انہوں کو مل کر سکتا ہے، امت خوش تھی کہ امام آگاہ تھی، اسلام خوش تھا کہ محمد بن
آلہ عالم فضیل خوش تھا اور ابنا آئی، جنت خوش تھی کہ خالق جنت آئی، خدیجہ
خوش تھیں کہ میرہ راحت جان آئی، رسول اکرم خوش تھے کہ مسیحا نور نظر آئی، زید
خوش تھی کہ سید عالم میں میرے وفد کی کاغذ آئی، مسیح آئی خوش تھا کہ میری منزل
تسلیم کر آئی ملوث،

آئی اور کس شان سے آئی، غافلہ بن کر آئی تو قوم کو جہنم سے نجات دلانے
کا پیغام سنایا، بتل بن کے آئی تو آیت تسلیم کر کے نے ایک عظیم مقبرہ آیا، عذرا
بن کے آئی تو طہارت کو ایک عظمت ملی، صدیق بن کے آئی تو صداقت کو ایک سیارہ اور
باب کو ایک مصداق ملا، نہر ابن کے آئی تو عظمیٰ عالم روح اور مہر ہو گئے، خالق
جنت بن کے آئی تو حوران جنت نے ظاہر بنا کر شروع کر دیا اور وقت طویل نے موت
بجھا کر کو دینے، سیدۃ النساء بن کے آئی تو عورتوں کو رہنما بن گیا، شریعت رسول
بن کے آئی تو امت کو ہمسار بن گیا اور امت کے امتعال کے سہ آئی تو امت اپنا کا
مصداق بن گئی مصلحت

آجے انتظام و اہتمام کے جدید نہ سرپنے کا کہ اگر منصب رسالت و امامت
نہیں ملا تو کہ واد میں کوئی گمراہ گئی، نہیں یہ یہ بھی ایک مصلحت الہی ہے کہ اس نے
خالصہ کو منصب نہیں دیا اور نہ غافلہ کے کمالات و ادھان میں کوئی گئی نہیں تھی،
اور شاید وہ مصلحت یہ بھی ہو کہ اللہ نے باب کو منصب رسالت سے نوازا اور خدیجہ
کو منصب امامت سے سرفراز کیا اور دنیا میں غافلہ سرفراز کو ہر منصب سے الگ
رکھا تاکہ اگر کبھی منصب میں جھگڑے پیدا ہوں اور لوگ منصب کے نام پر اختلاف
کریں، مگر سہل ہوں، مخالف پیدا ہوں، باغی پیدا ہوں، غاصب پیدا ہوں

وہ مصلحت کو دلا ہے، اس کے مذہب کی راہیں قرآن ہی ہے تو وہ قدر دان ہر
نیک و شریک کو رہا ہے عذرا حبیب اپنے وقت میں عورتیں رہیں گی تو کیا ہوگا؟
جنت کوئی نہ دھارے کے کاٹو کیا حشر ہوگا؟ کہ وقت کا دل میں آواز آئی۔ مان
گھڑی کے گاہیں، آجے ابان پر ثابت قدم رہے، خدا بھیان ہے، خسر دار!
کفار کی عورتوں سے مدد نہ لے گا، پروردگار آجی مدد کا انتظام کرے گا۔ خدیجہ
جو تک پڑیں، یکس نے سہارا دیا ہے، یکس کی آواز آئی ہے، یہ وقت دل کو سکون
میں حاصل ہو گیا ہے۔ بچے سرپنے کی کیا ضرورت ہے، بچے فکر کرنے کا کیا
ضرورت ہے، بچے تو یاد ہے کہ جب جناب کا مہر بنٹ اسد پر بد وقت پڑا تھا ان کے
پاس کو کھانا تھا اور وہ خاندان میں نہ تھا انہیں تو جو خدا ان کے انتظام کر سکتا ہے
وہی خدا میرے لئے بھی انتظام کر سکتا ہے، بلکہ عجیب نہیں کہ یہی مصلحت عذرا
کو عرب کی عورتیں قریب رہیں اور خدیجہ مدد کے لئے جنت سے حدیں آئیں
آسمان سے اجرو، مریم، سارہ اور آسیہ آئیں اور سب بن کر میرا لقب
پلائیں، اور میں یہ بچوں کو خدا کی طرف سے ہدایت کے ذریعہ دار کی شان ہی کچھ
اور پوری ہے اور بچے تو ایک انتظام قدرت یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ پروردگار!
میرا لڑکا لڑکھنڈ کاٹو کے فرزند سے بڑا جاتا ہے جس لڑکے کو میں
لوٹے کو پیدا کیا اور رسالت کے گھر میں لڑکی کو آمارا ہے مصلحت،

خدیجہ کرم الخدیجہ جو عذرا نے سوچا تھا، خوران جنت آئیں
مریم و سارہ و خوراء امرا آئیں اور صدیقہ کا ہونک ولادت یا سادات خدیجہ،
وہ کتنی مبارک تھی جنت بن کے گھر مصداق کو تر آ رہی تھی، خدیجہ کی گود
آباد ہو رہی تھی اور ابتر کا طعنہ دینے والے ابتر ہو رہے تھے، اس وقت کا

جن سے ہر کوئی رشتہ ہے، البتہ اگر کوئی شخص ہے جس سے تعلق نہیں رکھتا تو اس سے شکوہ بھی نہیں ہے، جو میرا نہ ہو گا وہ کسی اور کا ہو گا، مصلحتات،

مصدقہ ظاہرہ کے فضائل و کمالات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ انسان کے فضائل دو طرح کے ہوتے ہیں، بعض فضائل اس کے اختیارات و اعمال و افعال سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض کمالات خدا داد ہوتے ہیں جن میں کسی انسان کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ کمالات پروردگار کیوں عطا کرنا چاہے یہ ایک منقول موضوع ہے جس پر بحث کرنے کا محل نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ کمالات مستقبل کے پیش نظر دیئے جاتے ہوں اور یہ ظاہر کرنا ہو کہ یہ انسان مستقبل میں ایک عظیم منصب یا کمال کا حامل ہونے والا ہے، اس لئے ولادت ہی سے اسے غیر معمولی فضائل و کمالات کا حامل بنایا گیا ہے اور لیکن ہے کہ بعض خصوصیات پر بنائے امتحان ہوں کہ کم نہیں تھے اس قدر کمالات عطا کئے ہیں اب دیکھنا ہے تو ان کمالات کی کہاں تک لاچ رکھنا ہے، اور ان کے وقار کا کہاں تک

ظاہر کرنا ہے؟

خال کے طور پر انسانیت ایک شرافت و عزت ہے اور محض انسان کا پروردگار پر حق نہیں سمجھا کر اسے انسان ہی بنایا جاتا، اس کے اختیارات میں تھا کہ وہ چاہتا تو انسان بناتا اور چاہتا تو جانور بنا دیتا۔ یہ اس کے کرم کی بات ہے کہ اس نے انسان کو انسان ہی پیدا کیا اور اسے پیدا لشی طور پر عقل اور ان فکر و فکر، قلب و دماغ، شعور و عقل کی دولت سے سرفراز کر دیا، اب یہ اس کے اختیارات کی بات ہے کہ چاہے ان جوہرات کی قدر کرے اور اپنی انسانیت کا کمال و کرم کے کرامت و شرافت کا مانع اپنے سر پر رکھے یا انہیں خاک میں

دھن پہا ہل نکالے ایک معمول کو وار ایسا بھی رہے جو منصب کے جھگڑوں میں نہ پڑے اور اس کی عصمت ہر منصب دار کے کام آئے، چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب منصب نبوت پر وقت پڑا تو بھی فاطمہؑ ہی کام آئیں اور جب منصب امامت پر وقت پڑا تو اس وقت بھی فاطمہؑ ہی کام آئیں۔

دُنیا اس تاریخی حقیقت کو ٹھکرا نہیں سکتی کہ نبی کے میدان میں اسات پر وقت پڑا تو فاطمہؑ زہراؑ ہی گواہی کے لئے آئی تھیں اور عسک کے مسئلوں میں اس پر وقت پڑا تو فاطمہؑ زہراؑ ہی نے ترجمانی کی تھی اور دنیا پر واقعہ کر دیا کہ اختلاف منصب کا نہیں ہے یہ امت آیت تطہیر کو بھی بھلا چکی ہے اور جو اہل بیت کی پیش کی وفادار نہیں ہے وہ کسی اور کی وفادار نہیں ہو سکتی، مصلحتات،

ولادت کے بعد صدیقہ ظاہرہ اپنے سال بچہ مادر گواہی کے ساتھ یہ مشورہ میں خود بخود ایک عسک بن کا انتقال ہو گیا تو فاطمہؑ کی کمالات کے ذمہ وادہ جناب ام سلمہ کے سر آئی، مگر اللہ رے بے شک کی کوئی اور کہ خود جناب ام سلمہ کا بیان ہے کہ حضور اکرمؐ نے مجھے فاطمہؑ کو نہایت دیکھنے کے لئے مسجک عولے کہا تھا لیکن خدا عطا ہے کہ میں نے فاطمہؑ کے سونپا ہے، فاطمہؑ کو سکھایا ہے۔

یہ ایک غریب منصب دار کی شان ہے، کاش دنیا کو اب بھی ہر شے آجائے کہ جب اس گھرانے کے ہر منصب دار تعلیم و تربیت کے محتاج ہیں، تو منصب دار کیسے ممتاز ہو جائیں گے؟ فاطمہؑ کے کووار نے رسالت کی عظمت کو بھی واضح کر دیا اور امامت کی جلال پر بھی روشنی ڈالی کہ یاد رکھنا چاہئے کہ گھرانے میں ذر رسالت کی عظمت ہے امامت اور اس میں کوئی کم از کم انہیں غور کرنا چاہئے،

اللهم صل على محمد وآل محمد

آپ ارباب نظر و تامل کریں کہ آدم کا رخ کدھر ہے اور کبھی کدھر ہے
کدھر ہے، اور کئی قہج کی بات نہیں ہے، خاک کا رخ رجب کی طرف
ہوتا ہے اور کدھر کا رخ بتدہ کی طرف ہوتا ہے۔ جملہ بات
اور یہ باتیں میں کہتا تو شاید دنیا احتشاد نہ کرتی اور نہ سے مسئلہ
معالفہ اور خطاوت و خاموشی کا نام دے دینی لیکن اسے کیا کیا جائے کہ خود
میں عظم جیہ انسان نہ رہا کرتے ہیں کہ اگر عظماء ہوتے تو میری جیہ قاطعہ کا کوئی
ہمسرد نہ ہوتا۔ نہ آدم نہ خیر آدم نہ آدم و غیر آدم کی دوست دیکھئے، اور
سیدہ کی عقل کا اعلاۃ لکھائیے۔ مجھے خوشی ہے کہ اسے خوشی ہو رہی ہو کہ
انبیاء میں اور ارباب میں، سرسبز میں، صاحبان کتاب میں، صاحبان کلمت میں
کوئی ایسا نہیں ہے جو حالت کا جواب نہ دے سکے۔ اور جب انجاء جواب دے
سے قاصر ہیں تو خدا دسا۔ اور ابھرہ و مریم کا سب سے کچھ لکھ دے، عطا ایک

نیکوئی میں عزیمت مدقظہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف الأنبياء
وآلہ وسلم خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ الطیبین
الطہارین والصلوة والسلام علیہم أجمعین أما بعد فقد قال
الله الخلیف فی کتابہ الکونین

بسم الله الرحمن الرحيم

إِنَّمَا نَحْنُ الْخَلِيفَةُ عَلَى رِثَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

ارشاد جناب اقدس الہی ہے بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اور
ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے

یہاں اس بود کو کہ اس ہدایت کی ذمہ داری جابل اور نادان انسان نہیں دلی بکری
عظیم کا اپنے ہی ذمہ لیا اور انسان کی ذمہ داری غصہ و غریب کو نہ مالک کہتے ہوئے اصول پر عمل
کرے اولے میں کئے ہوئے نظام کے مطابق زندگی گزارا اس میں خود نیا کچھ اور طبع آخرت بھی
مالک کا یہ کرم نہ جرتا تو آج ایک مرسلم بھی اس طرح ٹھوکریں کھاتا پھرتا جس طرح
دنیا کے دوسرے افراد ٹھوکریں کھارتے ہیں۔ صبح و شام قرآن پڑھتے ہیں اور مرض
گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ معاجان فکر و نظر ہیں، مگر باپ عقل و دانش
ہیں، منجھ روزگار افراد ہیں، چاند کی سر کرنے والے ہیں، مرتبہ پر کمزور ٹالنے والے
ہیں، میٹر دیا کہ جو حیرنے والے ہیں، لیکن گیتھی سے خزانے نکالنے والے ہیں، لیکن
انجام زندگی کے اصول و قوانین سے بے خبر ہیں، دنیا کے بارے میں جو تجربہ کرتے
ہیں، کیا پایا ہوتا ہے اور اپنے بارے میں جو قانون بناتے ہیں وہ ناکام ہر جاتا ہے
میں بنا یا تھا قانون شام کو بدل جاتا ہے اور شام کا بنایا ہوا قانون صبح کو تبدیل

ہر جاتا ہے اور بے نہیں ہر جا کہ پہلا قانون زیادہ مناسب تھا یا دوسرا۔
تو تجربہ ہی بتائے گا کہ کس میں زیادہ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے
کہ بعض اوقات دوسرے قانون کا تجربہ ہی واضح کر لے کہ پہلا قانون زیادہ
صحیح تھا اور انسان اس کی طرف پلٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

نظام زندگی کے تفصیلات میں جانے سے پہلے ایک اصولی مثال دنیا کے
فیض کی لے لیجئے، فیض کے پرستار صبح و شام بدلتے ہیں اور ہر تبدیلی کے بعد
ہی دعوئی کرتے ہیں کہ یہ طریق عمل زیادہ مناسب اور عصری تقاضوں کے مطابق
ہے، لیکن چند دنوں کے بعد جب اس کے عہدہ و تقاضے سامنے آ جاتے
ہیں تو اس سے بہتر فیض ایجاد کر لیتے ہیں اور چند ہی دنوں کے بعد اس کا
عیب بھی ظاہر ہو جاتا ہے، تو یہ یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ پہلا ہی انداز زیادہ صالح اور
مناسب تھا، آپ تجربہ کریں کہ انسان نے چند سال کے اندر کتنی مرتبہ انداز بدلے
ہیں اور کس کس طرح اپنے نفس کو دھوکا دیا ہے، کبھی جیت لباس اختیار کیا اور
دنیا کے معاشی حالات کی بہت سی کوئیل بنایا اور کبھی ڈھیلا ڈھلا لباس اختیار
کر کے یہ کوئیل دی کہ جیت لباس میں انسان کام کرنے سے منع ہو جاتا ہے،
اور دنیا کے حالات عمل چاہتے ہیں، کبھی درمیانی راستہ نکالا اور پرسنل دی کہ
گوشتہ و دونوں انداز کو دونوں کے حامل تھے لہذا یہ طریقہ ایجاد کیا گیا ہے
اور بعد میں پھر معاشی حالات یاد آگئے اور پہلے ہی انداز کی طرف بلتے گئے، لیکن
انسانی زندگی تیز رفتاری کا مجموعہ ہے اور اس کی بدلتی ہی یہ ہے کہ کسی فیصلہ کے بعد
یہ نہیں کہ پانا کو بھی لپٹ کر چلے ہے اور اس کے پہلے کے ہر قانون و قواعد
خلف تھے۔

انسان نے دین الہی کو چھوڑ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ اپنا سہارا چاہے جو کچھ کرے اور مسلمان کی کل خوش فہمی یہی ہے کہ اس نے اس بارگاہ الہی کو اپنے لئے نہیں رکھا، بلکہ اپنے مالک کے حوالے کر دیا ہے۔ اسے یہ سوچنا ہی نہیں چلے جہاں سے لئے گیا مناسب ہے اور کیا نامناسب، اس کی یہ دردناک ہی باتیں اور کہ جہاں سے حق میں کیا آدلی ہے اور کیا غیر آدلی۔ ہذا اہم نقطہ ہے جو ہم پر دریافت کر رہا کہ جہاں سے لئے گیا سہارا مناسب ہے اور جہاں سے کالوں میں کون ہے یہ اور بات ہے کہ یہ خوش فہمی بھی انہیں مسلمانوں کا حصہ ہے جنہوں نے یہ کاروبار بدردہ کار کے حوالے کیا ہے اور دین الہی میں اپنی دل آویزی کو دیکھ کر نہیں سمجھتے ان مسلمانوں اور کافروں میں کوئی فہم نہیں ہے جنہوں نے دین الہی کو ہی اپنے خواہشات کا ٹھکانا بنا دیا ہے اور کمال بے قرعی سے اس اعلان پر خوش ہو کر ہم نے حلال فتح کو حرام بنایا ہے اور حرام فتح کو حلال بنایا ہے اور میں تو بہت ہی

کہ یہ حال جس قدر کھڑے منی ہی نہیں تھے اور ان کا ہی خیال تھا کہ اس طرح اختلاف
 مسند حضور مسود کائنات سے ہو گا دور دورہ اسلام سے باخبر ہوئے تو انھیں یہ انداز
 ہوتا کہ یہ آج دورہ و گداز سے دور ہو کر گھٹے کا باغی ڈانڈ اسلام میں نہیں رہ سکتا
 مالک کائنات کے اس کرم کا احساس اسی کی شدید تر ہو جاتا ہے جب مسند
 نوسال کی کمزوری پر شکوہ جاتی ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے قانون کا پاس
 ضعیف و ناتوان بن کر نہیں رکھا اور نہ جب وہ تدبیر کے قریب واقعہ و دل کے اپنی قانون
 ساز سے انصافیت کو لیں تیار و برابر کہہ دیا ہے تو اس کی اجابت و خواہشات
 کی غیر عزت کے ہاتھ میں ہوتا تو کائنات کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا اور وہ کے زمین
 پر کسی اور نظم کے افرا کا آباد ہوتے یہ ایک حکم تھا اس نے مومن کی طرح عزت
 کی دانت کے ذریعہ کی ایسی ہی انھوں میں سکی ہے اس کے مشن ہی وہ ہیں جب
 انھیں شریعت کا نام لگایا تو اس سے ان فرعون بنا کر ایک ایسا قانون کو کھینچا
 جس کا کار و بار کجاست ملک خود ان کے لئے نہیں بلکہ ملک کے لئے اور جسے دیکھ کر
 مالک خداوند فراموش اپنی دنیا کے مومن کو نہ رہا بلکہ اس کے کوار میں
 کوئی شخص نہ ہو گا اس کی زندگی میں کوئی کمزوری نہ ہوگی، آیت قطبیت اس کی
 اہمیت کے تحت لے آیت باقرہ اس کا بعد از کمال و کمال کے آیت موت
 اس کی عظمت و عظمت کا بعد اس کے شہد و ہرگز اس کے بعد کا جیسا پڑے گا
 کھرم سے ہی نہ لگے اس کی سبائی کے لئے آج کے عورتی غصت کے لئے
 انھیں ہی ملے گا وہ ہی ان کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے
 ان کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے
 ان کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے ہرگز اس کے لئے ہے

کے حالات

کچھ کا وہ انداز کو گوارا نہ مل رہا ہے جس کا وہ انداز ہے کہ باپ
کے لئے برابر فرق رکھنے کے لئے، کم از کم عالم کے مال کی سوجھ بوجھ سے، ایسا
کچھ کیفیت کو دین جس سے شرمندہ احسان ہو جائے اور فردوں کی ہدایت کے لئے
جو کام ہیں تو عمر قیوں کے لئے ایک ہی قانون قیامت تک کے لئے کافی ہو جائے۔ صلوٰۃ
اور جب تنہا پڑے صفت کی ہدایت کے ذریعہ ہر اور ترہ مردہ کا فریضہ
کھلے اور اس کے تو ہر ایک کا انداز بھی ہوتا چاہیے۔ اور ہر ایک کے حال و حال کا
برقو بھی ہونا چاہیے، اخلاق میں رسالت کا انداز ہونا بہت ہی استقلال، علم و علم
صبر و شجاعت میں امامت کی خالق منظر آئے۔ جو نے تو ملی معلوم ہو، جو ہے
تو حق کا انداز پیدا ہو، اٹھ کھڑے تو صحت کو ملامت ہو، مگر کہے تو زمین اللہ میں علم
نظر کا علم میں ہر باقر کی شان ہو، صدق میں صبر و صبر کا انداز ہر وقت برکت
پر ہو، کاظم کا رنگ ہو، تسلیم و رضا میں علی کا انداز ہو، تقویٰ کا جیسا ہو، طہارت
تقی جیسی ہو، جلال و غضب میں عسکریت پائی جاتی ہے، ارشاد و ہدایت میں مہدی
کا انداز ہو۔

فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کسی زندگی ایک ایسی ہی زندگی ہے،
آپ کی ذات گرامی بھی ہونے کے رشتہ سے وراثت سے ہی زندگی ہونے کے
اعتبار سے شریک امامت ہے، اور امام ائمہ ہدیہ کے لحاظ سے ہر امام کے کمال و
حکمت کی آئینہ دل ہے، جو کچھ گمان سے ناموس کے کردار سے بھی ظاہر ہو رہا ہے
وہاں پر تو مسموم عالم کا زندگی میں کسی بھی پایا جا رہا ہے اور شاید ہی۔ اور تھا کہ
چند دکان نے بھی کسما کے نیچے زہرا کا شہادت کرایا تو سب سے فرشتوں کا مرکز

بنادیا، ابھرا دلا کی منزل میں بیٹھتا ہے کا میٹر استعمال کر دیا تاکہ ہر جملہ
اوصاف و کمالات کی مصدقہ مرکز قرار پا جائیں
ایسی مختصر غلطیوں میں اسی مصدقہ کو بین کی حیات و شخصیت پر روشنی ڈالنا ہے،
اور یہ دیکھنا ہے کہ مصدقہ طہارہ کی ذاتی شخصیت کیا ہے اور آپ کی خدمت دین و دنیا
تو مروت اور دین کے اسلام و ایمان میں کیا ہیں۔

دعویٰ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ بخت کے پانچویں سال اس دنیا میں قسریہ
لائیں، تقریباً دو برس کی عمر میں کو حیات پینہ اسلام ایک تازہ ترین مصیبت سے
سے دو چار ہوئی، آپ کو بریطان کرنے، آپ کی راہ میں کشتے بچانے والے آپ کے
سرور کو مارا پھینکے والے مشرکین نے برے کیا کہ آپ کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔
جب تک سماج سے آپ کا رشتہ منقطع نہ ہو جائے گا آپ کے تسلیاتی اثرات کو رد نہیں
نہیں ہے، آپ کا مذہب روز بروز پھیلنا چاہا ہے اور آپ کے کردار کی روشنی دلوں میں
گہرا کرتا جا رہی ہے۔ بائیکاٹ کا منصوبہ بنا۔ حجاب البوطاہ پورے خاندان کو
لے کر ایک طار میں چلے گئے، تین سال تک مقاطعة برقرار رہا۔ اور بنی ہاشم
دعوت کے چنے چبانے رہے، نہ کوئی پرسان حال تھا نہ ہمدرد، نہ کوئی ان کے ہاتھ
سامان پہنچنے والا تھا نہ ان کے حال زار پر رحم کھانے والا۔ بالآخر کفار کو خود اپنے مظلوم کا
احساس ہوا اور بندش توڑی گئی۔ آپ باپ و امین خود چھپا سکتے ہیں کو بنی ہاشم کا صبر و
استقلال کیا تھا؟ جہاں ظالم ظلم کرنے سے تھک گیا، مظلوم ظلم برداشت کرنے
سے عاجز نہیں ہوا۔ اس بندش کی روشنی میں مصلحت کا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے اور کربلا کا بھی
ظلم، جبر و تشدد ہی سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور مظلوم صبر و استقلال ہی سے مقابلہ
کرتا ہے، تاریخ نے جان واضح کر دیا کہ کفار و مشرکین کے ورثہ دار ظالم کے خلاف ہیں

میں بھی پر خیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔

ذاتی غفلت کا یہ عالم تھا کہ مصلائے عبادت پر آگئیں تو وہ خانہ عبادت سے
سورہ بگھٹی گئی کے وقت ایک نور ساطع ہوتا اور کچھ وقت دوسرا نور اور غروب کے
بجائے ٹیکسٹور، دیر نور سیر کے منہم روحا نما اور فضیلت کا نور و نور نما دیکھ کر
خود مقرب بارگاہ بن جانا ادا کا کام ہے اور نماز سے کائنات کو منور کر دینا
بنت رسول کی منزل ہے جلالت۔

مساویات و مساوات کا یہ عالم تھا کہ گھر کا کام ایک دن ضد انجام دیتی تھیں
اور ایک دن خود بنفس نفیس یعنی خانہ زہرا میں ایک دن وہ بھی آماجیب کائنات کی
تشریف آوری کی خدمت کرتی تھیں اور دفعہ سکون سے بیٹھتی تھیں۔ دنیا کا کوئی انسان تصور
کر سکتا ہے کہ کوئی تہذیب اپنی فادہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی؟ ہرگز نہیں۔
اس لیے کہ یہ کہتا ہوں کہ یہ اغوار باطنی تھیں دیکھا ہے یا نہ ہرگز نہیں۔ وہاں قبر خالی باس
پنے اور خود بسیدہ و دا اور طبع اور خیال فقہ آرام کرے اور خود گھر کی خدمت
کرے۔ کیا ایسا ماحول بھی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ غلام و آقا کی تعلیم
کا جائے؟ اور کیا ایسا ماحول ہے کہ کوئی غلام و کثیر و آقا سے جدا ہو سکتا ہو
ہرگز نہیں! اور خدا گواہ ہے ہم نے بھی اسی کرم کو دیکھ کر غلامی کا دم بھر لیا ہے
اور ہمیں اعتماد ہے کہ ہم دنیا میں ایسا کرم کی بنا پر غافل ہو جائیں تو ہمارے
لیکن وہ قیامت کے دن اپنے کرم سے غافل نہ ہوں گے، جب ان کا دامن ہاتھ
میں ہے تو جنت بھی اپنی ہے اور کوثر بھی اپنی ہے، خدا بھی اپنا ہے اور رب
بھی اپنا ہے، اسلام بھی اپنا ہے، ایمان بھی اپنا ہے، کسب بھی اپنا ہے
قرآن بھی اپنا ہے اور معجزہ ہے کہ ہم ان کے ہر گئے کو نکل کا ناسخ

اور وارث علی بن ابی طالب اور حسین بن علی ہیں۔

پانچ سال کی عمر تھی جب یہ محاصرہ ٹوٹا، لیکن چند دنوں کے بعد ایک تازہ قیامت
آگئی کہ اوسر غلبہ ابوطالب کا انتقال ہوا اور اہل عہد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ کس
میں تھی اور تنہائی کا صدمہ کیا ہوتا ہے یہ نہ ہرگز ہی کا دل ماننا ہے، لیکن خدا رکھے
ابھی باپ زندہ تھا، تنہا غریب عرصہ کے بعد خیم ہجرت آیا اور غافلہ آٹھ برس کی عمر میں
مکہ منور سے مدینہ منورہ آگئیں، نو برس کی عمر میں سورہ لکے کائنات سے عقد ہوا
دس برس کی عمر میں امام حسن کی ولادت ہوئی، دویس برس سال امام حسین پیدا
ہوئے، ایک سال کے بعد زینب کی ولادت ہوئی اور اس کے دو سال کے بعد
جناب ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اٹھارہ سال تھا جب شکم اقدس میں عرش کی
خسارت واقع ہوئی اور صدیق ظاہر امت کے حاکم کی تاب نہ لا کر اس دنیا
سے رخصت ہو گئیں۔

اٹھارہ سال کی مختصر عمر اور اس میں مصائب کی یہ کثرت کو خود اس نے
حالی کا غریب پرہیزا، پھر پڑھتے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ نہ پڑھتے تو ان کی
طرح تاریک ہو جاتے۔ لیکن کیا کہنا بنت رسول کے صبر و استقلال کا کہ نہ ذاتی
ادب و کمالات میں کوئی فرق آیا نہ خدمت مذہب و ملت سے انحراف منہر پایا
قوم مستحق رہی اور سستیہ ہایت گدا عانیں دینی رہیں۔ دنیا گھر ملانی رہی
اور قائلہ زمین شیعہ ادا کرتی رہی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس شان کا باپ دیکھا کر
اس شان کی ہیں، نہ اس کو دیکھا کہ شہر ہو چکا ہے اس عظمت کی توجہ، اس
جلالت کے بچے دیکھ کر ہمیں اس عظمت و منزلت کی مال، رشتہ کے ساتھ
فضیلتیں سیدہ کے گھر کا طواف کر رہی تھیں اور لہجوں کے ساتھ غلغلیں فاطمہ کی

اپنے بے مصلوات،

کردار کی زندگی کو دیکھا تو یہ عالم نظر آیا کہ رسولِ عظیم نابینا صحابہ کے ہر ایک کے گھر آئے ہیں۔ دروازہ پر رک کر اجازت مانگتے ہیں۔ بیٹھنے پر عرض کیا بابا! یہ گھر آپ کا گھر ہے اور یہ سیدہ آپ کی خاتون ہے، اجازت کا کیا سوال ہے؟

رسولِ عظیم نے پھر اجازت مانگی، سیدہ نے عرض کی بابا! یہ آپ کا گھر ہے، آپ کا گھر ہے، فرمایا بیٹھو! میرے ساتھ ایک نابینا صحابی بھی ہے۔ عرض کی بابا! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میرے پاس ایک چادر ہے جس پر چھپائی ہوں تو جیر کھل جاتے ہیں، پیروں کو ڈرنا تھا، ہوں تو سر کھل جاتا ہے۔

کیسے جاننے دوں؟

جی چاہتا ہے عرض کروں، بی بی! وہ صحابی نابینا ہے، آجائے دیکھئے۔! سیدہ فرمایاں گی، صحابی نابینا ہے میں تو نابینا نہیں ہوں، میں یہ پسند نہیں کرتی کہ میری نگاہ ناہرم کے چہرے پر پڑے اور اسی حقیقت کا اعلان اس وقت کیا تھا جب کہ سیدہ اسلام نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ عورت کے لئے سب سے پتر شے کیا ہے؟ اور لوگ جواب کی منزل میں لباس، زیور، آرائش، آرائش کے بارے میں سوچ رہے تھے اور مولائے کائنات بیتِ النور میں آئے تھے تو سیدہ نے عرض کی تھی یا ابائے بنی ہاشم! کھدینکے کہ عورت کے لئے سب سے بہتر شے یہ ہے کہ زنا اس کی نگاہ ناہرم پر پڑے اور زناہم کی نگاہ اس پر پڑے۔ اور پتر شے یہ ہے کہ عورت کو گھر سے نکال دیا جائے۔ بے شک رسول کی بیٹی کا کردار ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جس کے گھر میں ناہرم کی نگاہ نہ پڑے۔

کے قریب ایک بی بی! آپ تو مصروف ہیں آپ کے یہاں یہ اسکان کہاں ہے کہ آپ کی نگاہ کسی ناہرم پر پڑ جائے، آپ نابینا صحابی کو آجائے دیکھئے! عجیب نہیں شہزادی فرمائیں۔ بیشک میرا کردار ایسا ہی ہے، لیکن میں امت کے لئے ایک درسِ ہدایت اور نور عمل فراہم کر رہی ہوں اور دنیا کو متاوینا چاہتی ہوں کہ جو اس مسئلہ کو برا کہہ سوتے ہیں ان کے دھم دھم ہو اور جو اس مسئلہ کو برا کہہ سوتے ہیں ان کے دھم دھم ہو۔

اس مقام پر مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ صمیم ترمذی کی روایت کے مطابق اس اخذ سے ایک مرتبہ رسول اکرم اپنی ایک زوجہ کے گھر آئے تھے اور جب زوجہ نے بھال محترمت داخلہ کی اجازت دیدی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ میرا ایک نابینا صحابی بھی ہے، تو زوجہ نے کہا تھا، کوئی مضائقہ نہیں ہے وہ تو نابینا ہے۔

مجھے کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے، راقعات دونوں آپ کی نگاہ کے سامنے ہیں، اب اگر کردار کا فرق سمجھنا چاہتے ہیں تو یوں سمجھئے کہ بیٹی مصروف ہے اور کہہ رہی ہے کہ بابا! وہ نابینا ہے، میں تو نابینا نہیں ہوں، اور زوجہ غلبہ تصور ہے اور کہہ رہی ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یعنی جس مسئلہ عصمت پر رسول کی دخترِ فائزہ تھی، وہ منزلِ عصمت زوجہ کے تصور میں بھی نہیں تھی، اور دنیا جانتی ہے کہ عمل ہمیشہ تصور تصدیق سے قوی ہوتا ہے، جس کا تصور ہی ذہن میں نہیں ہے، اس پر اس کا عمل یوں کہہ سکتا ہے، دخترِ بنیہ آواز دے رہی ہے۔ سلام! اب میرے کردار کی بنیاد میں کو بیچاؤ کو میں جس مسئلہ عصمت پر قائم ہوں وہاں

عزیزانِ محرم! یہ ہے جنابِ مسیحہ کی عظمت اور یہ سیٹہ فاطمہ زہراؑ کے میان کی اہمیت کہ اگر بچوں کی تسبیح کے لئے بھی کوئی فقرہ کہہ دیں تو جنت کھینچ کر دے زمین پر آجائے۔ اب کون اس زہراؑ کی عظمت کو پہچانے گا کہ یہ بلند ہی ہے کہ سلام کرنے کے لئے جگہ آتے ہیں، کچرے دینے کے لئے عنوان آتا ہے، خدمت کرنے کے لئے جبریل آتا ہے اور سجدہ کرنے کے لئے ستارہ زہراؑ آتا ہے۔

آپ نے پہچانایہ کون تھا۔ ۹۔ پیر خزانِ جنت تھا جس کی کلاں سی کاوندی جسکر
آیا تھا۔ اور بچوں کے لئے جنت سے کپڑے لایا تھا۔ میں کہوں گا: خزانِ جنت نے
اچھا کیا کو کپڑے لے آیا، زہرائی بات بکراہ گئی اور بچوں کی عید کا سامان بھی ہو
گیا، لیکن خزانِ تیری عصمتِ غطرے میں پڑ گئی، معصوم جھوٹ نبینا اور تو
دشمن ہو کر اپنے کووندی کہہ رہا ہے۔ اللہ نے مجھے خزانِ جنت بنا دیا ہے تجھے

آہر ہے، عرض کی۔ ابا الحسن! یہ آپ ہی نے تو بھیجے ہیں آپ نے انہی مسائل کے حوالے کر دیے اور پردہ نگار نے جنت سے انار بھیج دیئے۔ اللہ کے اہل خاص علیہ جو عمل کیا وہ خدا کو پسند آیا، جو انار کیا وہ راہ خدا میں قبول ہوا، انگوٹھی دی تو آیت آگئی، انار دیا تو طبق جنت آگیا، ردیاں دیں تو سورہ ہل اتی آگیا مال دیا تو انفاق و انبار کا قصیدہ پڑھا گیا اور جان دی تو مرغی بردہ و گلہ کا سودا کر لیا۔ مسلمات،

معصومہ عائشہ کی حیات میں ایسے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن آپ کی عظمت کو دربار پر روشنی پڑتی ہے لیکن تمام واقعات کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ مشہرہ عداوت کے سلسلے میں چند فقرے عرض کر کے بیان کو آخری منزل تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔

دنیا یہ سوچتی ہے کہ ایک عورت کسی مذہب کی کیا خدمت کر سکتی ہے اور اس کے امکان ہی میں کیا ہے؟ پھر عورت بھی اگر سیدہ عائشہ جیسی خاتون ہو کہ گھر سے باہر قدم نکالنا ممکن ہو، قوم و ملت کی خدمت کے لئے میدانِ عمل میں آسنا پڑتا ہے، گھر میں رہ کر کوئی خدمت نہیں کی جاسکتی لیکن اگر باپ کرم، معصومہ عائشہ نے اپنے کردار سے واضح کر دیا کہ ایک عورت اپنے دائرہ عمل میں رہ کر بھی بہت کچھ خدمت انجام دے سکتی ہے عورت کا کام سیراز اہر گھومنا نہیں ہے، خدمت کا کام خدمت خانہ ہے اس کا میدانِ عمل گھر کی چادر دیو لاری ہے۔ ایک عورت اپنی تربیت سے صالحہ نسل پیدا کر دے تو وہ ان لاکھوں عورتوں سے بہتر ہے جو خود میدانِ عمل میں رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت سے بول غافل ہو جاتی ہیں کہ

معصومہ عائشہ کی زندگی کا وہ واقعہ بھی یاد رکھئے کہ مولائے کائنات کے شہداء اصرار پر آپ نے ایک انار کی فرائش کی۔۔۔ اور مولائے انار لے کر چلے تو راستہ میں ایک غریب عریض کو دیکھا، اس نے انار کھانے کی فرائش کی اور آپ نے انار اسے کھلا دیا، اور گھر کی طرف اس عالم میں چلے کہ سر جھکا ہوا ہے، بنت رسولؐ نے سبکے اصرار پر ایک فرائش کی تھی اور میں اسے پُردا نہ کر سکا، دل کو یہ سکون فرود تھا کہ سیدہ واقعہ کو نہیں گ تو خوش ہو گئی، سیدہ کا مزاج خود بھی یہی ہے۔ بنت رسولؐ کا نذرہ یہ عالم ہے کہ باپ کے گھر سے شادی میں ایک لباس ملا تھا اور جب شب عروسی کسی سائل نے اگر رسولؐ کو لیا تو وہ لباس بھی اٹھا کر دیدیا، پہلا سیدہ کے ناما میں ہونے کا کیا سوال ہے اور یہاں شکوہ کی کیا گنجائش ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ میں تو بنت رسولؐ کی فرائش کو پُردا نہ کر سکا۔ میں تو نام نہ لا سکا۔ یہ سوچتے ہوئے در سیدہ کی طرف چلے، اُدھر جب میں این طبق اندر لیکر بن سیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اے معصومہ!۔۔۔ سائل کے آنے سے پہلے یہ انار سیدہ کے گھر تک پہنچا دیتے تھے آپ کی بیٹی نے فرائش کی تھی، علیؓ نے انار رسائل کے حوالے کر دیا، پیغمبرؐ نے انار مسلمان کے حوالے کر دیا، مسلمان در سیدہ پر لائے معصومہ عائشہ نے پوچھا: مسلمان! یہ انار کہاں سے لائے؟ عرض کی۔ آپ کے بابائے بھیجے ہیں، فرمایا: بابائے کون بھیجے ہیں؟ عرض کی: جیڑن امین لائے ہیں۔ آپ نے مولائے کائنات سے فرائش کی تھی، انہوں نے انار لیا لیکن غریب سائل کے حوالے کر دیا، اللہ نے اس کے صلے میں یہ انار بھیجے ہیں کہ آپ کو انار بھی مل جائے اور علیؓ کی بات بھی رہ جائے۔ مسلمات،

معصومہ عائشہ کی خوشی کا عالم نہ پرچھے، اُدھر مولائے کائنات بیتِ افرات میں داخل ہوئے، سر جھکائے ہوئے، فرمایا: بنت رسولؐ! یہ انار کی خوشبو کہاں کی

بڑے سکون اس منزل پر ہے کہ جہاں بڑے بڑے انسانِ حق سے ڈر کر رویا کرتے ہیں وہاں میں
انفسِ مطمئن کا اظہار کرتی ہوں۔

یہ اگر عقیدہ برائے حق نہ ہو تو نہ ہی بھروسہ ہے کوئی فرائض نہیں کی اور دنیا کی خواہش کو پٹا
دیا کہ غم سے فرائض کرنا عورت کی کمزوری ہے اس کا کمال نہیں ہے اور ساتھ ساتھ
مردوں کو بھی سکھا دیا کہ میرے غم سے ہر طرح گھر کا خیال رکھو، تاکہ زوجہ کو فرائض کرنے
کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اُمید کا میدان آیا، میرا باپ زخمی ہو گیا، سارے مسلمان ساتھ چھوڑ کر چلے گئے
لیکن باپ کا خدمت کے لئے میں پہنچ گئی اور میں نے زخم کی مرہم بھی کی، کلو سب نے
بڑھا تھا لیکن کام میرا ہی گھرا کر آیا۔ میدان میں دفاع میرے طور پر ہی کیا اور گھر
میں باپ کا علاج میں نے کیا۔

مباہرہ کے میدان میں عزتِ اسلام بھالنے کے لئے میں ہی اپنے باپ، خورشید
اور بچوں کے ساتھ گئی تھی، اسلام میں ہزاروں خواتین تھیں خود سیکر باپ کے گھر
متحدہ راج تھیں اور ایک سے ایک باکمال اور صاحبِ فضا تھیں لیکن اسلام
کے وقت پر سیکر ملا وہ کوئی کام نہیں آتا وہ میں ہی تھی جو اس خانے سے نکلی تھی
جو آگے آگے فوت، پیچھے پیچھے امامت اور درمیان میں عصمتِ بکری، منکسر
دیکھنے والے عین شہر سے دیکھ رہے تھے کہ عصمتِ بنت کے نقشِ قدم پر چل رہی
اور امامتِ عصمتِ بکری کے قدم پر قدم چائے ہوئے ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر بھی میں اپنے بابا کے ہمراہ تھی اور میں نے وہ منکسر
دیکھا ہے جب سیکر ختم ہر کی ولایت کا اعلان ہو رہا تھا اور مسلمان اس وقت
پر مٹا بجا دے رہے تھے اور اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے میں بابا کے انتقال

جس شخص نے پایا ہے سب اولاد نے تباہ کر دیا ہے، سستیہ عالم کو یہ کہنے کا
حق ہے جو میں نے گھر کے اندر وہ کردہ نسل کا ناسات کے حوالے کی ہے جس کا کوئی
جواب آج تک نہیں پیدا ہو سکا۔ سیکر بچے معصوم اور امام تھے تو وہ بھی جان
کانات تھے، اور غریب معصوم تھے تو وہ بھی مدحِ عالم تھے، کیا تم نے نہیں
دیکھا کہ سیکر معصوم بچے نے دین کو بھال لیا تو میری نورِ نظرِ بنت نے میرے عزیز
کے مقصد کا تحفظ کیا، میری صالح اور صحت مند تربیت نہ ہو تو ہجرِ معصوم
میں میری بیٹی بھی ہوش کھو بیٹھتی لیکن یہ میری آغوش کا فوٹو تھا کہ معصوم بچے
کے اندر زینت کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔

میری خدات کا جائزہ لینا ہے تو دیکھو کہ میری ماں عرب کی سب سے
بڑی والدہ عاتقہ تھی اور میں نے زندگی بھر تانے کٹے اہم نے امت کی پرورش کو ضروری
سمجھا ہے اور اپنے لئے نلے ہی مناسب کئے ہیں۔

ماں کے انتقال کے بعد قیمتی کا صدر رہا لیکن مدبرِ استقلال میں فرق
نہیں آیا اور باپ کی بڑی خدمت کی کو بابا نے کئے اپنا ماں کو کہ بچہ ناشر دے کر
دیا، لیکن سیکر باپ کو بھی کی کتب ملی ہے تو مجھ سے اذان کی الفت ملی ہے تو مجھ
میں بیک وقت آواز بھی ہوں اور فاطمہ بھی اس رشتے کو ختم نہ سمجھو گے اسے صلِ معظم
کہتے ہیں تم تو ابراہیمؑ اور بنتِ اسدؑ کا احسان دیکھو سیکر تو میرا احسان کیا کھو گے۔

بابا نے حجتِ فرائض میں اسی گھر میں رہی جہیں علیؑ آرام فرما رہے تھے، پیر
کوئی مولیٰ ابتداء تھا کہ کسی کے عالم میں ہی نے کوئی فرما دیا نہیں کی، گھر گھرا رہا۔
ظہار کی جگہ رہیں، بڑے چکے رہے اور میں سکونِ دامنِ جان کے ساتھ گھر میں بیٹھی رہی
میری منزل کو یوں بھی تو تصورِ ظلم کیا میں مفہم کو دیکھ کر کہیں نہیں گھبراؤں، سب

دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

عزیزو! میں صبا میں گئی تو مجھے جھٹکا ہوا ایک اور بے گناہوں کو روک دیا گیا،
میں نے باپ کے ابد صوف ۵۵ دن زندگی گزار دی ہے لیکن یہ ۵۵ دن میرے لئے بھلا سال
بن گئے اور میں مصیبت پر بیٹھ کر دعا کرتی تھی کہ پروردگار اب مجھے دینا سے اٹھالے
زیر نگاہ نہ رہنے کو ہی نہیں چاہتا۔

عزیزو! ایک لمحہ کے لئے سر جو، کوئی ماں اپنے گمن بچوں کو چھوڑ کر مرنا
چاہتی ہے، کوئی خاتون اٹھارہ برس کی عسہ میں موت کی تمنا کرتی ہے۔
کوئی عورت اپنے وارث کو بحکم معائب میں روتا چھوڑ کر جانا چاہتی ہے
لیکن ہائے بھر پر وہ وقت پڑ گیا تھا کہ میری زبان پر دعائے موت کے سوا کچھ
نہیں تھا۔ پروردگار میں اس اذیت کے لئے بددعا نہ کروں گی، میں اپنی ہی موت
کی دعا کر رہی ہوں۔ آفر وہ وقت بھی آیا جب میری دعا قبل ہوئی اور میں نے
زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بچوں کو ہلاک و صلا کو مسجد کی طرف بھیجا یا اور حجرہ
عبادت میں جا کر مشغول بندگی پر درگاہ ہو گئی، میں نے اس وقت کو یاد کر دیا کہ میرے
بچوں کا خیال رکھیں، میں نے ابوالحسن سے وصیت کر دی کہ میرے گمن بچوں کا خیال
رکھیں، میں دینا سے رخصت ہوئی تو سارے حقوق ادا کر کے گئی اور کوئی حق اپنے
اترے کو نہیں گئی۔

جی چاہتا ہے عرض کروں، ہاں شہزادی آپ نے جملہ حقوق ادا کر دیئے
لیکن بی بی! ایک لمحہ کے لئے مکرر دیکھئے آپ کے بچوں پر کیا گزرتا ہے آپ تو
دنیا سے رخصت ہو گئیں، نہ اس دنیا کی حالت تو دیکھئے، خدا ابھی غضب و
ام کلوثم کا تر پنا تو دیکھئے۔

کے بعد حکومت میں ساری تھی اور میں نے اعلان کیا تھا کہ کل کے بیوت کرنے والے
کے حکم کس طرح بن گئے؟

میں نے ایک پوری صفت کو زندگی کا سلیمت سمجھا یا ہے، بیٹی کا برتاؤ
ماں باپ کے ساتھ، زوجہ کا برتاؤ شوہر کے ساتھ، ماں کا برتاؤ
بچوں کے ساتھ، عزیز کا برتاؤ مسترز کے ساتھ، یہ سارے صفات
میکر کردار میں ملیں گے اور اس کی مثالیں ذریعہ کے کردار میں ملیں گی
نہ سارہ کے کردار میں، نہ تھا کی زندگی میں ملیں گی نہ احسبہ کی زندگی
میں۔ اور جب وہ پاکستہ زندگیاں اتنی مثالوں کو پیش کرنے سے
قاہر ہیں تو امت کی غیبہ معلوم عورتوں کا کیا ذکر ہے؟

لیکن چاہئے والو! اس دینا نے میسر ساتھ کیا برتاؤ کیا، یہ بھی یاد
رکھئے کے قابل ہے۔ ابھی میسر بابا کا آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ میرے چہرے
پر غصہ کر لیا گیا، میسر وہ مازے پر آگ اور بھڑکیاں جمع کر دی گئیں اور
مجھ سے کہا گیا کہ مٹی کو باہر نکالو، درز گھر میں آگ لگا دی جائے گی،
میں کہتی رہی کہ اس گھر میں رسول کے چھوٹے چھوٹے ذراے حق و حقیقت بھی
ہیں، لیکن جواب ملا کہ ہم سب کو جلادیں گے اور بالآخر گھر پر وہ ظلم ہوا کہ میرا
غصہ خنبد ہو گیا، میرا پہلو شکستہ ہو گیا، میری ہڈیاں ٹوٹ گئیں، میں
خاک ہو گئی۔ اب جو ہوش آیا تو میں نے اپنے وارث کے گلے میں
رہی دیکھی۔

آواز دی! ابوالحسن کو چھوڑ دو، درز سر کے بال پریشان کر دہنگی
مسکو بنیہ کی دیوار میں بلند ہو گئیں، کائنات میں زلزلہ آگیا، لیکن ظالموں کو

ہے ساتے نہیں تھیں کے باہر نہ دیکھ سکے گا۔
 میں کہوں گا مولا! میں کو آجائے دیکھے، ابھی زینب کے سر پر چادر ہے۔
 میں سہائی سے رخصت ہوتے، مولا! تھوڑی دیر کے بعد کیا ہو گا جب آپ کا سر
 سے جدا ہو جائے گا، قبروں میں آگ لگے گا، سیدائیاں ایک قبر سے
 دوسرے قبر کی طرف اور آفریں جلتے قبروں سے اس شان سے باہر نکلیں گی کہ
 سر کے بال بھرائے ہوئے، صفہ پر طائفے مار رہی ہوں۔ کاشکاء
 اَمَّا هَا طَحِيْنَا

اِنَّا لَشَيْءٌ ذُرِّيَّتُ الْاِسْمِ مَا جَعَلَتْ
 وَصِيَّتُكَ الَّذِيْنَ ظَنَرُوْا اَنْ يُّنْقِضَ عَهْدُكَ



مولا! ہر سب کچھ دیکھ رہی تھیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب مٹی نے سب
 سے کھانہ کھاتے کو جواز نہ مل سکا اور بچوں کو اولاد دی، بچہ آڈاں کا کھڑی
 رہا کہ مولا! اور شہزادوں نے پابندی کھڑے ہو کر ماں کو عزت سے سلام کیا اور آواز
 دی کہ: اے مائے قانات! ہو تو ہذا سلام کہنے کا اور کہنے کا ہم نہیں ہو گئے، ہم
 دنیا میں غریب ہو گئے، قادیان میں زندہ نہیں ہو گئے، نہ ہر اکے ہاتھ بڑھے، بچوں کو گلے
 سے لگایا، اے میرے بچہ! میں سامنے موجود ہوں اور تم غربت کا نام لے رہے ہو
 مجھ سے یہ کیسے برداشت ہو سکے گا۔ مولا نے قانات آگے بڑھے، بچوں کو لاش سے
 جدا کیا، سر پر دست شفقت پھرا میں کہوں گا۔ عزادار واجب قبروں کو لاش سے
 جدا کیا جائے ہے تاہم یہ شفقت و محبت سے جدا کیا جاتا ہے۔ مگر اے سکندر
 باب کی لاش، شہر کا تازیانہ، بی کا قہر، زمین کر بلا کا زلزلہ، زینب کی فریاد، کون صحابہ
 بنی کہ نسکین دیتا، سہائی زنجیروں میں بھر دیا، مال میں بستی، ہر طرف دشمنوں کا ہجوم
 ہر جہت سے نعرہ زنی کا، عجب ہیں لاش حسین کو جنبش ہوئی ہوا در آواز آئی
 ہو۔ بڑی سچیں یہی لال، جبر کو بھی صبر۔

عزادارو! میں اپنا بیان تمام کر دیتا لیکن ایک جملہ اور کہنے کو ہی چاہتا
 ہے۔ کہن سے کہن اور کیوں کہ کہوں۔ آئے معزز عالم سے فریاد کریں، بابا! آپسے
 حسین کی زبان سے غربت کا نام نہ سنا گیا، اب خدا معزز عالم کو بلا میں آئے۔ ہائے
 وہ معزز عالم، وہ حسین کا غریب سجدہ، وہ شہر کا زلزلہ، وہ مائے قانات، وہ مائے
 قانات کی بارش، وہ تیز آندھیاں، وہ آفتاب کا جھنڈا اور وہ ہندی سے ایکسپریز
 کی فریاد۔ تیرے سجدہ میرا تیرا لہجہ ہے اور تو کھرا دیکھ رہا ہے۔ اور اے
 مجھ میں وہ حسین کا اخلاص، زینب! وہ ایس جاؤ، ابھی سہائی زندہ ہے، حین

جناب امام حسن علیہ السلام

حسنؑ :
عقبی، زکی، وغیرہ :
ابو محسنؑ :
حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ :
جناب فاطمہ زہراؑ :
۱۵ اررمضان المبارک شہرہ مدینہ منورہ :
کیزوں سیت ۶۴ :
جناب قاسم، حسن مشق، مجد اللہ وغیرہ ۱۵ سے ۲۲ تک :
۲۸ صفر شہرہ مدینہ منورہ :
۴ سال :
بجنت البقیع :
سر

بہی پشت مضبوط کر کے، حیرت کی بات ہے کہ موسیٰ بنی امیہ اور ہارون ان کے ذمہ،
بنی اپنے وجود کی ہایت کی منزل میں ناکافی کھ رہا ہے اور ایک وزیر کی ضرورت
محسوس کر رہا ہے اور بغیر اسلام کے ناز میں وہ انتظامیہ یا کو بھی کے اسٹے ہی
کتاب کافی ہو گا اور غلطی کے وزیر کی ضرورت نہ رہی۔

کاش کوئی ہزار جو موسیٰ سے کہتا: بنی خدا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں ایک
نہی کے لئے باعث تو یہی ہے کہ وہ منزل قبیلے میں کسی دمی یا وزیر کی ضرورت
محسوس کرے، آپ قرین لے جائیں، اللہ آپ کی مدد کرے گا۔ بنی کو خدا پر سہوہ
کڑا چاہیے۔ وہ وزیر کا کیا ضرورت ہے، لیکن جناب موسیٰ اور انہوں نے کہ
انہی کی مصلحتوں کو تو نہیں سمجھ سکتا، اے ہم بہتر جانتے ہیں کہ کس وقت کس چیز کی
ضرورت ہے۔ وہ پتیرے کہنے کی بات نہیں ہے۔

یہ عرض کر دیں گے کہ ابھی نبوت پر کیا ایسا وقت آ سکتا ہے، جب بنی
دوسرے کے بغیر اپنے وجود کو ناکافی سمجھے اور دمی کے وجود کو اپنے وجود کی تکمیل
قرار دے۔

یقیناً ایسا ہی ہے اور ایسا نہ ہوتا تو موت و الحاق میں دو چار کی
جسمہ ہوتی اور نبی اکرم اپنے اعتبار پر احباب اسلام کو دیتے، فرقہ واریت سے کہ
موسیٰ کو اپنے ہارون کی ضرورت تھی اور شیعہ اسلام کو اپنے ہارون کی ضرورت
ہے اور اسی وجہ سے تو بنی ہاشم نے مجاہد خا یا علی سید اور تمہاری ہی نسبت
ہے جو موسیٰ اور ہارون کی تھی فرقہ واریت ہے کہ مسیح بد کوئی بنی نہ ہو گا ہارون
کو مرتبہ نبوت بھی ملا تھا اور تم بنی نہ ہو گے، باقی جملہ ہارون کی صفات و کمالات تھیں
اور بطور نبی ان کی پائے جاتے ہیں۔ آپ اے شخص اور کور و عیہ و کس، ہارون کو

چوتھی منزل داستان عظمت الامام حسن مجتبیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء
والمرسلين خاتم النبيين سيدنا و مولانا ابى القاسم محمد
والله الطيبين الطاهرين ولعنة الله على اعدائهم اجمعين
اما بعد فقد تال الله الحكيم في كتابه الكريم،

بسم الله الرحمن الرحيم

اِنَّ مَعَنَا قُوَّةً غَيْرَتِ لَنَا لِلْاُخِرَةِ وَالْاُولَى

اور شاہد احادیث ہر تہے، بے شک ہایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے
اور دنیا و آخرت کا حلیہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

تاریخ انسانیت کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب مالک کائنات نے
ہایت کا انتظام نہ کیا ہو اور عالم بشریت کی رہنمائی کے لئے کوئی ذکوہ بادی ادا نہ کیا
نہ زمین کیا ہو نہ تاریخ خود گواہ ہے کہ اس نے ضرورت و حالات کے مطابق ایک ایک دور
میں متعدد ہادی اور راہنما بھی مین کئے ہیں اور کوئی قریر، کوئی شہر کوئی لہجہ
انہیں پھر مڑی جہاں دنیا بادی اور راہنما بھیجا ہو تفصیلات میں یا زمین قرآن مجید
خود گواہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد راہنما رہے ہیں اور اپنے اپنے حالات
میں ہایت کا فرم انجام دینے رہے ہیں، بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک
ہی علامہ میں متعدد راہنما بھیجے گئے، اگر قوم ایک کی آواز کو ہر امیں اڑا دینا چاہے
تو دوسرا تاکید کرنے کے لئے موجود ہے۔ جناب موسیٰ اور جناب ہارون کا دامن کے
نہیں سلیم کہ پروردگار عالم نے فرعون کی ہایت کے لئے دونوں کو ایک ساتھ بھیجا
اور موسیٰ نے خود بھی پر مظاہر کیا کہ پروردگار مسیح سہائی ہارون کو میرا وزیر بنا کر

امام افضل خوش، ادھر سہا خوش، ادھر سرور کا نات خوش، ادھر حسن خوش
 ادھر اللہ خوش زمین سے آسمان تک خوش کا عالم ہے۔ لاکھ بار تبارک و تعالیٰ
 اے ہیں عورت دجہ میں جہنم میں ہیں، جنت سبحانی جا رہی ہے، کوڑے کا
 پانی درخت سے مرجیں نکل رہا ہے، نہر کو لاؤ لاؤ لاؤ لاؤ علی کو دین لا۔ حق
 کو دانت لاؤ، ان کو مفسر لا۔ اسلام کو نماز لا۔ عزم خدا کا پاسبان لا۔ دین الہی
 کو بچان لا۔ امام افضل کو تفسیر ہی۔ جنت کو سفر لا۔ جہنم کو قندم لا۔ عرض الہی
 کو گوارہ لا۔ زمین کو زیت کی۔ دریا کو روغن کی۔ بیت رسالت کو طہات کی۔
 امت کو صلح لا۔ الہی نعمت کو صدق الہی رسالت لا۔ صلوات،

اسلام بڑا کھڑے دیکھئے میں قبیلہ کریمہ انوارش کی خدمت میں لایں حضور
 فرزند مبارک چرا سرکار نے ایک نظر غور سے دیکھا اور تیریاں پرل ڈال کر بولے۔
 اسما، یہ تیرہ بچے میں بڑا بیٹا، میں نے سچ کیا تھا کہ بڑا کورڈ بچے میں رہیگا جاتے
 اہل اور کریمین اور صحابہ کرام میں بچہ کو بیٹ کر سرکار دو عالم کی آغوش میں دیر پا
 کیا جس کو جان کی گلی، دل کو قرآن مل گیا، بچوں کو خیریں مل گئی، گلستان کربا لہاں
 مل گیا، غور کو گلوں کی گلیاں، اور نور کو نور مل گیا۔ صلوات،

میں اپنی جان کا حضور نے مجھ پرے کی مخالفت کیوں کی اور بچہ کو خیر
 پھرے میں لپیٹا اور فرود کیا تھا، جنت کی مصلحت بتا رہا تھا ہے، اتنا ضرور
 کہ میں آئے کہ شاید حضور کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ میرے بچوں پر دنیا
 کا کوئی رنگ نہیں پڑھ سکتا، برائے کے رنگ میں رنگ کر آئے ہیں اور یہی وہ رنگ
 جو انہیں رنگین کپڑوں کی ضرورت بھی ہوگی لہذا ان کے رنگ کام نہ آئیں گے بلکہ
 آسمان سے جہنم آئیں گے، کوڑے پانی آئے گا، جنت سے رنگ آئے گا

نہت ضروری لیکن موسیٰ کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھ گئے اور پورے بارہوی
 کو اٹھانے کا ایک دن بھی نہ آیا اور علیؑ پیغمبر اسلام کے بعد سجدہ مذہب اور
 وصایت و وزارت کے رشتہ سے پورا کاروبار نبوت سنبھالے رہے، جب ہی تو
 پیغمبرؐ خدیجہ کے میدان میں اعلان کیا تھا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا یہ علیؑ
 مولیٰ ہے۔ صلوات،

موسیٰ اور ہارون کے رشتہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بحث کی طرف
 اشارہ کرونا چاہتا ہوں کہ پروردگار عالم نے اس رشتہ کو اس قدر مضبوط بنا کر
 تباہ نام بھی فرق نہیں رہنے دیا، چنانچہ اس موقع کو یاد کریں جب سکے کے
 وسط میں جناب ام الفضل نے یہ خواب دیکھا کہ رسول اکرمؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا
 دن اقدس سے جدا ہو کر میری گود میں آ گیا ہے اور گھبرا کر پیر کی خدمت میں
 حاضر ہوئی۔ حضور! اس خواب کی تفسیر کیا ہے، مجھے تو بے حد وحشت عرس
 پہنچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ام الفضل گھبراؤ نہیں، یہ وحشت کی منزل نہیں ہے،
 مسرت کی منزل ہے، مغرب میری بیٹی فاطمہؑ کے یہاں ایک فرزند متولد ہونے والا
 ہے جو میرا بڑا جسم دیکھ کر ہلکا اور تھاری آغوش میں رہے گا، ام الفضل مسرت
 سے مجھ انہیں اور وقت کا انتظار کرنے لگیں، یہ میرا مقدر کہ رسولؐ کا چارہ
 جسم دیکھ میری آغوش میں رہے۔ زہراؑ کا لالہ میری گود میں پرورش
 پائے

خدا کے فضل سے وہ وقت بھی آیا جب ۱۵ اہ مبارک کی صبح کو صدیق اکبرؑ
 فاطمہؑ زہراؑ سلام اللہ علیہا کے یہاں حسنؑ محسنؑ کی ولادت ہوئی، اور ام الفضل کو
 اپنے خواب کی تفسیر ملی، مسرت کا عالم نہ پہنچے، ادھر زہراؑ خوش اور مسرور

ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ ہمارے نام بھی آسمان سے نازل ہوتے ہیں تو ہمارے کمالات کا کیا ذکر ہے یا یوں کہا جائے کہ جب ہم برائے ناکھوں دنیا کے کمالات ہیں تو منصب و کمالات میں کس کے کیا محتاج ہوں گے۔ مصلوات۔

نام ملے ہو گیا، بظاہر غیب کا ترجمہ حسن ملے ہوا لیکن باب کرم اللہ وجہہ لہذا اتفاق ہے کہ ترجمہ اہل سے زیادہ نکلا۔ غیب تو ہارون کے فرزند کا نام رہ چکا تھا لیکن حسن تاریخ میں کسی کا نام نہیں ہوا تھا اور اسی لئے تاریخ کو اعتراض کرنا پڑا کہ حسن و حسین دونوں نام فرائد رت میں محفوظ تھے جنہیں پروردگار عالم نے اپنے نبی کے نواسوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔

لفظ حسن کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو کبھی عربوں کے ذہن میں نہ آیا ہو یا اس کا استعمال زبان عرب میں نہ ہوتا۔ ہاں، یہ لفظ استعمال ہوا اور سیکڑوں مرتبہ سماج کی نظروں سے گزرا لیکن نہ جانے کیا مصلحت پروردگار تعالیٰ کو کسی نے اپنے بچہ کا یہ نام نہیں رکھا اور سب اسے بطور صفت ہی استعمال کرتے رہے اور اس سے جذباتیں خارج ہو گئیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ آل محمد کا کمال اس منزل پر ہے کہ جس لفظ کو دنیا بطور صفت استعمال کرتی ہے وہ ان کی منزل تک آتے آتے نام بن جاتا ہے، صفت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، انسان پہلے بچہ ہوتا ہے، پھر جوانی میں یہ صفت شباب میں تبدیل ہو جاتی ہے، ضعیفی آتے آتے یہ صفت بھی رخصت ہو جاتی ہے اور اب بوڑھا کہا جاتا ہے لیکن نام وہی نام رہتا ہے جو پیدائش کے وقت رکھا گیا تھا، گذرنے کے بعد بھی وہی نام رہ جاتا ہے جو اس بات کا دلیل ہے کہ حسن و حسن و حسن و حسن کی ذات سے یوں وابستہ

عبد کے دن بچوں کے پورے، رچے جائیں گے۔
حضرتان محترم! اب آپ نے محسوس کیا کہ جن کے پاس پر دنیا کا رنگ و چمک ہے ان کے کردار پر دنیا کا رنگ کیا چمک سکتا ہے؟ مصلوات۔

کتنے نامان ہیں وہ انسان جو کہ درحقیقت پرغائبش پرستی کا الزام لگا کر طلاق و نکاح کی داستانیں سناتے ہیں اور دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ الٰہی محمدؐ بھی محاذ اللہ سماج کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ قدرت نے مختلف مواقع پر واضح کر دیا کہ دنیا کے رنگ سے متاثر ہونا تمہارا کام ہے اور ہمارے رنگ میں کود کر رنگ لینا الٰہ کی شان ہے۔ مصلوات۔

بچہ رسولؐ کی آغوش میں ہے، اٹنی نگاہ کے سامنے ہیں، ایک مرتبہ رسولؐ نے مکرر دیکھا یا اٹھی اس بچہ کا کیا نام رکھا ہے؟ عرض کی: حضورؐ کا کام آپ کا ہے مجھے کیا گفتی، کیا میں آپ پر بیعت کر سکتا ہوں؟
رسولؐ نے مسرور ہو کر فرمایا!

بے شک باطنی اتم تحریر تقدیم نہیں کر سکتے اور میں خدا پر تقدیم نہیں کر سکتا، اس بچہ کا نام دی میں کرے گا۔ گفتگو یہی رہی تھی کہ جبریل امینؑ نازل ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ! ارشادِ حدیث ہے کہ آپؐ میں اللہ علیؑ میں وہی نسبت ہے جو برائی اور ہارونؑ میں ہے، آپؐ علیؑ کے فرزند کا نام یا۔ دن کے فرزند کے نام پر رکھیں، پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا، ہارون کے فرزند کا نام کیا ہے؟ عرض کی، شہر۔ فرمایا، لیکن یہ تو عربی زبان کا نام نہیں ہے عربی کی اس کا ترجمہ ہے حسن۔

رسولؐ نے بچہ کا نام حسن رکھ دیا اور دنیا پر منزلت ہارونؑ کے

جہاں پیدا ہوتا ہے اور نام عالم رکھا جاتا ہے۔ مگر نام عالم ہوتا ہے اور نام عالم
 رکھا جاتا ہے، کلمات کا وہ وہ ہے جس میں ہوتا اور نام فاضل رکھا جاتا
 ہے۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ نام فقط ایک علامت ہے اس کا کردار ہے
 کوئی منتقل نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر نام کا کردار کے خلاف کسی نکل جائے تو
 کوئی نام رکھنے والے سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ آپ نے ایسا نام کیوں رکھا
 آپ نے عالم کہا تھا اور یہ جانی رہ گیا، آپ نے فاضل کہا تھا اور یہ بے فضل
 بلکہ فضول ہو گیا۔ نام رکھنے والا یہی ہے جس کا کہیں نے ایک علامت متین
 کر دی تھی، نہ رنگ اور نہ سیرت و کردار کی صفات، نہیں لی تھی اور نہ مستقبل
 کے بارے میں صفات لینے کا حق تھا۔ اور جب نام کا مسئلہ اتنا آسان ہو
 تو بہت کے گھڑنے میں تھا، اہتمام کیوں ہوتا تھا... کہ نہ بڑا، بلکہ بہت
 نہ کریں، بچا خدا پرست نہ کریں اور خدا چاہے اس کے فاضل ہو یا اور
 باروں کی تاریخ دہرا کہ ایک نام تجویز کرے۔ اتنے کوئی ہے کہ اس کے لئے
 اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کون سا کام ہے جو عملی نہیں
 انجام دے سکتے؟ وہ کون سا کام ہے جو ان کے بس کا نہیں ہے کہ خدا
 بھی اس میں شامل ہو جائے تو مسئلہ حل ہو۔

عزیزانِ محترم! میں نہیں جانتا کہ معلوم کیا ہے؟ لیکن میں
 جانتا ہوں کہ نام بندے رکھتے ہیں تو مستقبل کی صفات ہیں برقی،
 مستقبل کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں اور مستقبل ان کے اختیار
 میں نہیں ہوتا اور نام خدا رکھتا ہے تو مستقبل کی صفات بھی ہوتا اور خدا
 کی علامت بھی اور یہی وجہ ہے کہ بنی کا نام محمد بھی اسی نے رکھا ہے جس کا

ہے۔ میں تو متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں تو متین، جہاں میں
 میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں
 متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں
 متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں تو متین ہوں، متین ہوں، جہاں میں

اس مقام پر ایک دوسرا نکتہ یہ ہے کہ نام صرف بار بار کہوں
 کے ساتھ آیا لیکن یہ انتظام قدرت تھا کہ کوئی شے نہ ہو سکا، جو یا
 قدرت نے قائم کر دیا تو ہم نگاہوں سے ادھل کر کھٹا جائیں تو اسے سنا ہے
 ہر جگہ ادھل ہی رہی ہے اور زمین متروک نہیں ہونے پائے، اب جسے
 حیات آلِ خدا کی قیمت اور ان کے گھر کا سارا بھی عجیب ہے، یہ قیمت
 میں بھی غم رہتے ہیں اور پھر میں بھی غائب رہتے ہیں، ان کی زندگی میں
 ایسا بھی تو ہے کہ محض میں رہتے ہیں اور سوائے مرا جانی ایمان کے کوئی
 نہیں دیکھ سکتا۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ نگاہوں سے ادھل رہتے ہیں
 اور صاحبانِ ایمان دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ایمان و عقیدے کی بات ہو
 کہ ایمان نہیں ہوتا تو پھر خدا بھی سنا ہے سے نکل جاتا ہے اور کفار و مشرکین کو
 خبر نہیں ہوتی اور ایمان و عقیدے ہوتا ہے تو آخری گدہ بھی پردہ غیب میں رہتا
 اور دنیا نے ایمان مسلسل زیارت کرتی رہی ہے۔

نام کا ذکر آجی تو نام کے بارے میں بھی ایک نقطہ عرض کرنا چاہوں
 دنیا میں نام کی کوئی اہمیت نہیں ہے، نام کردار سے ہیں کوئی عقل نہیں
 رکھتا، آپ کسی کا کوئی نام رکھ دیکھتے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس کا کردار
 بھی ویسا ہی ہو، بلکہ بسا اوقات تو اس کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے

کی سترت اس کی ذات تک محدود نہ چلے اور اس کی سترت سے غریب و فقیر اور
مؤمنین کو بھی غامدہ پہنچ جائے۔

عقیقہ کا مطلب سر منڈانے کا نہیں ہے، سر منڈانا الگ ایک کام ہے
اور عقیقہ الگ، عقیقہ سے مراد وہ جانور ہے جو بچہ کی طرت سے ذبح کیا جاتا
ہے اور جس کا گوشت عزائم و قراء اور دین میں غصین پر تقسیم کیا جاتا ہے عقیقہ
کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سر منڈانے کے ساتھ ہی ہو، بلکہ یہ بھی ممکن
کہ وہ دونوں تقریبات الگ الگ ہوں۔ اور دونوں کو ایک وقت میں انجام نہ
دیا جائے۔ سر منڈانے میں بالوں کا مدقہ مستحب ہے اور عقیقہ کرنے میں گوشت
کی تقسیم یا دیر میں کا کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ اسلام تقریبات کو شخصی یا شرفی
نہیں بنانا چاہتا، اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ خوشی اور سترت کو گھروالوں
تک محدود کر دیا جائے یا پھر اشرفان اور رؤساء قوم کو شریک کر لیا جائے، اس کا
منشاء یہ ہے کہ تمہاری سترت کا انتظام ہم نے کیا ہے تو غریب بندوں کی
خوشی کا انتظام تم کرو۔ شاید ہی مصلحت عیال فقر کے موقع پر فطروہ کی بجائے
کریم نے تحین سال بھر تک پالا ہے کھلایا ہے۔ پلایا ہے۔ اب یہ کیسے انصافی ہو
کہ تم اکیلے اکیلے ہی بننا اور غریب بندوں کا لحاظ بھی نہ کرو۔ اب کم از کم اتنی
فوج لو کہ تم ہمارے مقابلہ میں کمزور نہ ہو تو تمہاری پرورش کا انتظام ہم نے
کیا، اب جو بندے تمہارے مقابلہ میں کمزور ہیں ان کی پرورش کا انتظام
تم کرو۔ یہ ہے اسلام کا نظام سترت۔ دنیا کی خوشی کا مطلب یہ ہے کہ
غریبوں کو نظر انداز کر کے سترت کا اہتمام کیا جائے اور اسلام میں سترت کی
تکمیل ہی نہیں ہوتی جب تک غریبوں کو شالی نہ کر لیا جائے۔ رؤساء و اشرف

یہ بھی اسی نے رکھا، خنزیر اور کتا کا نام جس میں بھی اسی نے رکھا، زہرا کا نام
ماں نے رکھا، اسی نے رکھا اور نام رکھ کر مانتے کر دیا کہ جسے میں خنزیر کہوں وہ ہر حال
میں قابل تعریف ہے۔ جسے میں کتا کہوں وہ ہر حال میں بلند ہے۔ جسے
ہندو خالٹہ کہوں وہ محشر تک عذاب الہی سے بچانے والی ہے جسے میں خنزیر
جسٹ کہوں اس کے کردار میں جس کے سوا کچھ نہ ملے گا، مصلوات،

یہ ضرور ہے کہ مستقبل کے حالات کا علم تو نبی اور امام کو ہی ہوتا ہے
تو اس میں خدا کی ضرورت ہے و جب اس نے علم دے دیا تو اس کی روشنی
میں جن نام چاہیں سنیں کر دیں، لیکن ارباب کرم! اولاً تو یہ مسئلہ نبی ہی کے
نام سے شروع ہوتا ہے اور جب آغاز کار پر دروگاہ سے ہوا ہے تو گویا گھر
میں ایک سیرت بن گئی کہ اب جو ارادی اور راہنما آئے گا اس کا نام بھی خدا ہی
تجویز کرے گا تا کہ جو چھوڑا ہوا ہو تو صرفی کا نام بھی رہے۔ مصلوات،

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اور امام کے علم میں تو شک بھی کیا جاسکتا ہے
اور یہ خطرہ بھی ہے کہ مستقبل میں ایک قوم پیدا ہو جائے جو نبی اور امام کے علم غیب
میں شک کرنا شروع کر دے و غیب سے نے چاہا کہ یہ نام میں میں نہ کروں کہ
علم غیب میں شک کرنے والے نقطہ علامت کچھ لیں بلکہ اسے خاموش کرے کہ ہر
مسلمان اسے کہہ لو کہ وضاحت سمجھے اور جہت سمجھے وہ علم خدا کا دشمن ہو کر اسلام ہی
سے خارج ہو جائے۔

ولادت کی سترت کو سات دن گزرے تھے کہ گھر میں ایک نئی تقریب
سترت آئی اور محلِ معظم نے فرزند کے عقیقہ کا اہتمام کیا، اسلام میں عقیقہ قرینہ
نہیں ہے لیکن سیرت رسول ضرور ہے اور شاید اس کی مصلحت ہے کہ انسان

برائے اس کے لئے کہ رسول تو قبل ہا قسیم بنائیں اور اسے واقعہ کے بعد کیا جائے نظر
آئے مسلمات

انکے کائنات نے نہ ہر کے اس لال کو امت کا اپنی اور رہنا بنا کر کیا تھا
اور نظام برابری کی ایک کڑی بنایا تھا، اس لئے امتا ہی سے ایسے امتلا
کئے جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اور ہے امت اور اس کی شان اور ہے دنیا
کی شان اور اس کی عظمت اور ہے دنیا کی عظمت اور اس کی شان اور ہے دنیا
ہے کہ ایک کائنات نے اس کے جسم لہذا میں کو کچھ رسول اکرم کے جسم لہذا میں سے مشابہ
بنادیا، اور اس لئے کو قرار کرنا اگر رسول اکرم کے نصف بدن سے جس زیادہ مشابہ
تھے اور نصف بدن سے حسینؑ سر سے سینہ تک جس کی مشابہت تھی اور بالائی
اقدس حسینؑ سے زیادہ مشابہ تھے اور شاید اس میں ایک ایک کائنات کی یہ
صلحت رہا ہو کہ ہاتھ جس کے صدر میں دے دیا جائے اور یہ دل کی مشابہت
حسینؑ کے صدر میں عطا کر دی، اس لئے کہ ان دونوں فرقہ وارانوں سے فو طرے کے
کام لئے جس میں جس کے ورت اقدس سے مسلح نامہ کھولے اور حسینؑ کو میدان جہاد
میں استعمال اور اقدس کا مظاہرہ کرنا ہے، اب میں امت کو کچھ اور کہ عرض کرنا
ہاتھ میرا تھا ہے اور حسینؑ کے قدم میرے قدم ہیں، خبردار جس کی مسئلے یا حسینؑ
کی شکست و محنت اس نے کرنا اور نہ یہاں میں ہی سکت و سیرت پر ہو جائے گا اور
کہ یہاں عرض کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا مسلمات،

نعت نے اس قدر انجام کیا تو ہر کہ رسالت کا کچھ فریضہ تھا کہ اپنے
عمل سے کلام کر دی کہ یہ کچھ دنیا کے عام لوگوں سے الگ ہے اور اسے اللہ
نے امت کا رہنا بنا کر بھیجا ہے، اس کا قیاس دنیا کے عام انسانوں پر نہیں کیا

کا رہنا جس کے لئے خداوند کے لہذا میں کا کام ہے، اور غریبوں، یتیموں، یتیموں
مظلوموں کی زندگی کا استحکام کر کے زندہ رہنا اسلام کا کام ہے، یہاں دولت مذہب
عقل و معشرت کا ذریعہ نہیں ہے، غریبوں و غلاموں کی پرورش کا ذریعہ ہے، یہاں عقل
نہیں بنائے جاتے جناب امیر بنائے جاتے ہیں مسلمات،

یعنی کتابوں میں اس مقام پر فقہ کا بھی ذکر ملتا ہے جو قطعاً صحیح نہیں
ہے، قدرت کا امتلا سے کو وہ امام معصوم کو مختار شدہ پیدا کرتی ہے اور شاید
اس کا راز یہ ہے کہ مختار ایک کائنات کے جدا کرنے کا نام ہے اور امام کا دھڑ
برخلافی سے پاک و پاکستہ ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو سنت رسول
کہا جاتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سنت رسول کے معنی ہی کا نہیں
ہے، رسول کے فرمان کا بھی نام ہے، مسلمان کو یہ دیکھنے کا حق نہیں ہے کہ رسول
نے ذاتی طور پر کیا کیا اور کیا نہیں کیا، اے یہ دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے اس کے
بارے میں کیا حکم دیا اور کیا فرمان نافذ کیا اور جب یہ مسئلہ واضح ہو جائے تو اب
دیکھئے گا کہ رسول نے گریب کیا کیا، احم کیا کیا، تو یہ کہ بنایا، علم کیا کیا
اس کے لئے مسئلہ عمل رسول کا نہیں ہے مسئلہ احادیث رسول کا ہے
کہ انہوں نے ان اعمال سے کب بد کہا، اگر روکتا تھا تو ہو جائے تو عساکم
ورنہ یہ عمل میں سنت و سیرت سے مسلمات،

پھر کہ روایت سے عزادار کا کلمہ تھا، فرام ہوئے اور عبادت کبریا
منا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے شہادت حسینؑ کے لئے، حسینؑ بنایا ہے اور اسے
بقاعدہ طور پر سیرت و سنت بنادیا ہے، جس قدر نادان اور غلام ہے وہ مسلمان
جو اپنے معلوم عمل کو بدعت اور حرام قرار دے، کاش اس مسلمان کو معرفت برحق اند

سچا شروع کیا اور دوسرے نے اُدھر تو حضورؐ کی کیا کیفیت ہوگی اور سرکارِ ودعاؐ
کی خاطر رکھیں گے کس کی بات مانیں گے،

سرکارِ یاسا پ نے کیا غضب کیا، بچوں کے ہاتھ میں زلفوں کا اخیلا دے کر
کہا کہ بریشانی میں ڈال دیا، بنیلا سلام فرمائیں گے، نادان! یہ تیرے سمجھنے کی باتیں
میں ہیں، یہ میری مصلحت کی بات ہے۔

یاد رکھو! اگر مسکے ذہن میں ذرا بھی شبہ متا کہ دونوں بچوں کے ارادوں اور
مصلحت میں فرق آجائے گا تو یہ بچوں کا انتہائی اچھا لڑنا یا یہ اخیلا تو میں نے دیا ہی اسلئے ہر
کلمہ جیسے نافع انسان سمجھ لیں کہ حق حقیق کی مرضی میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے بچوں کی
مرضی ہے وہی حقیق کی مرضی ہے، اب نہ کہنا کہ ایک نے صلح کی اور ایک نے جنگ کی تو دونوں
کی مرضی میں فرق آچکا، ہرگز نہیں، حق کی صلح حقیق کی صلح ہے اور حقیق کی جنگ حق کی
جنگ ہے مصلوات،

عزیزانِ محترم! وہ فطرت کا اہتمام تھا یہ رسالت کا انتظام تھا خواب و بیدار قدرت
کی ناز برداری کی لا محظوظی ہے۔ بچے کا زمانہ ہے، دونوں شہزادے گھر سے باہر نکلے ہیں،
اور حدیقہ بنی بنار کی تختی ہی ہوا کچھ اکس گئے ہیں۔ سستیدہ عالم پریشانی میں مبتلا مگر ایک
جنم بیچ گئی ہے۔ سرکارِ انجے کہیں چلے گئے ہیں، دیر ہوئی واپس نہیں آئے سستیدہ عالم
سوت پریشانی ہیں، سرکارِ کعب تو اشد تلاش میں تھے، ادیکھا کہ بچے عدل پر ہی مبتلا ہیں
آرام کر رہے ہیں۔ دونوں بچوں کو اٹھایا، شہزادہ! تمہارے آرام کرنے کا جگر پر نہیں ہے
چلو رہا پریشانی ہے، بچوں کو اٹھا اور خاکہ کے گھولنے کے بجائے اصحاب کی محفل میں لگا
سمیر میں اصحاب کا مجمع تھا، بچوں کو سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ میں بتاؤں کہ دنیا میں
انا اور مالی کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے۔ اصحاب نے عرض کی ضرور۔

جائے اس کے ساتھ میں ایسا بنا ڈکرا ہوں جس کا دوسرے انسان کو اہل
میں نہیں سمجھا، تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جہاں یہ حقیقت واضح ہو کر ملنے
آئی ہے اور اکثر واقعات تو دونوں بھائیوں کے درمیان مشترک طور پر ملتے ہیں
اور شاید اس کا راز بھی یہی ہوا ہو کہ پورے سلسلہ امامت میں پہلا اور آخری واقعہ
ملک کائنات نے ذہن کو دلال دیئے ہیں اور دونوں کو امامت سے سرفراز فرمایا
وہ کوئی امام ایسا نہیں ہے جس کی اولاد میں اٹھا کہوں اور اس سے گھر میں امامت
پن قائم رہنی ہر طرح ایت نہ ہر میں آئی ہے اور جب مالک نے دونوں کو امام
بنایا ہے تو اسی کی ذمہ داری ہے کہ فضائل و کردار میں بھی ایسی مشابہت ثابت
رکھے کہ انسانوں کو دھوکہ نہ دہنے پائے اور لوگ فضیلت کی بحث میں نہ الجھیں
قدت کا یہ انتظام تھا جو کچھ حق کو دیا اس میں حقیق کو شریک کر دیا اور جو کچھ حقیق
کو دیا اس میں حق کو شریک بنا دیا۔ حریہ ہے کہ خدات کے عرصہ میں نسل حقیق میں
امامت بھی نہ دیاں بھی یہ اہتمام کیا کہ ایک منزل پر دونوں کی نسل کو جمع کر دیا جائے کہ
فرزند حقیق کے عقد کا موقع آئے تو دوسرے حق ہی کا انتخاب کیا جائے کہ نسل امامت لگے
جیسے تو کسی کسی جہت سے دونوں بھائیوں کا حق ہے، یہ اور بات ہے کہ جس کی
شہادت غفلتی تھی اس کا سلسلہ بھی پردہ پوشی ہر کر جلا مصلحت

میں مگر کبھی بھی ایسا انداز ہے کہ سجدہ میں پشت پر جگر دیتے ہیں تو کبھی اس سے
کو کبھی اس سے کو عید کے دن کا نہ مولا پر چھانے میں تو ایک کا نہ ہے پاس فرزند
اور دوسرے کا نہ ہے پر اس فرزند کو کتنا ملاؤں موقع ہے رسالت ایسی زلفوں کو
دو حصوں میں بانٹ کر دونوں بچوں کے حوالے کر رہی ہے اور بچے پہلے کی اداؤں کیساتھ
دو شب رسالت پر بیٹھے ہیں سوچے کہ اگر کہیں دونوں بچے نہیں گئے اور ایک نے اُدھر

فرمایا حق جو سن کہ ان کے ناما مستیلا نیا ہے اور ان کی نانی فکرتا کی
 فرمایا کیا میں بتاؤں کہ ماں اور باپ کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے؟
 اصحاب نے عرض کی فرمائیں۔
 فرمایا حق جو سن کہ ان کا باپ مٹی ہے اور ماں قافلہ زہرا ہے۔ فرمایا میں
 بتاؤں کہ چچی اور چچو کی کے اعتبار سے سب سے افضل کون ہے؟
 عرض کی فرمائیے۔
 فرمایا حق جو سن کہ ان کا چچا جنفطار ہے اور ان کی بہن سیدی ام بان
 اس طرح سلسلہ جاری۔ اور سزاؤں کے فضائل بیان کرتے رہے۔
 آج کو جب سید پریشان تھیں تو معنوی طور پر سید میں کیوں لے گئے اور سید کے
 گھوکوں نہیں لے گئے، اصحاب جس کھن پر راز تھا بیان کس کو پریشانی لگا، اور پھر
 اگر پریشانی تھی تو یہ کون سا موقع تھا فضائل بیان کرنے کا، ان گھوکوں میں
 ہے اور آپ سجد میں فضائل بیان کر رہے ہیں۔
 غیب نہیں سزاؤں دو عالم فرمائیں، تم نے معلومت نہیں پہچانی، میرے
 بچے اس لئے نہیں گم ہوئے تھے کہ انہیں راستہ نہیں معلوم تھا یا یہ راستہ مشکل
 لگے تھے، میری سید اس لئے نہیں پریشان تھیں کہ اچھے حفاظت الہی یا عقائد میں
 تھا اور میں اس لئے نہیں تامل کر رہا تھا کہ مجھے منزل نہیں معلوم تھا اور میں جگہ کر
 رہا تھا۔ یہ قدرت کا نظام تھا کہ مجھے بارگاہ میں جا کر سوجائیں، سیدہ اپنے
 اضطراب کا اظہار کرے، میں تلاش میں نکلوں، اصحاب میں میں ان پر دیا، دنیا کی
 نگاہ میں رافقہ کی اہمیت آجائے، سب لوگ گمشدگی کے پہلوئوں کو دیکھنے کیلئے
 آئیں اور میں شہزادوں کے فضائل بیان کر دوں، اس لئے کہ عام معلومات کے

ان ذہن کے مکمل جاتے ہیں اور عاقلانہ حالات کے بیانات و سببوں میں غلط
 جاتے ہیں، یہ قدرت کا نظام تھا کہ بچوں کے کمالات کا اعلان کرنا تھا اس
 کا اہتمام کیا اور آپ کے منصب اعلیٰ کرنا تھا کہ مدبر کی دو بہن انتخاب کیا گیا
 عزیزان گرامی! جب سب نے اپنے اپنے اہتمام و انتظام کا اظہار کر دیا تو
 وہ نظام حق کی قدر داری ہے کہ دنیا پر راز گھوکوں کہ میری مثال عام بچوں جیسی
 نہیں ہے اور مجھے قدرت نے خاص مقصد کیلئے خلق کیا ہے، میرا کام ہدایت لینا
 میں ہے، میرا کام ہدایت دینا ہے، شاید یہی راز تھا کہ جب مسجد میں پیر اسلام
 موعظ فرماتے تھے آیات قرآنی اور احکام الہی بیان کرتے تھے تو امام حق گھر میں
 ان سے سارا واقعہ بیان کر دیا کرتے تھے، آج نانا لے رہا فرمایا، آج
 مسئلہ بیان ہوا، آج یہ آیت نازل ہوئی اور جب امیر المؤمنین بیت الشرف
 میں تشریف لائے تو جناب سیدہ فرمائی تھیں یا اباحسن! آج میرے بابا
 لے رہے موعظ فرمایا، آج یہ مسئلہ بیان کیا، آج یہ آیت نازل ہوئی امیر المؤمنین
 مظاہر جنت سے پوچھے سیدہ! یہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا، تم تو سب جہنم میں
 تھیں، تمہارے نانا اپنے بابا کو بیان کرتے نہیں دیکھا ہے۔
 عرض کریں! میرا شہزادہ حق مجھ سے سارے واقعات بیان کر دیتا
 مولائے کائنات نے فرمایا، سیدہ! میں بھی اپنے کال کی گفتگو سنتا
 جاتا ہوں، دیکھوں میرا فرزند کس طرح اپنے نانا کی زچائی کرتا ہے۔
 سیدہ نے عرض کی بے شک! آپ ساعت فرمائیں۔
 امیر المؤمنین موعظ ختم ہوتے ہی فوراً بیت الشرف میں تشریف
 لائے اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ امام حق گھر میں داخل ہوئے،

جانے لیکن اتنا ضرور واضح ہو گیا کہ امت کی گنہگار ماؤں اور اولاد کو ایک درس مل گیا کہ جب بچے کسی فعل میں غلط سے پہلے کوشش تو مان کر پوچھنا چاہیے کہ آج کیا بیان ہوا اور بچوں کو بیان کرنا چاہیے اور پھر رنگوں کو دکھانا چاہیے کہ بیان کا کیا انداز ہے تاکہ بچوں کا تربیت کا انتظام ہو جائے۔ اہل عمدہ کے بچے نتائج تعلیم و تربیت نہیں دیکھ سکتے بلکہ بچے بہر حال محتاج ہیں۔

اہل لغت سے بتائیے کہ آج کسی گھر میں اس سیرت پر عمل ہوتا ہے کیا؟ کچھ عورتیں معصومہ عالم کی سیرت پر ہیں، کیا آج کے مرد مولائے کائنات کی سیرت پر ہیں کیا آج کے بچے امام حسن کا اتباع کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، یہ دوجہ تو ہے کہ دین تباہ ہوتا جا رہا ہے، دنیا غالب آتی جا رہی ہے، اسلحہات ختم ہوتے جا رہے ہیں اور نیوکیٹ کا ترقی بڑھتا جا رہا ہے، قیامت ہے کہ آج مائیں بچوں سے گائے تو سنتی ہیں، غلبہ نہیں سنیں آج باپ بچوں کو خرافات کی تعلیم تو دیتے ہیں، دین کی تعلیم نہیں دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مستقبل انہیں خرافات سے وابستہ ہے اور ملکہ و مہر قبر میں لگائے ہی کے باسے میں سوال کریں گے۔

مزنیاں گراں! دنیا چند روزہ ہے، اسے ایک دن فنا ہو جاتا ہے اور یہاں آج پلٹ کر مسجد کا بارگاہ میں جاتا ہے، دنیا کو دھوکہ دینا آسان ہے، سب عالمین کو جوتا دینا بہت مشکل ہے، اگر آج محبت، اہلیت باقی ہے اور سیرت، اہلیت پر عمل کرنے کا جذبہ ہے، اگر چین سترت صرف رسم نہیں ہے اور اس کے پیچھے کوئی حقیقت ہے تو یہ عہد کر کے لکھے کہ سیرت امام حسن سے فائدہ اٹھائیں گے اور اپنے بچوں کو دین و مذہب کی تعلیم دیں گے، معصومہ عالم کی سیرت پر عمل کریں گے اور اپنے بچوں سے مذہبی مسائل پوچھیں گے مولائے کائنات کے نقش قدم پر چلیں گے اور بچوں کے مذہبی معلومات کی بحالی کرتے

اور گروہ نے حسب رعایت فرمائش کی۔ بیٹا آج بابائے کیا بیان کیا۔
حسن نے دہرا نا شروع کیا، لیکن آج زبان میں وہ روحانی اور بیان میں وہ سلاست نہیں تھی۔ گھر کے عرض کی، مادہ گرای، آج بسکہ بیان میں روحانی اور میری زبان میں تیزی نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا سر دار کچھ دیکھ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ اہل عربین بردہ سے باہر آگئے اور دور کر کے کوکوں میں اٹھالیا، پیار کیا۔ شاہاش بسکہ لال غربت کے گھرانے کے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

دیکھا آپ نے! حائفہ کہ جو بنتی نے بیان کیا وہ سب دہرا دیا، فصاحت وہ کہ جو اہل کی ترجمانی کی اور دوست نظر وہ کہ پس پردہ باپ کو دیکھ لیا۔ کبوں نہ میرا مات کی نگاہ ہے اس کا اندازہ خیل سے جدا کا رہے، بیان تو یہ عالم ہے کہ امارت پردہ میں چھپ جائے تو اسے دیکھ لیا جاتا ہے اور رسالت زیر کسار آجائے تو اس کی خوشبو محسوس کر لی جاتی ہے۔ مصلحتات!

بات آخری منزل تک آگئی ہے لیکن خاتمہ کلام میں چند فقرے اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ امام حسن معصوم تھے، انہیں پردہ نگار عالم نے علم دے کر بھیجا تھا، سید طاہر بھی معصوم تھیں، ان کے پاس بھی علم لدنی تھا، یہ معصومہ عالم اس بات کی محتاج تھیں کہ امام حسن بیان کریں تو انہیں مسائل شریعت کا علم ہو، امام حسن اس بات کے محتاج تھے کہ ان سے بیان کریں تاکہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو ٹوک دیں، اور خود جناب امیر کا اشتیاق بھی منافقانہ اس بنا پر نہیں تھا کہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے، یا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حسن کس حد تک صحیح بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود سیدہ طاہرہ فرمائش کرتی تھیں، امام حسن بیان کرتے تھے اور جناب امیر کے دل میں اپنے لال کے بیان کا اشتیاق پیدا ہوا، امارت و عصمت کی مصلحت امام اور معصوم

دش کیسا ہونا ہے اور اسلام کس تلوار سے پھیلنا ہے اور میں تو ایک نظر کچھ نہیں
 میں تمام نہیں کر سکتا کہ ہمارے کردار میں اور مصروفیت کے کردار میں اتنا مشق
 کیا ہے کہ کل بچے بڑوں کی اصلاح کر دیا کرتے تھے اور آج بڑے بھی بچوں کی
 اصلاح نہیں کر پاتے ہیں۔ گویا امامت آواز زورے رہی ہے کہ جو سنا رہا تھا کہ ہے
 ہمارا مشغلہ ہے اور یاد رکھو ہمیں بچہ نہ سمجھنا ہم نے کتنے ہی بڑے بڑھوں کی
 اصلاح کر دی ہے۔ ہماری عظمت امت کے بچے نہ سمجھیں گے، ہماری ہندی امت کے
 بڑے ہی سمجھیں۔ میں سمجھوں نے مانا ہے یہ کہہ کر لینا جا رہا تھا کہ بچوں کو ہمیں
 سے دیکھئے ہم اپنے کا ندھوں پر بٹھالیں گے تو مانا لے انکا کہنے واضح کر دیا تھا
 کہ اہل محمد دنیا کو اٹھانے کے لئے آئے ہیں، یہ اہل دنیا کے اٹھانے کے محتاج
 ہیں۔ صلوات،



بات تمام ہوئی، دشمنان کا ایک طرف بیان کر کے تقریر کو ختم کر دینا چاہتا ہوں،
 یہاں ایک مسئلہ ہے، ہمارے کردار میں اور مصروفیت کے کردار میں اتنا مشق
 کیا ہے، شہر و قلعہ ہے کو امام حسین اور امام حسین ایک راستہ ہے گورہ و گورہ،
 ایک مقام پر پہنچا کر ایک زمین الہام انسان بننا و مقرر کیا ہے اور اتفاق سے اسکا
 وقوعہ میں ہے۔ دو ذیل شہزادے ٹھہر گئے اور یہی کیا کہ مسئلہ کی اصلاح کے بغیر
 قدم اٹھے پڑھا جاتا تو نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کجا نہیں اس طرح، ہمارے طریق
 ہمیں کیڑا و مریض ہیں ہے تو جاباں ہے، تو اعلان اس امر کے خلاف ہے اور یہ ہمیں
 کو ضرورت ملتا ہے تو یہ ہم اہل کے خلاف ہے، یہاں آئی اور نے تلخ دین حق میں کیا
 پیدا اسے اختیار کئے ہیں ایک رجحان ہے آئے فرمایا، حق پر آپ بزرگ آؤں ہیں، ہم
 دونوں بھائی و سر کرنا چاہتے ہیں، آپ ذرا زحمت کر کے یہ بات دیکھ کر دونوں میں
 کس کا دھڑکیا ہے، یہ کہہ کر دونوں نے دھڑکیا ہے، جیسے ہی دونوں شہزادوں
 کا حرم تمام ہوا مصیبت الہام انسان چرک پڑا، پڑھ کر گئے سے لگا لیا شہزادہ اس
 اتفاق کے قربان، اس تہذیب کے تعلق، ثم دونوں کا دھڑکیا ہے، میں نے ہی
 لفظ دھڑکیا تھا!

بزدلی اسلام کو پھیلانے والے دیکھیں ہر آل محمد نے دین کا جلیقہ کس المارہ
 سے کیا ہے اور دنیا کو راہ راست پر کس طرف لانے میں، ہر آل محمد نے دھڑکیا، ہر اتفاق
 و سرکہ، نہ بحث و مباحثہ، نہ سوچنا نہ کسنا، ایک ایسا حسین انداز کہ جسے تہذیب کجا
 رہ بھی قربان ہو جائے اور جسے کجا یا جائے وہ بھی گئے لگائے، دنیا نے اخلاق بہتر
 سنا ہے تو اتفاق کس کا مشاہدہ کیا کر لے اور یہ دیکھ لے کہ مباحثہ و تعلیم کا

چونکہ مجلس داستانِ عزیمتِ امامِ حسن مجتبیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا
 محمد وعلی خاتم النبیین سیدنا وعلی ثانی القاسم محمد وعلی
 الطیبین الطاهرین ولعنة الله علی اعدائهم اجمعین
 اما بعد فقد قال الله الحکیم فی کتابه الکریم۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْاِصْحَابِ ذَاتِ بَيْنَا لَلْاِخْرَ لَوْلَا ذَا

بشرط جنابِ اعدیت ہوتا ہے، ممکن ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے
 اور دنیا آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

افرادِ گمراہی سے واضح ہو گیا کہ عالمِ بشریت کی ہدایت و راہنمائی میں کسی بشر اور
 کسی انسان کا دخل نہیں ہے، یہ کام مستند رب العالمین کا ہے اور وہ برابر انجام دے
 رہا ہے۔ یاد رکھئے! مالک کائنات نے صغیر اعلان کر دیا ہوتا اور کوئی عملی مظاہرہ نہ
 کیا ہوتا تو بھی امت کو یقین کر لینا چاہیے تھا، چہ جائیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ
 اس قانونِ عقل کرنے کے بعد بھی امت کو اعتبار نہ آیا اور بھی خیالِ ذہن میں رہ گیا
 کہ اپنی ہدایت کا انتظام ہمیں خود کرنا ہے اور یہ العالمین سے اس کا کوئی دخل نہیں
 ہے، اچھے تو کہتا پڑتا ہے کہ میں قوم کو خدا کی شہر پر اختیار نہ آیا اسے نبی کی ہدایت پر
 بجا اعتبار آئے گا۔

مالک کائنات نے ہر دور اور ہر جہد میں ہدایت کا انتظام کیا امامان کے
 انتظام میں سن و سال اور قد و قامت کا کوئی فرق نہیں رہا۔ اس نے کھنسن افراد کو
 بھی ذمہ دار بنایا ہے اور کھنسن افراد کو کھنسنے والوں کو کھنسنے والوں کا جھوٹا وار

کے لیے اور دروازہ قامت انسانوں کو کھنسنے، اس کے یہاں ایسی کوئی شہر و قلعہ نہیں
 تھا جس کا خاتمہ ہمیں سے منصب دارین کرنا ہے۔ اس کے شانہ سے فیاض
 پر کھنسن آدمی عمر ہی ہوتے ہیں وہ پورے عہدوں کو منصب دار نہیں بنانا بلکہ امت
 سے منصب دار بننا کہ بھیجتا ہے۔

آج آپ کے سامنے ایک ایسے ہی راہنما اور ہادی کا تذکرہ کرنا ہے جس
 نے ہمیں ہی سے کام لینے شروع کر دیا اور امت کی راہنمائی کی ذمہ داری سنبھال
 لی، قانونی طور پر ذمہ داریاں بہت دیر میں منتقل ہوئیں لیکن عملی طور پر وہ کارہا
 نمایاں انجام دینے کے باوجود ہمیں بیکر فرمایا پڑا کہ "یہ میرے دونوں
 فرزند امام ہیں چاہے کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں یہ دونوں جہاد میں
 کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے بھی افضل ہے"۔ پیغمبرِ اسلام نے یہ نہیں فرمایا
 کہ یہ دونوں بچے امام ہوں گے اور انھیں سردار بنایا جائے گا بلکہ یہ فرمایا
 کہ یہ دونوں امام ہیں اور جو انان جنت کے سردار ہیں، مگر دنیا و آخرت میں
 جو اللہ والوں کا کمال سن و سال اور مقامات کا پایندہ نہیں ہوتا، وہ جہاں
 رہتے ہیں، جیسے رہتے ہیں صاحبِ کمال، ہمارے ہوتے ہیں، معلومات،
 بکھیرنے، لفظوں میں یہ محمد یا کو جانتے کہ پیغمبرِ اسلام نے اشارہ
 کر دیا کہ امت کے جھڑے بھی اگر جنت میں جانا چاہیں تو انھیں بچوں کو اپنا
 سردار اور ان کے باپ کو ان سے افضل مانتے، انھیں جنت کا سردار اور
 ان کے باپ کو ان سے افضل ماننے بغیر نہ دنیا میں اسلام رہ جائے گا اور
 نہ آخرت میں جنت و کوثر کی امید رہ جائے گی جنت ان کے قبضہ میں
 ہے اور کوثر پر ان کے باپ کا قبضہ ہے، جملہات،

سلسلہ کے ماہ رمضان میں ۱۹ ویں تاریخ کی صبح کو باپ کے سر اقدس چادر میں لپیٹ کر لے گئے۔
 اہل اہل رمضان کی صبح کو باپ دینا سے رخصت ہو گیا۔

باپ کے بعد سلسلہ میں حالات کے تحت حکومت شام سے صلح کی اور سلسلہ
 میں خاموش زندگی گزارنے کے باوجود حکومت شام کی قدیم سازش کی بناء پر مجدد
 بنت اشموت کے ہاتھوں ۲۸ صفر کو زہر دیا سے خیمہ ہو گئے۔

تفصیلی حالات کا تذکرہ بعد میں کیا جائیگا، اجمالی طور پر یہ دیکھ لیا جائے
 کہ ۱۱ سال کی زندگی کتنے مصائب و آلام سے گزری ہیں اور کس طرح حالات دنیا
 کا مقابلہ کیا ہے اور کئی مرور زندگی کا ایسا نہیں آیا جس میں کسی نہ کسی انداز سے صف
 زیا ہو، بچنے کے واقعات میں بھی خاموش تھا طائی نہیں رہے اور تعلیم تربیت کے
 طور پر حالات کنہیں دیکھا، بلکہ اکثر مقامات پر دورہ و اقامت حیرت سے حیرت لیا
 جس سے صلح ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیا کا بچپنا اور ہے اور امامت کا بچپنا اور۔

اخلاق میں بھی کائنات، کردار میں بھی کائنات، صبر میں زہر کا انداز، شجاعت میں ہاشم کا
 جلال، استقلال میں الجواب کے تہذیب، ایمان و یقین میں عبدالمطلب کا نقشہ،
 خاندان کی عزت، بزرگوں کی یادگار، مذہب کا ذرہ و نور، اسلام کا خطیب، صلح کا
 نقیب، قرآن کا مفسر، امت کا مصلح، کتب کا محقق اور سیرت رسول کا ایسا دفتر
 دار کہ جب ہجوم مصائب میں امن و فخر کے باوجود حدیبیہ کی تاریخ و ہر طرح کی اور
 اسلام کو ایک بڑے قطرے سے بچا لیا تو قدرت کو یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ دونوں
 کی تاریخ و فطرت کو ایک کر دیا، کہ جس تاریخ میں پہلا مصلح دینا سے لگا تھا اس
 تاریخ کو دوسرا شہزادہ مصلح بھی دینا سے رخصت ہوا۔

اہم من مبعوث کی زندگی کے اس خاکہ کو نظر میں رکھنے کے بعد دو اہم پہلوؤں

آٹھ مہینے اس شہزادہ مصلح و امن، سردار جہانان جنت، سبط رسول، جان نثار
 امام امت اور صلح ملت کا تذکرہ کرتا ہے، اس کی زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ یہ ہے کہ
 سلسلہ میں ماہ رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ کو ولادت ہوئی، سات برس ناما کے
 زہر سایہ گزارے، تانا کے بعد چند ماہ مان کا ساتھ دیا، مانی کے بعد ۳ سال کا سر صر باپ
 کے زہر سایہ گزارا، سلسلہ میں باپ کی شہادت کے بعد دس سال کا زمانہ اپنے فرائض کی
 انجام دہی میں گزارا جس میں شریک کار اور مددگار چھوٹے بھائی امام حسین اور چند
 اطاعت شعار افراد کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

تھریں سال کی اس زندگی میں اسلامی تاریخ کے بے شمار واقعات
 کا مشاہدہ کیا اور حالات و معائنہ کے مطابق واقعات میں حصہ بھی لیا سلسلہ میں
 جنگ خندق دیکھی، سلسلہ میں صلح حدیبیہ کا مشاہدہ کیا، سلسلہ میں جنگ خیبر دیکھی، سلسلہ
 میں فتح مکہ کا مشاہدہ کیا، سلسلہ میں مباہلہ میں شرکت کی، سلسلہ میں آخر حج میں
 شریک رہے، سلسلہ کے آغاز میں ۲۸ صفر کو ناما کا غم برداشت کیا اور امامی سلسلہ
 میں ناما کے چند دن کے بعد ماں کا داغ دیکھا، باپ کے سانسی الگ قابل دید تھے
 میراث لے، جاگیر جیتی، تخت و تاج گیا، عزت و احترام رخصت ہوا، سلام و کلام
 بند ہوا، قرآن و احکام اور تقریر باپ سال تحت حکومت پر ایک حاکم کا قبضہ
 رہا، دس سال دوسرے حاکم کا قبضہ رہا، بارہ سال تیسرے حاکم کا قبضہ رہا، چند سال
 کی حکومت باپ کو ملی تو اس میں بھی غصوں، جنگا مول، خمر شراب اور فسادوں کا ایک
 طوفان رہا، خاندان حکومت سنبھالتے ہی خون عثمان کے نام پر ام المومنین جلی کے میدان
 میں آگئیں، ان سے فرصت ملی تو سادیہ نے مصیبت کا مرکز گرم کر دیا، اس سے نہایت
 ملی تو خوارج ہندوان کے میدان میں اتر پڑے، اور بالآخر حکومت شام کی سازش سے

کر دیں گے۔

ہمارے مقلدین نے مختلف مسئلوں پر مسائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے مگر عالم ہے کہ ایہ المزمین کے پاس جب کوئی مسئلہ آجاتا ہے تو اپنے فرزند کا جواب دلاتے ہیں۔ اور حکومت وقت تو بہر حال امامت کی قیادت ہے،

شہد و معرفت داتا ہے کہ بادشاہ رستم نے حاکم شام صامیہ بن ابی سفیان سے دو سوالات کئے، زمین پر وہ کون سی جگہ ہے جو آسمان کے ٹھیک وسط میں واقع ہے اور زمین کا وہ کون سا خطہ ہے جس پر سورج کی روشنی صرف ایک مرتبہ پڑی ہے، حاکم شام جواب سے عاجز ہو گیا اور مسئلہ کو امام حسن سے سنانے پیش کر دیا، آپ نے فرمایا کہ وسط آسمان کی زمین میں پشت خاک کعبہ ہے، اور ایک مرتبہ سورج کی روشنی دیکھنے والی نیل کی گھڑی ہے جس پر منظر قباب موسیٰ کے گزرتے وقت آفتاب کی روشنی پڑی تھی، اس کے بعد پھر دریا حائل ہو گیا اور سورج کی شعاع نہ پہنچ سکی۔

آپ نے اندازہ کیا کہ امام حسن نے کس آسمان سے مسائل کو حل کر دیا اور مانع کر دیا کہ حاکم شام جب تجھے زمین کی خبر نہیں ہے تو آسمان کی خبر کیا ہوگی اور جب تو بیت کے بغاوت سے باخبر نہیں ہے تو اہلبیت کے کمالات کو کیا سمجھ سکتے گا؟

اس عظیم کی دست و جاہلیت کا یہ عالم تھا کہ ابون کا سبھا ذکر غیر علی نے بھی اقرار کیا ہے کہ امام حسن گمراہ سے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے، یہ ادبیات ہے کہ اعتراف نصیحت میں ایک ایسی مداومت

تکرار ہے، ایک یہ کہ آپ کی کافی شخصیت اور آپ کا ذاتی کردار کیا تھا؟ اور دوسرے یہ کہ آپ نے کون کون سی حالتیں سامنا کیا ہے اور ان حالات میں آپ کا ہر قول کیا ہے؟

جہاں تک پہلے مضمون کا تعلق ہے تاریخ میں بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کی عظمت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے اور تاریخ کے واقعات کیا طور قرآن مجید کی آیتیں اور اصول عظیم کے ارشادات عظمت کی گواہی دے رہے ہیں آیت تطہیر عصمت کا اعلان کر رہا ہے، آیت مباہلہ صدف کا اعلان کر رہی ہے، آیت صلح کروار پر روشنی ڈال رہی ہے اور سورہ دہر سعاد کا قصیدہ پڑھ رہا ہے، صلوات،

میں عظیم کی زندگی کو دیکھیں گے تو یہاں بھی قول و فعل سے مسلسل فضائل کمالات کا اعلان ملے گا، کہیں اپنے لال کو سردار جواہر جنت کہیں گے، کہیں امام کے لقب سے یاد کریں گے، کہیں اپنا سبط اور نائب قرار دیں گے اور کہیں اصلاح امت کا خیر و مسائیں گے، کہیں اسے اپنے سے قرار دیں گے اور کہیں اپنے کو اس سے قرار دیں گے، صلوات،

اور یہ کہ ان نقطہ زائی ہی نہیں بلکہ علمی طور پر بھی ان کا اظہار ہوگا، دوسرے مسود میں آجائے گا تو خبر سے اتر کر گودی میں اٹھائیں گے، سورہ میں آجائے گا تو سردا اٹھائیں گے، عید کا دن ہوگا تو کاغذ پر بیٹھائیں گے، مباہلہ کا موقع ہوگا تو انگلی پکڑ کر لے چلیں گے، تطہیر کی منی ہوگی تو گیس سے لگا کر صفت رسالت کو موت میں تبدیل کریں گے، پہاڑ کے گھر آئیں گے تو دہن اقد کے بارے میں گے اور ہرنی کا بچہ آجائے گا تو اسے شہزاد سے کے حوالے

زہد و تقویٰ کے ساتھ اس عظیم دسترخوان کا بھی اضافہ کر لیجئے جس پر سب انسان
اور سینوں کی بیچرنگی رہے تو کالات کی منزل اور نمایاں ہو جائے گی اور یہی منزل
اپنی زندگی میں یہ سادگی کہ ایک دین لباس خود کچھ کہ یہودی کو تعجب ہو گیا اور وہ
سوال کرتے پر مجبور ہو گیا اور اس کے سوال نے واضح کر دیا کہ اگر انا حسن کی زندگی
میں راحت پسندی اور عیش و کام کا دخل ہوتا تو یہودی کو تعجب نہ ہوتا، یہودی کا
تعجب خود کردار کی پسندی کی ایک دلیل ہے۔

اور دوسری طرف عظیم دسترخوان جس کی بنا پر خلق میں کافروں کا فہرہ ہوا اور
جس کا یہ عالم تھا کہ کوئی سائل دروازہ سے داخل نہ جاتے پائے، اہل محمد کی زندگی
میں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ ان کے گھر کا معمول ہے،
جن کے گھر عزیز کے سائل بھی آتے ہیں اور آسمان کے فرشتے بھی اور قرآن کا
سورہ دہر بھی صلوٰۃ۔

لیکن مجھے بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ
ہو جائے کہ اہلبیت کی اپنی زندگی کتنی سادہ تھی اور ان کی خدمت خلق کا عالم کیا
تھا۔ مشہور معروف واقعہ ہے کہ ایک شخص امام حسن کے درخیزان پر ہوا، اور
کھانے کے لئے بیٹھا تو عالم یہ تھا کہ ایک لقمہ کھاتا تھا اور ایک لقمہ بھاتا جاتا تھا
آپ نے فرمایا بھائی! کیا تو صاحب عیال ہے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے
مسجد میں ایک شخص کو سوکھی روٹیاں کھاتے دیکھا ہے، چاہتا ہوں کہ اس کی
بھی کچھ داد کر دوں۔ آپ نے فرمایا: بھائی! وہ مسکرا کر باپ بولنے کا نشانہ
علی ابن ابی طالب ہیں، ان کی زندگی کا یہی معمول ہے کہ ہم اہلبیت جو دنیا کو
کھاتے ہیں وہ اور ہوتا ہے اور جس پر خود اپنی زندگی گزارتے ہیں وہ

بھی قابلِ ذکر ہے کہ فضیلت مدین ہو کر سامنے نہ آ سکی، لیکن مجھے یہ دایت ہے
کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تو مضمر یہ جانتا ہوں کہ دشمن نے فضائل کا اقرار
کیا ہے اور ایسی روایت کا اضافہ تو ہونا ہی چاہیے تھا کہ ایسے ہی حالات
گہوارہ کے علم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اگر زلیخانے کردار جو یوسف سے غلط وقت
دوستہ زنی ہوتی تو گہوارہ کا بچہ کیسے بولتا۔ اگر یہودیوں نے جناب مریم
کے ساتھ غلط تہمت منسوب نہ کی ہوتی تو عیسیٰ کا کمال کیسے سامنے آتا اور
اگر امت میں ایسی سعادت نہ ہوتی تو امام حسن کے علم کا اقرار کیسے کیا
جاتا؟

علم کے بعد عمل کی منزل آتی ہے، زہد و تقویٰ کا یہ عالم ہو
کہ مادہ لباس میں زندگی گزار رہے ہیں اور اگر کبھی مجبوراً غلام لباس
پہن لیا اور یہودی نے اعتراض کر دیا کہ آپ کے جبر نے تو فرمایا ہے کہ دنیا
کا فرقہ لئے جنت ہے اور مومن کے لئے قید خانہ، یہ آپ کا لباس مجھ کو
بہتر کیوں ہے؟ تو ایک عظیم حقیقت کا اعلان فرما دیا کہ یاد رکھو، بہتر
ابیدہ تر کا فیصلہ نتیجہ کے ساتھ ہوتا ہے تمہیں آخرت میں جو کچھ ملے
والا ہے اس کے اعتبار سے یہ لباس کہیں بہتر ہے اور مجھے جنت میں
جو کچھ حاصل ہونے والا ہے اس کے اعتبار سے یہ ایک قیدی کا لباس
ہے، یا دافع لفظوں میں یوں کہ دیا جائے کہ یہودی حقائق سے
بے خبر تھا زہد یہ سوال ہی نہ اٹھاتا، اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں کے
پہلے جانے پر جنت سے لباس آجاتا ہے اس کے لئے دنیا کا یہ
تہہ پر حال ایک قیدی کا لباس ہو گا۔

بڑے غرور سے دیا تھا اسے امام حسنؑ نے سادہ کے غلام کو عطا کر دیا اور دوا
کر دیا کہ اب دونوں کے کرم کا فرق پہچان لے، جتنا توڑا سہ رسولؐ کو دیتا ہے
اسنا تو ہم ایک غلام کو دے دیا کرتے ہیں۔

اور میں تو کہوں گا سولہ! اس خان کرم پر ہمارے جابر قرآن، اپنے غلاموں
کا دل رکھ لیا اور جابر اطمینان ہو گیا کہ جب آپہ سادہ کے غلام کو اتنی بڑی دولت
دے سکتے ہیں تو یہ قیامت کے دن آپکے اپنے غلام آئیں گے تو انھیں کیا
دے دیں گے مصلحت،

لیکن عزیزانِ محترم! یاد رکھئے، یہ سب بھی سادہ کے غلام کو ملتا ہے
سادہ کو نہیں ملا، اگر امام حسنؑ نے واضح کر دیا کہ ہمارے یہاں خدمت
نہ ادا کرنے کی قدر ہے مقابلہ کرنے والوں کی نہیں۔

واقعہ یہ بھی واضح کر دیا کہ حکومت اور امامت کی نگاہ میں مال دنیا کی
بہت کم قیمت ہے، حکومت اعلان کر رہی ہے کہ مال دنیا میں رسولؐ کی قربت
بہاؤ ہے اور امامت آواز دے رہی ہے کہ ہم مال دنیا میں اپنی جوتوں کو
کرتے ہیں ہم خستہ از خستہ کورسات سے منسوب نہیں کرتے اپنی جوتوں
کھا کرتے ہیں۔ مصلحت،

وقت نہیں ہے حدِ واقعہ کے دوسرے خصوصیات پر بھی روشنی ڈال
اؤں اور یہ دیکھا جاتا کہ امام حسنؑ نے ایک ہی مانتوں کے مسائل کا حل
کر دیا ہے، اس وقت تو مصنفہ ائمہ عزم کرنا ہے کہ اہلبیتؑ کی واضح
کاری، ان کی عبادت و ریاضت، ان کا تہذیب و تقویٰ اور ان کی سخاوت و
اس مسئلہ پر تھا کہ ان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے،

نہ دنیا کے لئے اور اپنا سہ لے، ہم اہلبیتؑ کی فکر نہ کر، ہماری
فقرت کا دھڑکاؤ وہاں بکھلا گیا ہے۔

حضرتؑ! اب ایک مسافر غریب اور مہم سلسلہ کی بات ہے جس شخص کی
سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اسے دیکھ کر بڑے بڑے سلاطین وقت جنگ سے ہاتھ نہ
ٹاڑتے، مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ سادہ دینہ آیا اور اعلان عام کر دیا کہ لوگ
بائشہ وقت کو سلام کرنے کی غرض سے حاضر ہوں، خوافوں کا منہ کھلا ہوا ہے،
آج لوگوں کو تمام تقسیم کیا جائے گا لوگوں کا بھگے اور دولت تقسیم ہونے لگی۔
یہاں تک کہ امام حسنؑ کو بھی مجبور کیا گیا، آپ دربار میں آئے تو وقت تقریباً
لگے، سادہ نے اعلانِ دولت کی طرف اشارہ کیا کہ میں نے آئے میں عرض اس سے
دیر کی ہے کہ میرا خزانہ خالی ہو جائے اور مجھے فرزند کی کاٹھ دیکھنا پڑے تو یہی کہ
مجھ سے اب تک جس قدر مال تقسیم ہوا ہے اتنی ہی مقدار میں تنہا حق نہیں کو دے دیا
جائے، دشمن کا مل گواہی دے رہا ہے کہ جو حقیقت ساری امت کی ہے، وہ وقار
تہا دہرا کے لال حق تعالیٰ کا ہے۔

خوافوں کے منہ کھول دیئے گئے، جمہورات اکٹھا ہونے لگے، سادہ
سکھ رہا ہے، امام حسنؑ دیکھ رہے ہیں، جب سب مال اکٹھا ہو گیا تو سادہ نے
بڑے غرور سے کہا، لیجئے یہ مال آپکے لئے ہے آپ نے قبول فرمایا اور بچتے
کارا دیکھا، سادہ کے غلام نے بڑے بڑے خوافوں سے کہا کہ دیں، آپ نے مال کی
طرح اظہار کر کے فرمایا کہ تو نے میری خدمت کی ہے اور ہم اہلبیتؑ کسی کا حق
نہیں لیتے لہذا یہ مال میری خدمت کا صلہ ہے۔

ارباب کرم! دیکھا آپ نے خوافوں کا سادہ نے امام حسنؑ کو فرزندِ رسولؐ کو

خط و نصیحت فرما رہے ہیں، امام حق آگے بڑھے اور بڑھ کر فرمایا پھر آپ کے
ہے اتر آؤ جہاں تھا ہے باپ کا منبر پر وہاں جاؤ۔ لیچہ میں کچھ اس قدر جہاں تھا کہ
پچھنا ہمہ کرتہ مال سکا اور حاکم وقت کو منبر سے اترنا پڑا، یہاں بات ہو
شہر منگی کو ملنے کے لئے شہزادے کو گود میں لے کر منبر پر گئے اور منبر پر آیا
اب یہ ان کے باپ کا منبر ہے، جسکے باپ کا نہیں ہے۔

عزیزانِ محرم! داد آپ کی نگاہوں میں ہے اب ذرا ایک ایک
خط کا تجزیہ کیجئے تو کتنے ہی عقائد سامنے آجائیں گے شہزادہ صلح نے اپنے
باپ کا منبر جسکا اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ جیسے نانا کا بھی منبر
ہے اور جیسے بابا کا بھی منبر ہے۔ اگر بابا کا منبر سمجھتے ہو تو نہیں سمجھتے کا
حق نہیں ہے اور اگر نانا کا منبر سمجھتے ہو تو تسلیم کر دو کہ میں ان کا فرزند ہوں
اور بابا کے میدان میں ان کی صداقت و حقانیت کی گواہی کے لئے میں ہی
کیا خط مصلحتات،

اپنے باپ کے منبر پر جاؤ کہ کرات کی بے کسی کی طرف اشارہ کر دیا
کہ تخت و تاج پر قبضہ کرنے والوں کا کوئی ماضی نہیں ہے اداں کے کما بوا جلا
میں کوئی صاحب منبر تھا، اب یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس کے گھر کا منبر ہے
وہ زیر منبر رہے اور جس کے منبر کو نے منبر نہیں دیکھا وہ بالائے منبر بلوہ
انگن پر جائے۔

بادشاہ وقت نے بھی منبر سے اتر کر امام حق کے بیان کی تصدیق
کر دی اور مصحف حق نے آواز دی ابھی چند ہی دن گزرے ہیں جب
تم نے میری گواہی کو رد کر دیا تھا، دیکھا تم نے کس طرح میں نے اپنے

حقیقت اللہ کے لئے جلد ہے ہیں، نائے آگے آگے، اور خود پیادہ پا، دنیا
دیکھ رہی ہے کہ مشقت و زحمت کے ساتھ عبادت کیسے کی جاتی ہے؟ اور اللہ والوں
کی نگاہ میں خاں خدا کی عظمت کیا ہے اور جب مکان کی عظمت ہے تو مالک مکان
کی کیا جلالت ہوگی؟

عملی زندگی میں بھی امام حق کی استغاثہ قابل ملاحظہ ہے، از غر کی چند
ہی منبر لول سے گزری ہے مگر خندق، قیس، حنین، فتح مکہ، غدير، سارک
ملاقات نگاہوں سے گزر گئے اور سب میں کسی نہ کسی مقدار میں حصہ بھی لیا،
وفا بفر کے بعد مصائب کا سلسلہ شروع ہوا، حق بھٹا، گھر جلا، محسن کی
شہادت دات ہوئی، باپ کی حکومت گئی، ماں کی تکذیب کی گئی، اور امام
حقؑ حال کا گھرا مطالعہ کرتے رہے، جبر دن رونقے کے کا امت کو تار و پنگا
کو تمہاری بساط عداوت کیا ہے؟ جیسے باپ کا حق بھین لیا، میری
مادی گرامی سردیاری اس اداں کے دعویٰ کو رد کر دیا، حد یہ ہے کہ خود
بھی گواہی میں جیسا بھی حکم معلوم بچوں کی گواہی کو بھی نہ مانا۔
صحت کے معنی تصور سے ناواقف تھے تو کس بچوں ہی کی عصمت پر
اعتماد کر لیا ہوتا، آخر حضرت یوسف کے مسئلہ میں بچہ کی گواہی مانی گئی یا
نہیں لیکن یہاں تو فلسفہ ہی زور ہے، خیرات منبر پر تھا، رافضیہ ہو گیا،
موجو ہو فیصلہ کر دیا، وقت آنے دو میں تمہاری حقیقت سے
باخبر کروں گا۔

چند دن گزرے تھے کہ شہزادے کا گورنر کی طرف سے گویا، دیکھا
بادشاہ وقت منبر پر تشریف فرما ہیں اور اپنے خیال و خیال کے درمیان

میں اور جن میں بڑا فرق ہے، تم میرے فرزند ہو اور یہ رسول اللہ
 کے فرزند ہیں۔ یہ طرف بھی مولائے کائنات کے ساتھ درجہ دنیا کا کوئی اور
 انسان ہوتا تو بہت ہی کو اپنی طرف منسوب کرتا اور کہتا کہ میں ہوں،
 یہ طرفین سے ہاشمی ہونے کا اثر ہے، لیکن مولائے کائنات نے کہا
 کہ میری طرف منسوب کر کے دنیا پر واضح کر دیا کہ اپنے لئے
 جینا اور ہوتا ہے اور یہ منسوب کے لئے زندہ رہنا اور ہوتا ہے،
 مصلحت اور نہر دان میں بھی امام حسن کی یہی کیفیت تھی اور باپ
 کے زیر سایہ برابر عبادت میں حصہ لینے رہے۔ سلسلہ میں شام
 کا حکومت نے اپنی بے دریغ فکرت کا انتقام لینے کے لئے
 ابن بلم سے سازش کی اور کہہ کر وہ میں عین حالت مجبور میں ایلویشن
 کو شہید کر دیا اور علی نے اس شہادت کو بھی اپنی کامیابی قرار دیا
 فزت ورب البکیہ کا اعلان کر دیا شہادت ایلویشن کے بعد امام حسن کی
 زندگی کا مستقل دور شروع ہوتا ہے، اب تک کہیں ان کے ساتھ
 رہے، ان کے ساتھ، اب امت کے جملہ حالات کے خود ذمہ دار ہیں اور
 قوم کے مفاد کا فیصلہ اپنے ہی ہاتھوں میں ہے، چنانچہ آپ نے بابا کا شہادت
 کے بعد ایک تاریخی خطبہ پڑھا اور امت کو جملہ حالات سے باخبر کرتے
 ہوئے بہت سی دعاؤں اور دعاؤں کی اس بیعت کی اطلاع ملی تو ۶۰ ہزار
 کا لشکر روانہ کر دیا اور عراق کو زیر کرنے کا منصوبہ بنالیا، آپ نے بھی
 ہم ہزار کا لشکر قرب کیا لیکن ایک منزل پر جب آپ نے صلح امیر گھنٹہ کا
 سلسلہ شروع کیا تو فوج میں بنادت پھیل گئی اور لوگوں نے یہ نوٹ لگایا،

میں کا اقرار لے لیا اور انھیں منبرے اتار لیا۔

قرآن اس شہزادہ صالح فرزند رسول کے کو قیامت تک کے لئے تبرکاً
 فیصلہ کر دیا، ابھی بھی اپنے دماغے بادشاہ کے لئے یہ جواز نہ رہے گا کہ میں امت
 سے منبر لے جاؤں، اس وقت خلفا و سلطان سے منبر لے لیا، اس لئے کہ میرا امام حسن
 کے بزرگوں کا ترکہ ہے، انھیں امت کو قبضہ کرنے کا حق ہے زیادہ شاہ کو اس
 منبر پر جو بھی قدم رکھے گا وہ حق آل محمد کا غاصب ہوگا، اور غاصب کو مقدار
 نہیں کہا جاسکتا۔

دیکھا آپ نے، ایک خاموش انسان نے کس طرح بڑے بڑے
 خطیبوں کی زبانیں بند کر دیں، اور حقائق کے دریا بہا دیئے، پہلی منزل
 پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے بعد امام حسن نے سکوت اختیار کر لیا
 اور باپ کی روش پر قائم رہے، باپ خانہ نشین رہے تو فرزند نے بھی
 گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی، اور پھر سے سرحد کے بعد باپ جل کے
 میدان میں منظر آتا تو بیٹا بھی علم لشکر کے میدان میں آگیا، شہر و ماحد
 ہے کوئی میں مسلم لشکر محمد مصطفیٰ کے ہاتھوں میں تھا لیکن جب محمد مصطفیٰ بار بار
 حملہ کرنے سے رک گئے تو ایلویشن نے علم لشکر امام حسن کے ہاتھ میں
 دیا اور منبر لیا، سیکر لال نہر اس جانب مکمل کے اڈے پر حملہ کر دیا،
 امام حسن پرچم لے کر آئے پڑے اور چند گھنٹوں میں مکمل فتح ہو گئی، اڈے
 کو منبر لے لیا اور سکوانے ہوئے باپ کی خدمت میں آئے محمد مصطفیٰ
 حشر سے بچے رہ گئے اور علی کے آل نے سور کو سر کر لیا اور لائے
 کائنات نے دونوں کا دل رکھنے سے لے فرمایا، محمد پریشان نہ ہوا

مشابہہ کیا جاسکتا ہے، مجھے تو صفت یہ عرض کرنا ہے کہ شام کے حاکم نے سادہ کاغذ بھیج کر مانگ کر دیا کہ امام حسن کوئی غلط اقدام نہیں کر سکتے اور امام حسن نے بھی شرائط کو تو ادا ان مسلمانوں کی زبان بند کر دی کہ غزوہ ارباب مجاہدین کی بیعت کرنے کا الزام نہ لگا جس نے معاویہ کی شرائط پر عمل نہیں کیا ہے، معاویہ سے اپنے شرائط پر عمل کرایا ہے، اب اگر صلح کوئی بیعت کو نبی کے لال نے بیعت لی ہے، بیعت کی نہیں۔ صلوات

دوسری طرف معاویہ کے صلح نامہ کو رد نہ دینے سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ فریبکار حکومت، امت نہیں اور یہی وجہ کہ جب یہ سوال اٹھا کہ امام حسن حکومت شام کے مقابلہ میں دھوکہ کھا گئے اور انہیں حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ امت کی جھلک مسکرا کر ادا رہی کہ خدا کا شکر کہ دھوکہ کھایا ہے دھوکہ دیا نہیں، نادانوں اسلام میں دھوکہ دینا جرم ہے دھوکہ کھانا کوئی جرم نہیں ہے۔ صلوات

صلوات میں امام حسن نے کتاب خدا پر عمل کرنے کی شرط لگا کر واضح کر دیا کہ اگر حکومت خاتم کتاب و سنت پر حال ہوتی تو مجھے شرط لگانے کی ضرورت نہ پڑتی اس نے شرط اسلئے لگائی ہے کہ شام کی حکومت سے کوئی خط لکائے اس کے طرز حکومت کو واضح کر دے اور اس کے کتاب و سنت سے الگ ہو جائے کہ اقرار لے لیں، اب بتاؤ کہ میں امام باقر علیہ السلام سے صلح کرنے کو کچھ کھویا ہے یا کچھ پایا ہے۔ صلوات

سبب شتم کے بند کرنے کی شرط بھی اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ خاتم میں سید علی علیہ السلام ہے دوسرے مجھے بند کرنا نہیں ضرورت نہ پڑتی اب کوئی بنی امیہ کا تمک غلط یہ نہیں ہو سکتا۔ خاتم کی حکومت علی کے خلیفہ کوئی اقدام نہیں کیا اور غلامان بنی امیہ غاصب جو حرم پر مجبور کرتے ہیں تو یہ ان کی کوئی ایجاد یا بدعت ہے نہیں نہیں یہ یہ انداز حکومت خاتم پہلے اختیار کر چکی ہے، غلامان علی پہل نہیں کرتے لیکن جواب دینے میں کہیں بند ہی نہیں ہوتے،

کہ خدا کا اللہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح گمراہ ہیں، کھلی انھوں نے بھی صلح کر لی تھی اور آخر کار شکست کھا گئے تھے اور آج یہ بھی صلح کو کسے امت کو تکمیل دے سکا کرنا چاہتے ہیں۔ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ اب جو متحدہ رازخوں کا سامنا کرنا پڑا، اور معاویہ نے عراقیوں کی حالت دیکھ کر یا قاعدہ صلح کی پیش کش کر دی۔ اور یہ سوچا کہ اس طرح حسن کا سارا لشکر منتشر ہو جائے گا، اور میں سب کو اپنی طرف کھینچ لوں گا، صلح میں اتنا فراخ دلی کا مظاہرہ کیا کہ سادہ کاغذ بھیج دیا اور ہر شرط پر رضامندی کا اعلان کر دیا، امام حسن نے حالات کا گہرا جائزہ لیا اور فوج کی بغاوت کے امکانات پر بھی غور کیا، لیکن اپنے صلح پر رضامندی ظاہر کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ میں فوج کا نہیں بلکہ قاطر مرضی پر دنگ کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس صلح کے نتائج کی سختی سے لوگ مخالف تھے، جب بابائے صفین کے بعد تحکیم پر سکوت اختیار کیا تھا جب بھی لوگ مخالف تھے اور آج بھی بغاوت ہو گئی لیکن میں صلح کا دامن نہیں چھوڑ سکتا آپ نے صلح نامہ مرتب کر دیا اور میں طرح باپ نے تحکیم میں کتاب خدا کو حکم بنایا تھا اسی طرح بیٹے نے بھی دو دنیاوی شرطیں رکھیں پہلی شرط یہ کہ حاکم خاتم کو کتاب و سنت پر عمل کرنا ہو گا اور دوسری شرط یہ ہے کہ ابلیس و مفسدین پر سب نفقہ کے سلسلے کو بند کرنا ہو گا۔ گارنٹی نامہ مرتب ہو گیا، حاکم شام نے قبول بھی کر لیا، امام حسن نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور فوج میں حسب توقع بغاوت پھیل گئی۔ لوگوں نے مومنین کو ذلیل و رسوا کرنے کا الزام لگانا شروع کر دیا اور فرزند رسولؐ، نانا کی سیرت پر عمل کر کے مطمئن رہا۔

ماقہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور ہر مقام پر

میں نے زندگی کا خاکہ ہو گیا، انا حسین بے بہار ہو گئے، قائم و عبد اللہ تقیم
 کے نام سے دوسرے عارف کا سایہ اٹھ گیا، زینب بھائی سے جدا ہو گئی، ام محترم
 سیدہ ام کلثوم کی دیر کے بعد جنازہ قیام ہوا، انا حسین حسب وصیت خانہ کو لے کر
 سیدہ ام کلثوم کے مکان میں بنی امیہ نے راستہ روکا، ایک خاتون نے غیاب کی قیادت کی اور ہاتھی
 سیروں کے وقت حسب کو دیکھ کر خاتونوں نے تیروں کی بوجھل شروع کر دی، ام حسین نے
 خاتون کی کوشش کے مطابق باقی جو اڑن کو روکا اور اب جو جنازہ رکھا گیا تو بعد تیر جنازہ
 کے بعد موت پائی گئی، میں نہیں جانتا کہ بھائی پر کیا گزری اور مجھ پر غصہ اور عیاش جیسے
 پہاڑوں کی طرح طاقت کی لیکن اللہ میرے استقلال کو ان معائب کے باوجود جواز
 کو واپس لا کر میں دفن کر دیا۔

میں نے سلاطین ہادی جانی قربان، یہ منبر پر چلا بھائی کے جنازہ میں تیر
 دیکھے اور ان کے لیکن سلاستہ تر دیکھ کر صبر کرنا آپکا کام تھا اور تیروں پر حیم نازین کو
 صلوات دیکھ کر صبر کرنا آپکی بن زینب کا کام تھا، اللہ ارحم الراحمین، وہ زمین پر رکھا
 کا زلزلہ حسین کے مکان پر گھوڑے سے گزرا، وہ تیروں پر حیم نازین، وہ غم غلوں
 کا خیر و خیر، ان کی فریاد وہ قضا کر لیا اور اللہ جل جلالہ ان کے غم کو مٹا دیا
 میں نے ان شہادت پر انا حسین روزے غم نہ لیا، میں نے نہیں ملا
 کو شہادت میں یہ سید یا ہو کر کیا آپکے مرنے سے میری کڑوٹ گئی اور راہ چارہ و دیر
 مسدود ہو گئی، میں نے مصلحت یہ دی ہو کر ایک ہزار عیاش زندہ ہے میری کڑوٹ ہے
 لیکن جب کرایہ پر آج کل سے کوئی آئی تو میں نے ہاتھ نہ دیا، عیاشی کے لئے
 کڑوٹ گئی اور راہ چارہ و دیر مسدود ہو گئی، عیاشی کے لئے ہے میں کو ملو اور کہاں
 عباس اسٹور میں دیکھوں کو کیا جواب دوں؟ میرے بھتیجا.....!

حکومت شام نے بر وقت ان حالات کا امداد نہیں کیا لیکن چند ہی دنوں
 میں محسوس کر لیا کہ اس ملک میں حکومت کو گھسا ہوا ہے اور انا حسین نے صلوات کر کے تیر بیرون
 کی قید کر دی ہے، اب کسی مسلمان کو ان کی صلوات پر اصرار کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ
 میری خلافت و رزی پر اصرار کرنے کا حق ہے اس لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ انکی زندگی
 کا خاکہ کر دیا جائے اور توہین و ذلت کا یہ سلسلہ بند ہو جائے حکومت کیلئے یہ کام کوئی اہم
 کام نہیں تھا، اور انکو مشین اپنی زندگی میں فرما گئے تھے جو حکمران کو گھور زیادہ ہوشیار بنیں
 لیکن کیا کروں میرا اقدار میں دین حال ہوا ہے۔ اسے اداس دین کی کوئی بدعا
 نہیں ہے، چنانچہ اس نے آپکی ایک زود چرخہ زینت اخوت سے ساز باز کی اور ایک
 دہم انعام کے عوض آپکے خیر و خیر دیا، نہ ہر کام کی حیا اور امام حسین دنیا سے اتنا
 فرما گئے لیکن دنیا کے افسانے برواق ہو گئے اور غلویت امامت کا شکار اور اہم حکومت
 کا بطلان امامت اسلام کے آئینہ پاک قال ہو گیا اور حکومت تخت تاج کے لئے اس
 کے بعد کیا نہ ہوئے سکتے

نہروا چکا اور نہر کا انرجیل، عالم برحق کو امام حسین کا ہم اندس بنز ہو گیا اور
 ایک شخص کی کیفیت جاری ہو گئی، بن زینب قریب پہنچی نہیں اعزاز افرام کا بھی تھا کہ
 ایک مرتبہ تھے مرنے لگی اور میں نے دیکھا کہ بھائی کے منہ کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گئی ہیں
 آ رہے ہیں، کن بن ہو گئی جو اس منظر کو دیکھ کر تھکا تھکا رہے زینب کا حوصلہ،
 میں نے بھائی کے منہ کے ٹکڑے دیکھے اور کہا میں بھائی کے ساتھیوں کے
 بہتر لانے دیکھے، یہاں بھائی کو موت کے رستہ پر دیکھا اور دباں بھائی کو شہر کے
 خنجر کے نیچے دیکھا لیکن زبان فریاد کی زبواں بدعا کے لئے ہاتھ اٹھا، ہاتھ
 اٹھے کسی زود عالجے لئے۔ ہر درکار سے حسین کی فریاد قبول کر لے۔

گھر میں رہے تو خیمہ میں آگ، بکھنا چاہے تو دامن میں آگ، خاک پڑھ جائے
نظاموں کے طمانچے اور گھبراہٹ کی لاش کے قریب آجائے تو شرمیلوں کے تازیانے
زمین کو بلا کا لڑکھ، بکھن کی فریاد، بابا خمر نے طمانچے مارنے، بابا چادر میں چھن
گئیں، بابا گوشت رازے اتار لئے گئے، بابا خیموں میں آگ لگ گئی، بابا آپ سوک
ہیں اور بکھن جاگ رہی ہے، بابا وہ سینہ کہاں ہے جس پر میں سوا کرتی تھی،
یہ آپ کے سینے پر تیر کیسے ہیں، یہ آپ کا جسم زخمی کیوں ہے، بابا! یہ آپ کے
جسم پر کیوں نہیں ہے؟ بابا.....

اُن وہ بچی جواندھروں میں سحر و حوثوق تھی
باپ کی لاش سے لپٹی ہوئی سر و حوثوق ہے

اَنَا لَشَيْءٍ طَائِفٌ فِي الدُّنْيَا
وَسَيَعْلَمُ الدِّينُ ظَلَمُوا أَيْ مُنْقَلَبٌ



عزاداد! بیان آخری منزل تک آگیا ہے، ایک جلد کہہ کے مجلس کو تمام کر دینا
چاہتا ہوں، صاحبانِ ادلاء کا مجمع ہے، ایک لمحہ کے لئے سوچیں، اہل حق کے لئے سارے
صدے ایک طرف ہیں اور کسمن بچے کی خیمہ کا خیال ایک طرف۔ ہائے وہ ماں کیسا
محرم جس کا دُور بس کا بچہ قیم ہو گیا ہو، وہ بی بی کیا کرے جس کی آغوش میں مرحوم
شہرہ کی یادگار ہو، اور حسرت سے باپ کے جنازہ کو دیکھ رہی ہو، وہ اپنے والی کا ماتم
کسے یا اپنے کسمن بچے کو پہلائے، غم دائم کی ماری خاتون اپنے حالات کا مژدہ پڑھے
بابا اپنے بچوں کو لڑیاں دے، کون گھبراہٹ سکتا ہے کہ غم کیسا ہے اور دامِ غم کے
دل پر کیا گزرمی ہے لیکن میں اتنا عرض کر دوں گا کہ بی بی آپ پر لیٹا ہوا ہوں، خدا
رکھے ابھی جیتیں گا سایہ قائم ہے، ابھی عباس جیسا جوان موجود ہے، ابھی نسکین دینے
کے لئے خیر ادا کر دیتے ہیں، ابھی بچوں کو پہلانے کے لئے بی بی ام کو تھم ہیں، ابھی خواتین
کا مجمع ہے، ابھی ہاشمی گھرانے کی عورتیں موجود ہیں، بی بی! ابھی غم ایک ہے اور غمگسار
ماتم ایک ہے اور ماتم دار بہت، صدر ایک ہے اور نسکین دینے والے بہت، مگر اس وقت
کیا کہیے سدا احوال غمزہ ہوگا، جس بی بی کو دیکھا کسی کی مانگ ابھر گئی، کسی کی
گود خالی ہو گئی، کسی کا جوان بیٹا ملا گیا، کسی کا بھائی خیمہ ہو گیا، کسی کا ستاؤ بچہ ہو گیا
کسی کا قدیم میدان سے لپٹ کر نہیں آیا، ہر طرف غم، ہر طرف مصیبت، ہر طرف لاشیں،
ہر طرف کوہِ اہم، ایسے میں جب آپ کے لال کا پامال جنازہ آئے گا تو کیا کہیے گا، اور
جب غسل میں آپ کی گود کے پالے کے ہاتھ چھپا کر قرآن پڑھیں گے تو کیا عالم ہوگا، اور
بی بی! آج آپ کا کسمن قرآنِ قدیم ہوا ہے تو خدا رکھے نسکین دینے والے ہیں، پہلا
دالے ہیں، گود میں کھلانے والے ہیں، مگر بی بی! جب کہ بلا میں بکھن قیم ہوگی تو
اس وقت کا عالم ہی عجیب ہوگا، نہ کوئی نسکین دینے والا، نہ کوئی پُرسہ دینے والا

بجانب امام حسین علیہ السلام

اسم مبارک	:	حسین
لقب	:	سید الشہداء
نسب	:	ابو عبد اللہ
والد ماجد	:	جنا ب کاظم
والد ماجد	:	حضرت علی
ولادت	:	شیان العظم
ازدواج	:	پانچ
اولاد	:	پندرہ
شہادت	:	ارحرم القسم
حضرت شریف	:	۵ سال
قبر مبارک	:	کربلائے معلیٰ

انجمن محصل دستان عظمت سر سید القہار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید الانبیاء
والمرسلین خاتم النبیین سیدنا و مولانا ابی القاسم
محمد و آله الطیبین اطہارین و صلوات اللہ علی اعدائهم
اجمعین۔ اما بعد فقد قال اللہ العظیم فی کتابہ الذکریم

لھما اللہ الترحلن اکثر حیث

بِئْسَ مَلِیْنَا لِلْعَدُوِّ وَ اَبَدْنَا لَاحِقَ حَرْوَةٍ وَ اَلَدُوِّ

ارشاد جناب احدیہ ہوتا ہے، جنگ ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور
دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

آیت کریمہ نے صاف واضح کر دیا کہ ملک کائنات نے انسان کی ہدایت کی ذمہ داری
اس کے سر نہیں ڈالی اور اسے بے مہار نہیں بنایا بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر اس کی راہنمائی
کا انتظام کیا ہے اور حیات کے ہر شعبہ میں اس کے لئے قواعد و قوانین وضع کر دیئے
ہیں۔ اب یہ انسان کے اختیار کی بات ہے کہ وہ خدائی اہتمام پر اعتماد کرے یا اپنے
لئے الگ سے کوئی نظام ہدایت مبین کر لے۔ الہی نظام پر اعتماد کرنا بھی کوئی معمولی
بات نہیں ہے، اس کے لئے بے شمار قرایاں دینی پڑتی ہیں، غصے کو پامال کرنا
پڑتا ہے، زندگی کا دنیا کو تباہ کرنا پڑتا ہے، غصے کو دنیا کو تباہ کرنا پڑتا ہے اور
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بظاہر اپنا ہر کے بھی دوسرے کا ہوجانا پڑتا ہے
نہ انسان کا کوئی ارادہ رہ جاتا ہے، نہ اختیار، نہ خواہش رہ جاتی ہے نہ پسند
نہ مکر رہ جاتی ہے نہ مشیت، اب جو نامندہ الہی چاہے وہی اپنی پسند ہے،
اور جس پر اس کی نظر عنایت پڑ جائے وہی اپنا منظور نظر ہے۔

سر سید الشہداء نے سر زمین کربلا پر قدم رکھنے کے بعد اسی محنت و کوشش
کا ایک بزرگ بندگان دنیا میں، دین و فقط زبانوں پر مسٹر صاحب ہے
دنیا سلامت رہتی ہے دین کا نام لیتے ہیں اور وہ دنیا خطرہ میں پڑ جاتی
ہے کہ جو جو ذکر الہی ہو جاتے ہیں، امام حسین سے بہتر اس حقیقت
کا دلائل کون ہو سکتا ہے، آپ کے پاس علم امامت بھی ہے اور تجربہ حیات
آپ نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس میں سمجھنا چاہا
کہ ان کی آنکھیں بند ہیں اور جو دنیا سے بیکسر غافل ہو گئے ہیں، مقصد
کو الہی نظام پر ایمان لانے اور نہ لانے میں وہی تسویر ہے جو
امام حسینیت اور نبوت میں تھا، نظام الہی کے ذریعہ کا نام حسین بن علی
اور نظام دنیا کے پرستار کا نام یزید بن معاویہ اور حقیقت اس لئے
کھلی گئی تھی کہ دنیا کر ہلک کر دے اور شاہوں کی جگہ نہ کہے اور یہ
جگہ کھلے کہ یہ ایمان و شقاق کا سر کر ہے، اسلام و کفر کی جنگ ہے عین
اسی راہ روی کا سر کر ہے، آدمیت اور الجہیت کی لڑائی ہے۔ محمدیت
اور شیطانیت کی مٹاؤ لڑائی ہے، محمدیت کے ناسندہ کا نام حسین اور شیطانیت
کے بقیتہ السلف کا نام ہے یزید۔

سر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے بیان کا حوالہ دینے کا مقصد
یہ ہے کہ آج کے اس سلسلے میں اسی عظیم شخصیت کا تذکرہ کرنا ہے
اور مختصر لفظوں میں اسی ہستی کے حالات و کردار پر روشنی ڈالنا ہے، امام حسین
کے کردار کے لئے سید الشہداء کا نظریہ بہت کافی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ
زمین پر اس سے بڑا کوئی لقب نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں

تورات پر جانے، چاہے اس کا مقصد کسی ایک جماعت اور گروہ کی نظر میں بہت دہرا،
اور عجیب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو بچے کنایہ پر لگا کر علامتی میدان میں لفظ شہید
ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی عظمت سے دنیا کا کوئی انسان ہٹکار
نہیں کر سکتا، شاید ہی رازدہا ہو کہ پودہ لگانے اپنے جملہ نامزدوں کی شہادت مقدہ
کو دی اور یہ چاہا کہ یہ دنیا سے جانے کے بعد بھی منزل عظمت پر فائز رہیں، لہذا بھی
عظمت ہر قوم و ملت میں سلم رہے، یہاں بات ہے کہ ان میں اکثر شہادتیں وہ ہیں جنہیں میں
پردہ ڈال دیا گیا، اور دنیا کو ان کی اطلاع بھی نہ ہو سکی، یا خبرات کی اطلاع ہوئی اسباب
پردہ راز میں رہ گئے اور نہ حقیقت کھل کے بھول ہو جانے کی بنا پر شہادت کا صحیح فیصلہ نہ ہو سکا
امیر المومنین بھی شہید ہوئے اور امام حسن مجتبیٰ بھی حضور اکرم بھی شہید ہوئے اور حضرت علی
بھی، امام زین العابدین بھی شہید ہوئے اور امام محمد باقر بھی، امام صادق بھی شہید
ہوئے اور امام کاظم بھی، امام رضا بھی شہید ہوئے اور امام سجاد بھی، امام علی بھی شہید
ہوئے اور امام عسکری بھی لیکن ان میں اکثر شہادتیں وہ ہیں جن پر پردہ ڈالا جا رہا ہے
اور دنیا انہیں مشکوک بنائے ہوئے ہے۔ ہاں ایک شہادت ایسی ہے جس پر کوئی
پردہ نہ ہو سکا اور نہ ہو سکتا تھا، قدرت نے اس کے لئے خاص انتظام کیا تھا، انبیاء
مراہم کے دور سے اس کا اعلان ہوا تھا، قائم النبیین کی زبان سے نکل رہی تھی حسن
جنتی کے بیانات سے اظہار ہوا تھا اور پھر علی طور پر دین چھوڑ کر، مکہ کو ترک کر کے،
کوہ سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایک جھوٹا انتخاب کیا گیا، بچل کو ساتھ لیا، عورتوں
کو بیٹھ سفر بنایا، قافلہ تیار کیا، رفتار و احباب قلم کئے اور اس کے بعد شہادت
کا حلقہ دیا، ان کو کسی دور میں اس شہادت پر پردہ نہ پڑ سکے اور کوئی حکومت
اسے زبان کئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہر راہ حق میں قربانی دینے والا شہید ہوا اور امام حسین

ہو گئے، سب کی عظمتوں پر پردے ڈال دیئے گئے لیکن حسین کی عظمت
میں مسلم ہو گئی اور اس شہادت کا طویل بھا کر جو خدا اور رسول کے پرستار
ہوئے وہ بھی حسین کے قدموں میں سر جھکائے ہوئے ہیں جو اسلام اور ایمان کو
پہنچاتے وہ بھی حسین پر ہنسنے جاتے ہیں اور حسین آواز دے رہے ہیں پھر
اللہ میں ایک نانا کا نواسہ اور ایک خدا کا نامزد ہوں، تم میرے قدموں
میں نہیں خدا تک پہنچاؤں گا، خبردار میری منزل تک آکر ٹھہرنا جانا
میری معرفت مجروح ہو جائے گی، دیکھو میں نے تمہاری ہدایت کا کتنا
انتظام کیا ہے کہ جب ساری دنیا میری طرف متوجہ تھی تو میں خاک گرم
رہ کر با تھا، اس کو سب میری طرف آئیں اور میں خدا کی طرف لے جاؤں، صلوات
پر ہے عظمت حسین، جو منہ حسین کا حصہ ہے اور جس میں کوئی دوسرا
نہیں اور حصہ دار نہیں ہے اور جسے خدا نے بھی اہمیت دی ہے اور اعلان کر دیا ہے
کہ حسین میں نے تجھے شہادت کے عرصہ میں فیصلتیں عنایت کی ہیں، شفا تیری
میں رکھی ہے، قبولیت دعا تیرے رد نہ ہو پر رکھی ہے اور امانت کو تیری
میں قائم کر دیا ہے۔

اب کون پوچھے کہ حسین کی عظمت و منزلت کیا ہے، خدا خفا، قبولیت
امانت دے رہا ہے، رسول مجدہ میں پشت پر بٹھائے ہوئے ہیں، عیدیں
ان سے پراٹھا رہے ہیں، گھر میں زبان چڑا رہے ہیں، محفل میں پیار کر رہے
ہیں، محراب میں سجدہ کو طول دے رہے ہیں، منبر و مفاصل کا اعلان کر رہے ہیں
دعائے گھر شہادت کی داستان مٹا رہے ہیں، اطمینان کی محفل میں معرفت کا
حق دے رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی عظمت حسین کے اعلان پر

آدم کے ہر تہ پر اے رسولی اور علی کے وارث اسلام ہر تہ پر اے محمد مصطفیٰ

مستزلی ولادت میں مدت کے مختصر رکھنے میں خلید یا خارہ رہا ہو کہ میرے
ان نے عام بچوں سے ہٹ کر تیری ولادت کو مختصر رکھ کر بھی مجھے طویل حیات
دیا اب تیری قدر داری ہے کہ اگر میرے دین پر وقت بڑ جائے تو ضرورت میں میری
سب سے دین کو دائمی حیات دیدینا، جس میں نے بھی طے کر لیا کہ پروردگار تو نے مجھے
اسی مدت میں حیات دی ہے تو میں بھی اپنے چھ ماہ کے بچہ کو قرآن کر کے تیرے
مطلب کے دوام دے دوں گا۔

ولادت کی خبر پر کرمل ائم بیت الشرف زہرا میں تشریف لائے، آواز دی میرے
گرواؤں جناب صفیہ خواہر جناب حمزہ نے عرض کی حضور ابھی بچہ کو غسل نہیں دیا گیا، آگے
آگے دھابہ نالوں قلاؤں فرمایا یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا میرے بچے کو بھی طہارت
ضرورت ہے، جلدی لایا، جسے اللہ کے طیب و طاهر بنایا ہے اس کے غسل و طہارت
کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھا کہ آپ قدرت نے اپنے ناسدہ کو کیا طیب و طاهر بنا کر بھیجا ہے غسل
کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ غسل مولود ایک امر مستحب ہے واجب نہیں ہے
تو نہ نجاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ذمہ داری اخلاقی ہے،
اور اس کے برعکس غسل نہایت واجب ہے، موت کے بعد انسان پر ایک ایسی کیفیت
طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے غسل دینا واجب ہو جاتا ہے، یہی اور امام کے یہاں یہ
کیفیت بھی نہیں پیدا ہوتی لیکن قانون کو جاری رکھنے کے لئے ان کے یہاں غسل
بڑا ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ غسل بر بنائے نجاست نہیں ہے یہ اہتمام کیا جاتا

آدم ہے اور رسول اکرم بھی اور کیوں نہ ہوتا دونوں کو معلوم ہے کہ میرے نام کی بقا
حیثیت سے ہے، خدا کو معلوم ہے کہ لا الہ الا اللہ حیثیت کے دوسرے باقی رہے گا، نبی کو معلوم
ہے کہ محمد رسول اللہ کا کلمہ حیثیت ہی زندہ رکھے گا۔

مراد خدا دوست و دوست خیر و جفا کرنے والا اللہ است حیثیت

اہ خیران مسئلہ کی تیسری تاریخ تھی جب یہ زہرا کا چاچا عاتق امامت پر غروردار
ہوا، اور امام الفضل کو اپنے خواب کی تعبیر ملی، ولادت میں بھی قدرت نے ایک خاص
اہتمام رکھا کہ زہرا کے اس فرزند کو شکم مادر میں صرف چھ ماہ رکھا اور اس کے بعد ایک
طویل حیات عنایت کی جو دنیا جاتی ہے کہ پندرہ شکم مادر میں کم از کم نو ماہ کی مدت گزارنا
ہے اور پھر ماہ کی مدت میں پیدا ہونے والا بچہ زندہ نہیں رہتا لیکن تاریخ کا بیان ہے
کہ یہ امتیاز قدرت نے صرف جناب کچی اور امام حسین کو عنایت کیا تھا کہ چھ ماہ کی مدت
عنایت کیا اور زندہ بھی رکھا اور خلید ایسی لئے امام حسین اکثر خواب بھی کاتہ کر دے کرتے
تھے اور دونوں کے واقعات بھی ایک جہت کی مشابہت و مناسبت بھی پائی جاتی
تھی، بعض حضرات نے اس ذیل میں جناب علیؑ کا نام بھی لیا ہے، لیکن مجھے اس سے
بہت غریب ہے، مجھے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ قدرت نے امام حسین کو ولادت سے
ایک ماہ قبل دیا ہے، باپ مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالب، ماں خاتون قیادت صدیقہ
طہرہ فاطمہؑ، نانا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ، مصلیٰ الشریعہ و کاملہ دین عالمی و خاتم النبیین
بھائی امام علیؑ، داری حضرت فاطمہؑ زنت اسرار بیرون کمال ہر شاہ پر فضیلت،
ہر قیمت سے عظمت اور ہر اعتبار سے شہداء، ایک بھائی کے امام ہوئے ہوئے
امامت لہذا در سکا نبیاد و مرسلین کی در امت میں شہادت ملیہ سلام ہو تجھ پر اے
آدم کے وارث، سلام ہو تجھ پر اے تو کے وارث، سلام ہو تجھ پر اے ابراہیمؑ

اسکے طبیعت پیدا ہی طیب و طاہر ہوتے ہیں، ان کے یہاں پاک کرنے اور نہ
نے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

انفرادیت کا تذکرہ ہے تو چند خصوصیات کی طرف اور اشارہ کر دیا جائے، امام
حسن کی زندگی میں اکثر ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جن میں امام حسنؑ برابر کے شریک
ہوئے۔ جیسا کہ الفضل کا خواب، حمید کے دن و شب رسولؐ پر سوار ہونا، سجدہ میں پشت
کے ساتھ بیٹھنا، مبارک کے میدان میں جانا، آیت تطہیر میں شامل رہنا، سدہ دہر کے
دول کی منزل میں بہار ہو کر نزد کرنا، کثرت کے فیصلہ میں حصہ لینا، ہرنی کے بچے کا
جانا، فک کا گواہی دینا، جنت کا سزا دینا، لیکن اس کے باوجود ان واقعات
کو انفرادیت ہی میں شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ انفرادیت کا تعلق امت کے دوسرے
انفراد سے جو طلبہ طبیعت تو آپس میں سب ایک دوسرے کے شامل ہیں، یہاں یہ مطلقاً
ہی غلط ہے کہ کسی میں کون سا کمال ہے اور کسی میں کون سا کمال نہیں ہے، منزل
انہما میں فرق ہو سکتا ہے لیکن منزل کمال میں کسی فرق کی گنجائش نہیں ہے بجز
یہی ہیں جن میں ایسے خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا جو پروردگار عالم نے خصوصیت
کے ساتھ امام حسینؑ ہی کو عنایت کئے ہیں ان سے دوسرے ان کی عظمت پر اثر نہیں
پڑتا لیکن امام حسینؑ کی عظمت کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

مسجد میں مسئلہ اٹھ رہا ہے، منبر پر تشریف فرما ہیں، مسائل شریعت کا بیان
ہو رہا ہے، آیات قرآنی کی تفسیر ہو رہی ہے، احکام الہی پہنچائے جا رہے ہیں، کہ
ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے دیکھا جو ماہی خزاہہ چلا آ رہا ہے۔ پیردامن میں اٹھا بچہ
زمین پر گرا، پیغمبرؐ نے خطبہ قتل کیا، منبر سے اترے اور بچے کو منبر پر لے گیا کہ
نئے سرے سے بیان شروع کیا۔ مسلمانو! اے پیچھا نہ یہ میرا حسینؑ ہے، اس کی

بیماری معلوم کہ اتھ نہیں لگانے دیا جاتا، تاکہ دنیا پہچان لے کہ اگر موت سر
نہایت پیدا ہو گئی ہو تو برکس دنیا کس کو غسل دینے کا اختیار ہوتا، لیکن یہاں
موت نے اتنا طیب و طاہر بنا دیا ہے کہ زندگی پر غیر معلوم کو اتھ لگانے کا اختیار
متعارف کے بعد اب وہ اختیار بھی نہیں رہ گیا۔

اب یہاں آپ نے کہ امام کی منزل کیا ہوتی ہے، اداس کی حیات و موت کا
قدرت نے کیا اہتمام کیا ہے، لیکن مجھے تو یہ عرض کرنا ہے کہ قدرت نے یہاں بھی امام حسینؑ
کو ایک خصوصیت عنایت کی کہ ہر معلوم کے یہاں کسی دیکھ بھال پر غسل بہت برقرار رکھا، امام
حسینؑ کو نہایت کا مدد دے کہ اس غسل سے بھی انگہ نہ دیا، آخر میں غسل دلا دیا سے بھی
انگہ نہ رکھا اور انہما میں غسل بہت سے بھی انگہ نہ دیا، بچے کی طہارت کیسے ہے؟
اداس طہارت کا منزل کیا ہے؟ یہاں کسی غسل کی گنجائش نہیں ہے، اس کا آغاز بھی
طیب و طاہر ہے اور اس کا انجام بھی طیب و طاہر۔

مجھے وہ غسل کی بحث میں نہیں جانا ہے ورنہ اس کے بارے میں بھی عرض
کرتا۔ اداس تمام غیبتات کی طرف اشارہ کرتا جو اکثر ذہنوں میں پائے جاتے ہیں ان کو
تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ میری بحث ان غیبتوں سے ہے جن کا تعلق انسان کے ذاتی
وجود سے ہے اور میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آل محمدؑ ذاتی طور پر طیب و طاہر بنا کر
بچے گئے ہیں۔ نہ ان کے آغاز وجود میں کسی نجاست کا تصور ہے نہ انجام وجود میں
مجھے عارضی مسائل سے بحث کرنا نہیں ہے ورنہ ان پر بھی روشنی ڈالتا۔ اس وقت
عرض یہ عرض کرنا ہے کہ کثرت تطہیر کے دائرہ کی دست پر بحث کرنے والے نئے نئے کایہ
فرمان حسینؑ صغیر جلیلیؑ، میرا بچہ طاہر ہے، اے طہارت کی ضرورت نہیں ہے
دنیا پاک کرے اور پاک رکھے کی بحث میں پڑی ہوئی ہے اور پیغمبرؐ واضح کر رہے ہیں

حسین کی منزل کیا ہے؟ بیان پیر حدیث ہے اور میرا حسین قرآن ہے اور احباب قرآن حدیث کے سامنے آجایا جگا تو حدیث کو کرنا پڑے گا اور قرآن کو مقدم کرنا پڑے گا رسول اسلام نے منبر سے اتر کر اس حقیقت کو مانج کر دیا کہ اب کوئی منبر پر بیٹھنے والا اس قرآن ناطق کے سامنے حدیث کا نام نہ لے، یہ تو فقط انقلاب امت تھا کہ چہ پی و ذل کے نبی قرآن ناطق کے مقابل میں حدیث منبر پر نہ بیٹھیں۔

ارباب کوم! ذرا غور کریں، صاحب حدیث اپنی حدیث کو رد کر کہ حسین کلمات کو آگے بڑھاتا ہے اور امتی حسین کے سلسلے کے گھولنے کی بات کاٹ کر حدیث کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اور حدیث بھی وہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے، صاحب حدیث کا حدیث تو کچھ ہٹ جائے اور لاوارث حدیث آگے بڑھ جائے یہ ہے امت اسلامیہ کا اسلام اور یہ ہے جسنا کتاب اللہ کا نبی۔

رسول نے خطبہ قح کے یہ بھی داغ کر دیا کہ محمد نے موعود بولا ہیں، غور ارادہ نہ کیا کہ حلال و حرام شریعت کو چھوڑ کر حسین کے فضائل شروع کر دیئے اور اپنے ذریعہ تبلیغ سے ہٹ گئے، نہیں، نہیں، یہ حسین کے کلمات بھی مسدود تبلیغ کا ایک جزو ہیں اور میں نہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب تک جتنے احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں ان کا زخم رکھنے والا حسین ہی ہے، میرا اسلام تبارک دم سے انہما حسین کے دم سے زخم رہے گا، میں نے حسین کا ستارہ اس لئے خریدی گھوا ہے کہ لوگ میری شریعت کو لاوارث نہ سمجھیں یا اپنے ہی کو وارث نہ سمجھ لیں، میں نے خطبہ کو قور کر داغ کر دیا ہے کہ محمد ص کا وارث حسین ہے کوئی وارث نہیں۔

معدہ رسول میں بھی حسین کی شان کچھ خالی ہی ہے، مسلمانوں کا بھی ہے

معدہ رسول میں بھی حسین کی شان کچھ خالی ہی ہے، مسلمانوں کا بھی ہے
 صورت حاصل کرو، اس کے فضائل پہناؤ اور وقت بڑھائے تو اس کی مدد ملے گی کہنا۔
 کہاں سرکار و دعائم کا خطی، حلال و حرام شریعت کا بیان، احکام الہی کی تسلیت اور کہاں بچہ کا گونا گونا، کھلا اس گرنے کی اہمیت کیا ہے، بچے گرتے ہی رہتے ہیں، اصحاب کا منجھتا، شخص کسی کو آخارہ کر دیتے وہ بچہ کو بڑھ کر اٹھا لیتا، خطبہ کو قطع کرنے کی کیا ضرورت تھی، یہ منبر سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، اور اگر اتر بھی آئے تھے تو بچہ کو اٹھا بھی لیا تھا تو منبر پر لے جانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر لے بھی گئے تھے تو سارا بیان چھوڑ کر فضائل بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ عجیب نازک منزل ہے، میری تو نگاہ میں نہیں آتا کہ یہ کھینچ کر سادہ الفاظ میں نہ خطبہ کیا ہے اور بچہ کی قیمت میں ہٹ گئے ہیں تو اسلام جاتا ہے اور یہ کھینچ کر حسین کے سپر سبیل گئے اور گرنے لگا یا جان جاتا ہے، ایسا مصوم کے قدم میں لٹو نہیں کہاں ہو سکتی ہے، یہ کھینچ کر بچہ بچہ رہے ہوں گے اور عرض میں ہٹ کر حسین کے فضائل بیان کرنے کے لئے تو ذہب اٹھ ہے جانا ہے، کیا کہہ کر کہہ کہنے کی جرأت نہیں ہے، کیا یہ کھینچ کر سب کے لئے حسین کا آنا تھا کہ خطبہ میں مسدود میں گنا بھی تھی، سادہ الفاظ کو قطع کرنا بھی تھی، منبر سے اترنا بھی تھی، بچہ کو اٹھانا بھی تھی، خطبہ اور دہرہ منبر سے کھینچ کر فضائل بیان کرنا بھی تھی، خطبہ اور سال یہ بیٹا اترتا ہے کہ افران تمام اہل بیت کا خطبہ تھا، یہ فضائل آل شریعت کی منزل ہے، اس کو گچھے کے لئے جانا چھوڑ دیا ہے، یہ منزل ہلکے کے پس کی بات نہیں ہے، دائر میں جو کچھ ہوتا تھا صاحب بیان حضرت علی اور علی پروردگار تھا، خدا ہوتا تھا کو حسین مسدود میں گنا کر گریا، منبر سے اتر کر اٹھا اور پھر منبر سے بیان ہل کر حسین کا قہار کا نہیں تا کہ دینا بچان لے کر دیر

حرفت حاصل کرو۔ اس کے فضائل بہمانہ اور وقت پر چلنے کو اس کی مدد بھی کرنا۔

کہاں سرگارد و عالم کا خطبہ، حلال و حرام شریعت کا بیان، احکام الہی کی تبیین اور کہاں بچہ کا گونا گونا، سبیلہ اس کرنے کی اہمیت کیا ہے، بچے گرتے ہی رہتے ہیں، اصحاب کا جتنے تھا، حضورؐ کی کافر خاہ کر دیتے وہ بچہ کو چھو کر اٹھا لیتا، خطبہ کو قطع کرنے کی کیا ضرورت تھی، یہ منبر سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، اور اگر اتر بھی آئے تھے اور بچہ کو اٹھا بھی لیا تھا تو منبر پر لے جانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر لے بھی گئے تھے تو سارا بیان بھڑک کر فضائل بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ عجب نازک منزل ہے، میری تو نگاہ میں نہیں آتا کہ یہ کھدول کو معاذ اللہ پیڑوں سے نکال دیا جائے، اور بچہ کی فتنہ سے بچ سکے ہیں تو اسلام جاتا ہے اور یہ کھدول کو حسین کے پیر پھیل گئے اور گئے تو ایمان جاتا ہے، ایسا معلوم کے قدم میں غرض کہاں پر کھنٹی ہے، یہ کھدول کو پیڑ پر تیار رہے ہوں گے اور غرض میں بچہ کو حسین کے فضائل بیان کرنے کے لئے ذہبِ اقدس سے جاتا ہے، کیا کہیں کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہے، کیا کچھ کھدول کو یہ سب کچھ چھوڑ دینا کا آنا کچھ کچھ غلامی سمجھ میں آتا بھی ہے؟ خطبہ کا قطع کرنا بھی کچھ تھا، منبر سے اترنا بھی کچھ تھا، بچہ کو اٹھا بھی کچھ تھا، اور وہ منبر سے کھدول کو فضائل بیان کرنا بھی کچھ تھا، اور سالہ پہلے ہوتا ہے کہ اگر ان تمام امور کی ضرورت تھی تو خطبہ کے فضائل آگے نہ لائے، اس کو کچھ کہنے کے لئے جانا کچھ دیکھ رہے ہیں، منبر پر ایک سے ایک بات نہیں ہے، واقعہ میں جو کچھ ہوتا تھا سب میں مغیبت اللہ اور غیبت پروردگار تھا، خطبہ جتنا تھا کو حسینؑ میں آکر گریں، منبر سے اتر کر اٹھا اور پھر منبر سے بیان دیا کہ حسینؑ کا قتل کرائیں تاکہ دنیا بچاں لے کر دیر

بیان کیا ہے، ۱۰ بیان پیڑ پر حدیث ہے اور میر حسینؑ قرآن ہے، ایہ قرآن کو منبر سے آگے بٹکا تو حدیث کو کھدول پر سے گا اور قرآن کو منبر سے کھدول پر سے منبر سے اتر کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اب کوئی منبر پر کھنٹی نہیں، اہل حق کے سامنے حدیث کا نام نہ لے، یہ تو نقطہ انقلاب امت تھا، اہل حق کے لبہ ذکر ان اہل حق کے مقابل میں حدیثیں پیش کرنے لگیں۔

اب آپ کو ہم! ذرا غور کریں، صاحب حدیث اپنی حدیث کو روک کر حسینؑ کو کچھ کہنے دے رہا تھا ہے اور امتی حسینؑ کے سامنے کھدول کے بات کاٹ کر کھدول کو کچھ کہنے دے رہا تھا ہے، میں اور حدیث بھی وہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے، صاحب حدیث کا حدیث تو کچھ ہٹ جائے اور لاوارث حدیث آگے بڑھ جائے، یہ امت اسلامیہ کا اسلام اور یہ ہے جس کا کتاب اللہ کا پیڑ۔

روشن نے خطبہ قطع کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ حسینؑ نے منبر سے کھدول نہیں، خود راہِ دیکھا کہ حلال و حرام شریعت کو چھوڑ کر حسینؑ کے فضائل شروع کر دیئے اور اپنے ذہن میں جتنے سے ہٹ گئے، نہیں، نہیں، یہ حسینؑ کے کلمات بھی سہی تھیں، کالیک جزو ہیں اور میں نہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب تک جتنے احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں ان کا زخمہ رکھنے والا حسینؑ ہی ہے، یہ اسلام تھا کہ دم سے نہیں، حسینؑ کے دم سے زندہ رہے گا، میں نے حسینؑ کا شمارت اس کے غزوہ کی گھاٹ ہے کہ لوگ میری شریعت کو لاوارث نہ کریں یا اپنے ہی کو وارث نہ سمجھ لیں، میں نے خطبہ کو توڑ کر واضح کر دیا ہے کہ میری امت کا وارث حسینؑ ہے کوئی دوسرا نہیں۔

حضورؐ رسول میں بھی حسینؑ کی شان کچھ خالی ہی ہے، مسلمانوں کا بچہ ہے

موت حال کرو، اس کے فضائل پہناؤ اور وقت بڑھنے تو اس کی مدد بھی کرنا۔
 کہاں سرگارد عالم کا خطبہ، طلال و حرام شریعت کا بیان، احکام الہی کی
 تسلیں اور کہاں بچہ کا گناہ بھلا اس گناہ کی اہمیت کیا ہے، بچے گرتے ہی رہتے
 ہیں، اصحاب کا گناہ تھا، حضورؐ کی کراخارہ کر دیتے دو، بچہ کو بڑھو کر اٹھا لیا، خطبہ
 کو قطع کرنے کی کیا ضرورت تھی، یہ منبر سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، اور اگر اتر
 بھی آئے تھے اور بچہ کو اٹھا بھی لیا تھا تو منبر پر لے جانے کی کیا ضرورت تھی اور
 اگر لے بھی گئے تھے تو سارا بیان چھوڑ کر فضائل بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
 عجیب نازک منزل ہے، میری تو گنج میں نہیں آتا کہ یہ کھدولہ کہ عاذ اللہ بے پروا
 نے غلو کیا ہے، اور بچہ کی تہمتیں بہک گئے ہیں تو اسلام جاتا ہے اور یہ
 کھدولہ کہ حسین کے پیر پھیل گئے اور گئے تو ایمان جاتا ہے، ایسا معلوم کے
 قدم میں منزل کہاں پر گئی ہے، اب کھدولہ کو پیچھے بھاڑ رہے ہوں گے اور
 عرض میں بیک کریمت کے فضائل بیان کرنے کے لئے وہ بہاؤ ہے جاتا ہے، کیا
 کہیں کچھ کہنے کی جرات نہیں ہے، کیا کھدولہ کو یہ سب کچھ تھا، حسینؑ کا آنا
 تھا کچھ تھا، کچھ نہیں تھا، اس کا خطبہ کو قطع کرنا بھی کچھ تھا، منبر
 سے اترنا بھی کچھ تھا، بچہ کو اٹھانا بھی کچھ تھا، اور دوبارہ منبر پر کھدولہ کی بیان
 کرنا بھی کچھ تھا، اس لئے یہ پورا تر ہے کہ قرآن تمام امور کی ضرورت ہے کیا تھا؟
 فضائل آلِ محمدؐ کی منزل ہے، اس کو کچھ کے لئے بڑا گھبرو دیا ہے، یہ منزل ہر ایک
 کے بس کی بات نہیں ہے، واقعہ میں جو کچھ ہوتا تھا سب میں مغیبت الہی اور الہی
 پروردگار تھا، ظاہر جہاں تھا حسینؑ میں موجود تھا، اگر کریں، یہ منبر سے اتر کر اٹھا
 اور پھر منبر پر آکر بیان دیکر حسینؑ کا تارن کرائیں، ان کو دیکھا، ایمان لے کر آئے

بیان کیا ہے، بیان پیرِ حدیث ہے اور پیرِ حسینؑ قرآن ہے، اب قرآن
 کی کیا ہے، کیا بگڑا بگڑا حدیث کہہ کر کنا پڑے گا اور قرآن کو مقدم کرنا پڑے گا
 منبر سے اتر کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اب کوئی منبر پر نہیں
 آتا، ناطق کے سائے حدیث کا نام نہ لے، یہ تو نقطہ انقلاب امت تھا،
 ناطق کے لئے قرآن ناطق کے مقابلہ میں حدیثیں پیش ہونے لگیں،
 اب اب کو کم! ذرا غور کریں، صاحب حدیث اپنی حدیث کو رد کر حسینؑ
 کی حدیث کے رخصتا ہے اور امتی حسینؑ کے سارے گھولنے کی بات کاٹ کر
 کرنا کہ بڑھانا چاہتے ہیں اور حدیث بھی وہ جس کا کوئی وارث نہیں
 صاحب حدیث کا حدیث تیگھے ہٹ جائے اور لاوا دشت حدیث آگے بڑھ جائے
 ہے امت اسلامیہ کا اسلام اور یہ ہے جس کا کتاب اللہ کا پیچہ
 رسولؐ نے قطع کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ میں نے رسولؐ کو دلا نہیں،
 رسولؐ اب نہ کہنا کہ طلال و حرام شریعت کو چھوڑو حسینؑ کے فضائل شروع کر دیجئے
 اور اپنے ذمہ تسلی سے ہٹ گئے، نہیں، نہیں، یہ حسینؑ کے کلمات بھی میری
 تسلی کا ایک جزو ہیں اور میں نہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب کچھ جتنے احکام
 و قوانین بیان ہوئے ہیں ان کا زخم رکھنے والا حسینؑ ہی ہے، یہ اسلام تھا کہ
 دم سے نہیں، حسینؑ کے دم سے زندہ رہے گا، میں نے حسینؑ کا تعارف
 اس لئے فرمادیا تھا ہے کہ لوگ میری شریعت کو لاوارث نہ کریں یا اپنے
 ہی کو وارث نہ سمجھ لیں، میرے خطبہ کو توڑ کر واضح کر دیا ہے کہ میری شریعت کا
 وارث حسینؑ ہے کوئی دوسرا نہیں،
 کھدولہ رمل میں بھی حسینؑ کی شان کچھ حوالی ہی ہے، مسلمانوں کا بھی ہے

پہچانے گا یہ منزل تہ کیا ہے۔ اور منزل مقصد کیا ہے؛ یاد رکھو میں نماز میں کھڑا جاتا ہوں تو منزل پشت رسول ہوتا ہے اور میرا کام سجدہ کو طول دینا ہوتا ہے، دنیا ہیجان لے میری منزل حجابِ سرِ رسول کی پشت اقدس ہے اور میرا مقصد سجدہ دل کی زندگی ہے۔
خیر دار! میرا ہانڈ لے کر سجدوں کو ترک نہ کرو، سجدہ میری زندگی ہے سجدہ میری اولیٰ ہے سجدہ میری آرزو ہے، سجدہ میری آبرو ہے، جو عمر دنیا دلوں میں کھیلے گی ہر لمحہ اس وقت میں سجدہ کرتا ہوں اور جو عمر دنیا میں آگہام کی ہوتی ہے اس وقت میں سجدہ میں سرکھتا ہوں۔

امت پر کیا گزرے گی یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن خدا نے فرمایا کہ جب تک حسین پشت سے نہ اتریں گے نبی کا سر سجدہ سے نہ اٹھے گا، کسی کو برا لگتا ہے تو لگے کوئی کڑھتا ہے تو کڑھے کسی کے دل پر پکلی گرتی ہے تو لگے ہم تو آپ حسین کے فضائل کا اظہار یوں ہی کریں گے، تمہیں حسین کے عمل کی اہمیت نہیں معلوم، میں تو جانتا ہوں کہ یہ حسین کیا ہے؛ اداس کی عظمت کیا ہے؛ بے تو معلوم ہے کہ یہ آج پشت پر بیٹھ کر سجدہ کو زندگی دے رہا ہے اور کل کرلا کے میدان میں سجدہ کر کے رسالت کو زندگی عطا کرے گا۔

عزیزانِ مستم! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے فضائلِ اہلبیت کے اظہار و اعلان میں ایک نیا ہی طریقہ اختیار کیا ہے امت پر کیا گزر جائے اس کی کوئی پروا نہیں ہے، آلِ محمد کے فضائلِ ظہور عام پر آجائیں کسی سے برداشت ہو سکے یا نہ ہو سکے محفل میں نہ ہر ایک کی تعظیم کی جائے گی، کوئی آنکھ دیکھ سکے یا نہ دیکھ سکے عید کے دن اترنا جائے گا کسی کے دل پر قیامت کو پہلے سجدہ کو طول دیا جائے گا اور کسی پیر میں جو نے پڑیں یا دل میں کچھ بھروسے خبر کی دہر میں گج کر دوڑ کر

منزل کا عالم ہے، زندگی کی منزل ہے، عبادت کی منزل ہے، رسول اکرم کا سجدہ ہے، اور پشت پر ہر سال کالال ہے، سجدہ کو طول دیا جا رہا ہے لیکن حسین کو اتنا نہیں جانتا، کہا جاتا ہے کہ جب رسول نے رسول کے بازو تھام لئے، خردوار! جب تک میرا حسین پشت سے نہ اتر جائے سجدہ سے سر نہ اٹھائے گا، میں نہیں جانتا کہ جبریل آئے یا میکائیل، اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ رسول کی بشری زندگی کا واقعہ نہیں ہے کہ بچہ کی محبت کہ کڑوا لیا جائے، یہ عبادتِ الہی کا معاملہ ہے، مشریت اسلام کا مسئلہ ہے، سجدہ کی منزل ہے، اسے رسالت کا مسئلہ ماننا پڑے گا۔ اور رسالت کی منزل میں کوئی کام بغیر وحی الہی کے نہیں ہو سکتا جبریل نہ کہے ہوں کوئی اور آتا ہو، مجھے بحث کی کیا ضرورت ہے، مجھے تو صاف یہ کہنا ہے کہ سجدہ کو طول دینی الہی ہے، سو رہا ہے، رسالت کی منزل میں رسول کا کوئی کام بغیر مرضی پروردگار کے نہیں ہوتا، اب وحی الہی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ رسول کو روک کر سارے نمازیوں کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ میں کوئی تمہو کرنے والا ہوں تو ہر واقعہ جانتا ہوں کہ سجدہ کو طول پڑا اور جب سرکھانے سر اٹھایا تو مسلمانوں پر جہاں کیا خدا کا استہ کوئی حادثہ پیش آچھا تھا۔ فرمایا! نہیں! میرا حسین میری پشت پر آچھا تھا، اب کوئی کہتا کہ اتار دیا ہوتا، گرا دیا ہوتا، یہ کوئی طریقہ ہے کہ آپ کے بچہ کے لئے ہم اتنا دیر تک سجدہ میں بیٹھے رہیں، یہ نادر ہے، بچہ کا کھیل نہیں ہے، نہ جانے کیا کیا خیالات ذہن میں آئے ہوں گے لیکن کسی میں بولنے کی جرات نہیں ہے اور حسین مسکرا رہے ہیں، اسے کیسا سجدہ کر دیا، مانا نے بھی خوب طول دیا اور امت کو سبھی ہوش آگیا، اب تو دنیا

اور ان کی اصلاح کیا جائے گا۔

یہ حضرات کی مثال ان ائمہ میں آدھان کے اپنے کلمات تھے، قدس سرہ نے
دو ہیکل سے حسین کو رہنما دیا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے، گویا قدرت نے
واجب کو ناجائز سمجھا ہے کہ ہم نے اس فرزند کو کس خاص مقصد کے تحت پیدا کیا
اور اس سے ایک عظیم کام لیا ہے، ایسا نہ ہوتا تو حسین کی پوری تاریخ زندگی
الفاظ قرآن میں بیان نہ ہوتا، ذرا آیت یاد کریں، ہم نے انسان کو زمین کی ہے
کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرے، اس کی مالیت سے سزا ملے گی، یہی
معیشتیں برداشت کرتی ہیں، اور اسے دنیا کے حوالے کرنے کے بعد بھی اس کے علاوہ
دوسرے نیچے کا راز ۳۰ ہینے کا ہے، وہ انسان ۱۰ سال کا ہو گیا اور ہم
لڑائی لڑتے تو اس نے ہمارے بارگاہ میں دعا کی، پروردگار مجھے تو حق دے کر میں
ان شہداء کا شکر یہ ادا کر دوں جو حق نے مجھے اور جسکے والدین کو عطا کیا، میں
ادب و عبادت میں ایک صالح نسل پیدا کروں، میری فکر حرم ہوں اور میل و مرسلیم
میری بارگاہ میں ختم ہے۔

تاریخ اسلام بتلے کہ وہ کون سا پتھر ہے جس کا محل اور حفاظت کا زمانہ
۱۰ ہینے کا ہے، حفاظت کے دو سال کا ہے، کے بعد ہم اندر میں پھر ماہ کوں پھر
ہے جس کی ماں نے سب رحمتیں برداشت کی ہیں، کہ وہ راتوں کے نکل نہاد
کی خبریں سن رہی ہے، جس نے اللہ سے دعا کی ہے اور اس کو حاصل ہے
ان کی گتوں کا شکر یہ ادا کیا ہے، جس کے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح
میں ہیں اور ان کا ذریعہ میں صالح نسل پیدا ہوا ہے اور آج تک
خاتم ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ حسین بن علی کے سوا کوئی اس آیت کا مستحق نہیں

ہو سکتا، صرف ہرگز کے آل کا فخر ہے، کوئی اور نہیں ہے، اس کی پوری تاریخ بیان
کرتی ہے کہ نسل کی تہذیب تک بیان کر دے اور اس نے مجھے عطا کیا ہے
اس کی کتاب میری ملاقات سے میری خدمت تک کے واقعات بیان کر رہی اور میں آ
ب لیزہ پرستہ اگر محض یاد کر دوں گا۔

اب ذکر آن حبیب سے جہاں ہو گا اور حسین فرماں ہے، جہاں تک قرآن و
کتاب تاریخ حبیب زندہ رہے گا اللہ جیکم نام حسین زندہ رہے گا، کوئی قائم دہا
نہ ہو گا، آخری صدی میں قرآن اپنی ہی آیت کتاب کے ساتھ حضور پر آجنگا نہ ہو
وہ حسین بن علی کے لئے آجنگا۔

دیباچہ میں نے نہیں بچا، ناگہبوش کیا ہے، اور اس کی خدمت کیا ہے، با آسانی
دے دیا ہے، میں کو اس کی قدر و قیمت اور ملک و جلال کیا ہے، اور اہل کلمے جب
حضور کے گھر میں فرزند کی ملاقات ہوئی اور فرزند سے آسمان تک پہنچی، جنت آراستہ
ہوئی، ان کو جو ش کیا ہوئی نے سوائے اللہ کے جس کو نے جنت میں جانا، فرشتوں کا بھی ایک
گروہ ہو گیا، ان کی قیادت میں در بدر پر ہزار ہا جیسے حاضر ہوا، راستہ میں
ایک پرستے سے گزرا، ہوا، کچھ اگر اللہ کا ایک محبوب نہ ہو، نہ خدا ہوتا ہے، وہ
قرب ہے کہ قمر کی کہ میں میں یہ خیال یہاں ہو گیا تھا، اور میں بھی ایک بڑی
ملکوتی ہوں، اللہ نے مجھے بہت کچھ عطا کیا ہے، اور اللہ کو یہ دانا ہے، میں ان کی
پہلی کی قیادت میں، پھر گئے، ان میں کیا حال ہے، ان میں نے پھر ایک
ہوئی اپنی قیادت میں، پھر گئے، ان میں کیا حال ہے، ان میں نے پھر ایک
جنگ کے جہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے، ہم اس کی یاد رکھا، کچھ جادہ ہے، ہم نے

فطرس سے سبق لینا، اس نے گھوڑے سے بازوؤں کو مس کیا تو نئے بال دیر طے تمہارے
 حسین سے اپنے جسم کو مس کرنا نئی زندگی ملے گی اور تمہاری زندگی کیا ہے حسین نے اسلام
 کو زندگی دی ہے، مذہب کو زندہ کیا ہے، قرآن کو زندہ کیا ہے، اور منحصر ہے جو اسلام
 زندہ ہو گیا جس کو جلا کے بعد غلو کا کہیں ایک نفوذ نظر نہ آئے۔ یہی فطرس ہی تھا ان کی بات
 کو سنا بھی کل نفور بنی ہوئے اب نابل ہو گیا اور آج یہ دعویٰ ہے کہ کون پرورش ہو ایک دفعہ ٹھوکر کھایا
 دوبارہ نسل جاتا ہے۔ تجھے یہ ہو گیا کہ کتنے دن توبہ ہے کہ بعد پھر تجھے دوش نہیں آیا اور ایسے نازیبا دعوے
 کسے اب اگر کہیں تھا نابل ہو گیا تو دوسرا کوئی بخشا نے دلا بھی نہ ملے گا فطرس کے گانا نالہ نام نے
 نہیں بچا ہمارے اپنا نیم کو خوب بچا تھا ہوں میں غلاب کا مصیبت چھیل چکا ہوں، مجھے حالات
 کا صحیح احاطہ ہے مجھے صلہ ہے کوکل غلاب نابل ہو گیا تھا لیکن آج غلاب نابل نہیں ہوگا
 تم پر چھوٹے کیوں؟ تو سرکل میں دعویٰ نیر دل کے تھا اسلئے غلاب نابل ہو گیا تھا آج دعویٰ کس
 دلیل بھی ہے اسلئے غلاب کا کوئی فطر نہیں ہے یا دیکھو کوش فقط جیش ہر کا اصرار نہیں کیا ہے بلکہ یہ
 کہا ہے کہ میں حسین کا آنا دیکھ رہا ہوں جیوش کا سال اول کیا تو غلاب کا کیا سوال ہے؟

ارباب نظر! مجھے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس کا وسیلہ ملک کرے شہنشاہ دے وہ خود
 جیسا لا جواب ہوگا۔

اور فطرس کے مقصد نے غلاموں کا مقصد کھول دیا اور یہ کہنا پڑے گا کہ وہ جیش
 نہ ہو جیش، عربی جیش اور جب یہ سب جیش تو جیش ہی جیش، سب جیش، سلم جیش اور
 جب غلام جیش تو جیش ہی جیش ہوگا، جیسا کہ جیش ہوگا، دل کے ٹکڑے کیسے جیش
 ہو گئے اور خود کہنا لا جواب ہوگا۔



کہا تھا لیکن ہے کہ میں کہیں بے چارے، شاید اسی مولد کے فضل پر اب غلاب بطون ہو جائے
 فطرس نے اپنی مٹا کہ فطرس کا عہد جیش ہی کے فضل بطون ہو چرلے ہو دیں پر
 اٹھایا اسلئے عظم کی خدمت میں لائے، واقعہ بیان کیا، جیش نے فرمایا حسین
 کے گھوڑے کے قریب لے جاؤ اس کے بال دیر کر حسین کے گھوڑے سے کسی کو
 نئی زندگی عطا ہوگا جیش گھوڑے کے قریب لے جاؤ فطرس کو مس کیا، نئے بال دیر
 ملے، اور فطرس یہ کہنا ہوا جلا، تہ جیشی آیت جیشی، کون جیشی
 ہے، میں جیشی کا آنا دیکھا ہوں۔

غلو کرنے کے کہاتے ہیں فطرس رسول اکرم کی خدمت میں آیا تھا اور اپنے حسین
 کے گھوڑے کی طرف بھیج دیا کہیں سر کا کیا آپ دعا نہیں کر سکتے، یہ آپ بال دیر عطا
 نہیں کر سکتے؟ آپ فرمائیں گے، میں سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن آج حسین کا کوکل
 ظاہر کرنا ہے اور امت کو بتا دینا ہے کہ جیش در کا ہے تو حسین کے دروازے
 پر آؤ حسین کے بیڑ میں بیٹھو تا تو کوئی اور کیا بخشائے گا۔

تیسے جیش امین سے کہیں یہ آپ یہاں کہاں لے آئے؟ غلاب خدا کا ہے اسی
 سے کہے کہ وہ بطون کو دے، حسین سے کیا مطلب؟ خدا کے مہلات میں حسین
 کیا کر سکتے ہیں، جیش آواز دیں گے نا انہم میں اسی لئے لایا ہوں کہ دینا بچان لے
 کو قدرت کے یہاں بھی کوئی کام نہیں ہو سکتا کہ نہیں ہو غلاب جو لوگ کوکل آل محمد
 کے قائل نہیں ہیں وہ اپنے ہاتھ میں جو ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوگا۔

فطرس نے فطرس کے بازوؤں کو حسین کے گھوڑے سے مس کیا، جس سے
 نا کہ غلاموں کو ایک مستقل سہارا مل جائے کہ جس سے بعد جیشی جیشی جیشی
 وہ گھوڑے لے گی جہاں حسین آسام فرما رہے ہیں اب اگر امت کو کوشش ہو تو

میں ہر سال سے نوازا جس کا قیامت تک کوئی امکان نہ تھا اور وہ اعجاز
عظیم تھا جس کی ماہ پر دنیا کے چلنے کے امکانات تھے، تو ان جیسی کتاب دینی و تاریخی
تک علم کیلئے جیسے سب، چاند کے کمرے کو دیکھ کر آسمان نور کیلئے چلنے ہے
صاحب سراج بنادیا تاکہ سرعت رفتار پر نازاں انسان بھی تسلیم چکا تھا ہے
جاہلیت زدہ ناظم دور میں عرض اعظم تک بلا کے مزاج دینے کا مشاغل ہی تھا کہ آنرا
دنیا بھی اندازہ کر لے تو غم و فراق کی سیر کا حوصلہ پیدا کرنا اور ہے اور ایک رات
میں سارے عالم کو زیرِ قدم رکھ لینا اور ہے۔

سرور کائنات تک یہ سلسلہ جہالت اسی انداز سے پہنچا اور پروردگار نے
حالات کے مطابق بادی اور ہدایت بھیجے اور انہیں کے تقاضوں کے مطابق اسی
صلوات میں مقدر کیں، خود اعلان فرمایا انہم نے رسولوں میں بھی جو معنی کو معنی پر
نفیلت دی ہے اور سب کو کچھ نہیں بنایا۔ اداس منزل پر پہنچنے کو جی چاہتا
ہے کہ جب اللہ والے ایک جیسے نہ ہو سکے تو امت والے کیسے برابر ہو جائیں گے
اور جب انبیاء ایک مرتبہ کے نہ ہو سکے تو ان کے اصحاب میں سب ہم مرتبہ کیسے
ہو جائیں گے؟ انبیاء کو ہم مرتبہ کچھ نازل عظیم کی توہین ہے اور امت کو ہم مرتبہ کچھ
آل محمد کی توہین ہے!

سلک کائنات نے جاہلیت کے آئینہ کو دکھ کر مرسل عظیم جیسا کامل داکل
پیشتر بھیج دیا لیکن کچھ ۲۲ سال میں سارا زمانہ راہ راست پر آگیا کیا جاہلیت
فنا ہو گئی، کیا کفر و شرک کا جذر اسکا ختم ہو گیا، کیا مطلق کی جگہ پال بچہ
گئیں؟ ہرگز نہیں! تو اگر ایسا نہیں ہے اور جاہلیت اور جہالت کسے اثرات
انہیں تو کیا خدا نے اپنے نظامِ ہدایت کو مطلق کر دیا ہے اور اسے مرسل عظیم

عبد کی امت سے کوئی ہمدردی و محبت نہیں ہے، وہ سب کو تباہ و برباد
کھینچا چاہتا ہے اور اس کا منشاء ہی ہے کو تم میرے سید کے بعد کیوں
ہو گئے، اب یونہی تباہ و برباد ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں داخل جہنم کر دوں اور اگر
موجود نہیں ہے تو قدرت نے نظامِ ہدایت کے بارے میں کیا کیا؟ کیا بدترین
حالات میں قوم کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا اور نہ ملے کر دیا کہ قدرِ انتقام سے
اسی مزاج کو ختم النبیین جیسے راہنما کی عزت ہے اور عزتِ بعض و حدود
تمام سے لبریز ماحول کے لئے جاہل، گنہگار، خطا کار راہنما کافی ہیں؟ (العیاذ
باللہ) ایسا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تو ماننا پڑے گا کہ جیسا کہ دنیا اس کی دی ہے
دنیا میں کئے اور جیسا زمانہ آباد ایسے ہی مادی مقرر کئے، اگر جاہلیت کے
دول میں سب سے بہتر یعنی کوفہ فون کا ذوق دار بنا کر بھیجا تو خطِ انتقام
میں لبریز ماحول کے لئے محافظ قانون بھی ایسے ہی افراد کو بنایا جن میں سارے
دنیا کی صلاحیتیں، سارے حکمران کے کمالات، ساری کتابوں کا علم اور سارے
انہیں کی جاہلیت پائی جاتی تھی، ان کا پہلا ہی وہ تھا جس سے لئے پینر اسکا
فرمایا تھا کہ اگر آدم کا علم دیکھنا ہے (سچ کا تقویٰ دیکھنا ہے) (ایک
کی خلقت دیکھنا ہے، اس کی ہیبت دیکھنا ہے، عیسیٰ کا زہد دیکھنا ہے، ایوب
مسیح دیکھنا ہے، یوسف کا حسن و جمال دیکھنا ہے تو علی کے چہرے پر
کر دیاں سارے انبیاء کے کمالات نظر آجائیں گے، سارے مرسلین کا
دل جمال نظر آجائے گا، اور انبیاء و مرسلین کا کیا ذکر ہے، اس کے چہرے میں
جلال و جمال کا پر تو نظر آجائے گا، زبان اس کی ہوگی لیکن لسان اللہ ہوگی،
اس کا ہونگا لیکن جنب اللہ ہوگا، ہاتھ اس کا ہونگا لیکن ید اللہ ہوگا، چہرہ

کا جیٹ ہے۔

حسین کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ یہ ہے کہ سرخداں شاہ کی بیٹی کو
فاطمہ زہرا کی اغوش میں آئے، نانا کی زبان چوسی، باب کی گودی میں رہے، بھائی گیارہ
کھیلے سترھ میں خندق کا محرکہ دیکھا، سترھ میں خمیر کی بیچ دیکھی، سترھ میں بیچ
مکے کا منظر دیکھا، سترھ میں سبیل کے میدان میں گجڑاہ رسالت بن کر آئے، سترھ
میں زیر کسا آکر کرکر، تلخیر بنے، سترھ میں ۲۸ صفر کو انا کا نام دیکھا اور ستر
جمادی الاولیٰ کو مال کا صدر اٹھایا، ۵ سال تک باب کے ساتھ خانہ نشین رہ کر
ظلمات کے حالات کا جائزہ لیا، گویں جمع قرآن کا منظر دیکھا، باہر چاہتے دالوں پر وقت
کی پردہ کشی کا مشاہدہ کیا، اور سب کے ساتھ باب کا مہرما استقلال بھی دیکھتے رہے
سیدہ کی بیعت دیکھی، مذکورہ گواہ بنا کر گئے، نواسی کی تکلیف کی نصیحت
دیکھی، گھر بھاگ اور کھڑیاں دیکھیں، اسلامی فتوحات کے نام پر مہر و دلا
کی پامال دیکھی، بنامیر کی پردہ کشی کا منظر دیکھا، بنی ہاشم اور ان کے پیروکاروں کا
فصل عام دیکھا، آخری دور میں حاکم وقت کا حاکم و حاکمہ دیکھا اور باب کے حجر مذکور کا منظر
دیکھا، فیلڈ سوم کے بعد باب کے باغیوں پر بیعت کرنے والوں کا مجاہد دیکھا، اور ان کے
پسینوں و نہروان کے سر کے پیکھے اور نقطہ دیکھے، بنی ہاشم کی شریک کیا
رہے، سترھ میں باب کی شہادت دیکھی، سترھ میں بھائی کی بیچ دیکھی، سترھ
کے سیاسی کا اہتمام دیکھا، دس سال تک بھائی کی بیعت کے صلے کی پابندی دیکھی
سترھ میں بھائی کی شہادت اور جائزہ کی بے مروتی دیکھی، سترھ تک دس
سال بھائی کی بیعت کو بنا ہے، رہے اور سترھ میں سترھ کو شام کے حاکم کا منظر
دیکھا اور حالات نے بجا آگ بیک آکھایا اور حکام سترھ میں بھائی کی بیعت کو بنا ہے۔

دیکھا، لیکن وہ اللہ رب العزت کا ہر گاہ کیسی نفس اللہ ہوگا۔

اس کے بعد جب حالات متقلب ہونے لگے اور اسی شریعت پر گمراہی کے لالچ میں
گئے، جاہلیت و دیابہ سر اٹھنے لگی، اسلام کے نام پر کفر کی تبلیغ بڑی حد تک کوہ مراد
مقام تک کو طمان بنایا جائیگا، قرآن لیسے رہا، نہایت کیا جائیگا جس میں سب انبیاء کے
کلمات بدھ، اتم موجود ہوں گے اور انہیں اس کے بارے میں اقرار دیکھا، آدم کے
حادثہ تجویر اسلام، نوح کے حادثہ تجویر اسلام، ابراہیم کے حادثہ تجویر اسلام، عیسیٰ کے
حادثہ تجویر اسلام، محمد مصطفیٰ کے حادثہ تجویر اسلام، انبیاء خدا کے حادثہ تجویر
اسلام، عیسویوں کے حادثہ تجویر اسلام۔

اور عزت افزائی انتہائی کیا، ذکر ہے خود نبی پر بھی ڈیڑھ پیر
آئیں گے تو سلام ہی کریں گے، گھوڑوں پر چڑھ کر تو سلام کریں گے، باہر نکلے گا تو
دوش پر بٹھا کر ناز کریں گے، مسجد میں آجائے گا تو مسجد سے سرنہ اٹھائیں گے،
منزل پر جا رہا ہو، ہنگامہ میر و نہایت کہ دیکھ کر غصہ و مافرن کے کلمات کہیں گے
نذر دے دیکھا تو اس پر نثار کریں گے اور شہید ہو جائیگا تو میر کے بال بکھرا دیں گے،
آغاز بیات دیکھیں گے تو حسیں مئی کہیں گے اور ان کا نام ملنے پر نگاہ ڈالیں گے
قرآن جون الحسین کہیں گے۔

آج کتنے غفلت میں اسی حسین کا ذکر کرتے رہے جو انبیاء کا حادثہ
قرآن کا حافظ، حریت کو کیا سبالت، اسلام کا نذر دال، پیرائے کمال، عیسیٰ کا
نذر، فاطمہ کا بیٹا، گجڑاہ کی بیعت، رسول کا سوار، امان انبیاء کا آئینہ دار، تبلیغ
اسلام کا جہم، اس کا لبت کبریا کا منظر، حال رسول کا جواب، جلال علی کا مشاہدہ
عوضہ کر بلا کا خطبہ، فتح مرقی کا عقب، عقب رسالت کا بین اور رسالت

یہ امر منہ سے مطالبہ بیت کیا گیا تھا جس کا ہم ہر قسم میں ہوا، اودام حسین نے طے کر لیا کہ جیسے میں نے آج تک بزرگوں کی مدد سے علم و گنج نہیں اختیار کیا تو آج علیحدگی کا یہاں سال پیدا ہوتا ہے، مجھے ثابت کر دینا ہے کہ میں بھائی کے صلے کے احترام میں خاموش تھا ورنہ مجھ میں نانا کا عزم، دادا کا حوصلہ، باقی کا خون، عبدالمطلب کا جوش سب سلامت ہے۔

میرزا ہر اکا تھا حاضر تھا جاب تک تھا خاموش

ورنہ یہاں میں دل چاہتا ہوں کہ یہ بھی ہے (ایام)

ان واقعات کی تفصیل پر اس لئے روشنی ڈالی گئی ہے کہ آپ ایک منظر واقعات پر ڈال لیں اور دیکھیں کہ حسین بن علی کی زندگی کس سرد گرم سے گزری ہے نانا کے ساتھ ہے نو خیز و خونی کی جنگ بھی دیکھی اور حدیبیہ کی صلح بھی، جنین کے جلے بھی دیکھے اور فتح مکہ کی عمومی سانی بھی، نانا کے بعد و مدادہ پر آگ اور کھڑا بھاگ بھی ہیں اور سرد دریاں کا عظیم الشان خطبہ بھی، ان کے بھوکھوں کا ہر تشدد بھی دیکھا ہے اور باپ کی کشتی کشتی بھی، خلیفہ ثالث کی خاندان پرستی بھی دیکھی ہے اور باپ کا رحم و کرم بھی، خلیفہ ثالث کے بعد حمل کی جنگ بھی دیکھی ہے اور باپ کا دشمن کو با احترام کہا جس کو دینا بھی، مضمن کا سرکہ بھی دیکھا ہے اور قرآن کے نام پر جتنی ہوشی جنگ کا چھوڑ دینا بھی، نہروان میں خلافت کی قیادت بھی دیکھی ہے اور سجدہ کوفہ میں باپ کا قاتل کو بیدار کر کے سوجھ بوجھ کرنا بھی، ابن ابی لم کی گرفتاری بھی دیکھی ہے اور باپ کا خنجر کھلوا دینا بھی، باپ کے بعد بھائی کا عزم جہاد بھی دیکھا ہے اور صلوات اسلام کا طوطا پہ کے قاتل کے صلے کو لینا ختام کی طرف سے سکھانے کا کہا بھی دیکھی ہے اور بھائی کی طرف سے پابندی بھی۔

اب پرستش کوتم بھی دیکھا ہے اور بھائی کا جوش و خروش بھی، مدد میں بھائی کی خصلت بھی دیکھی ہے اور جہاد پر تیر گنا بھائی کے جوش و خروش دس سال تک خاتم کے صلے بھی دیکھے ہیں اور اپنا عہد استقلال بھی، یہاں تک کہ مدد کی مدد پر جب کو اٹھے اور مدد کی مدد میں محرم کو بیکرا تھیل کے ساتھ راہِ خدا میں قربان ہو گئے، امام حسین نے چار دور تک سرد و گرم دیکھا جائزہ لیا، نانا کے ساتھ رہے، ماں کے حالات دیکھے، باپ کا زمانہ دیکھا، بھائی کا دھند دیکھا، مدد و مدد میں مختلف حالات دیکھے، اب اگر حسین کا پانا کوئی مزاج ہو تو کسی جنرل پر تو بزرگوں سے اختلاف کرنے جنگ کا مزاج ہوتا تو نانا کی صلح کر دیتے، ماں کے ممبر کر دیتے، باپ کے سکوت کر دیتے، بھائی کی صلح کر دیتے اور صلح کا مزاج ہوتا تو خونی و خیر و خیر کے مزاج پر عمل جاتے، ماں کے مطالبہ مذکور کر دیتے، باپ کے جل و خنجر و نہروان کے سرکوں پر باندھ دیتے، بھائی کی جنگ کی تیاریوں پر ہاتھ پیر دیتے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا، اور میں کے ساتھ رہے اس کے مل کے پابند رہے اور بھائی کے توہنے کے بعد بھی دس سال تک ان کی صلح پر قائم رہے اور جنگ کا نام نہیں لیا، جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حسین کے مزاج میں فرق تھا، خاص مزاجی تھا، عین صلح پسند تھے اور حسین کے مزاج میں حرارت تھی، اسی لئے امام حسین نے صلح کر لی، اور امام حسین کو بلا کے میدان میں آگئے، ان ذریعہ ہنر سے کہہ دو کہ کب تک دفاعی لاکھڑا کرتے رہیں گے اور کب تک ماقبات پر پردہ ڈالتے رہیں گے یا دیکھیں کہ جب مزاج میں حرارت ہوتی ہے وہ اتنی خاموشی سے زندگی نہیں گزارتا ہے اور میں کی طبیعت میں جنگ پسند ہوتی ہے وہ باپ پر سب سلوک میں کو بھائی کی صلح کی پابندی نہیں کرتا، حسین کا مزاج جنگ کا مزاج تھا، صلح کا حسین کا مزاج نہیں تھا۔

جا سکتا ہے لیکن حسین کی جنگ کو دفاع نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ارباب کرم! اولاً
 تو رسول اکرم اور مولائے کائنات میدانوں میں خود گئے تھے لیہائے نہیں گئے
 تھے لہذا ان پر یہ الزام زیادہ عائد ہو سکتا ہے، امام حسین تو عمر کے رسالہ کے
 ذریعہ لیہائے گئے تھے، ان پر یہ الزام کیوں کو عائد ہو سکتا ہے اور دوسری
 بات یہ ہے کہ امام حسین کی ددرا اندیشی اور نگاہ امامت کی دست کشی کو
 آپ نے سر زمین کو بلا پیچ کر پہلا کام یہ کیا کہ اہل قرہ کو ہلا کر ان سے زمین
 کو فریاد اور زمین کو فریاد کر قیامت تک کے لئے مسند کوہان کو دیکھو
 اب یہ نہ کہنا کہ میں اپنے نانا کی سیرت سے الگ ہو گیا ہوں، میں نے نانا کی
 کی سیرت کا ایک حسین غزوہ پیش کیا ہے، وہ فقط ملاقات پر حملہ کرنے والوں کو
 روکے تھے اور میں نے قرآن سے جہاد کیا ہے جو میری زمین پر آگئے تھے،
 یاد رکھو کہ اس کا جہاد کسی غیر کی زمین پر نہیں ہے، یہ جہاد حسین کی زمین پر ہے
 اس لئے دنیا کی ہر طاقت پر جہاد کا الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن
 حسین پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

دوسرا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام حسین کے حالات ہندوؤں کے حالات
 سے قدرے مختلف تھے اور امام حسین کے حالات سے تو قطعاً مختلف تھے، امام
 حسین کے حالات ہمیں ملے کرنا ہیں، میں اسلام لکھا اس لئے امام حسین کے حالات
 فرمیں رہے اور امام حسین کے دور میں جنگ کرنا ہی واجب تھا، اسلئے
 امام حسین نے قاسم کو وصیت کر دی تھی کہ بیجاوب میں میرے جہاد کوئی وقفہ
 پڑ جائے تو اپنے جہاد پر قرآن پڑھنا، تاکہ میری صلے میں حسین کی شہادت رہے اور
 ان کی جنگ میں میری شہادت ہو جائے۔

مزارعہ صاحب جو محبت پرست تھے، ہندوؤں نے ان کا قتل کیا، ہندوؤں کے دور میں
 دو تین سال انہیں تھے حسین ان کے اقدام میں ہرگز شریک نہیں رہے، ہندوؤں کے حسین
 واپس مزارعہ مشیف نے قرآن کے ساتھ ہندوؤں کو اٹھایا، حسین کا مزارعہ بچا تھا ہے تو
 بچنے میں دوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے حسین کا
 مزارعہ ذرہ بار غوث سے الگ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوؤں کو مارنے کہتے نہ ہت
 ہندوؤں کو ہندوؤں کو قتل دیتے، یہ سبہ کہ اہل اس لئے دیا جا رہا ہے کہ دینا بچان لئے کہ ہر
 حسین کا مزارعہ ہے وہ شہادت کا مزارعہ ہے اور یہ دافین اس لئے ہی لگی ہیں کہ
 ناظم دیکھ لیں کہ حسین کا اسامہ ہے وہی مشیت کا حوصلہ ہے۔

سال ہندوؤں پر پڑا ہوا ہے کہ جب حسین کے مزارعہ میں اور ہندوؤں کے
 مزارعہ میں فرق نہیں تھا تو حسین کا رشتہ کیوں نہیں رہے اور جنگ کے لئے
 کہیں اٹھ کھڑے ہوئے اور اتنی بڑی قرآنی کہیں دی؟ لیکن مجھے استہابی
 کہتا ہے کہ یہ بھی ہندوؤں کے مزارعہ کا اثر تھا، وہ ہندوؤں، خدو، خدو، خدو
 میں آئے، وہ حمل و خون و ہندوؤں میں آئے، وہ جنگ کے قطعہ حالات پر لگے،
 اور یہ کہ ان کے مزارعہ اٹھے، مزارعہ کا اقتدار ہوتا تھا، اسامہ اور کہیں ہوتا، اب
 ان کا سب کا احکام ملتا ہے تو حسین کا اقدام کیا ہوگا ہے، اگر حسین کا اقتدار
 غلط ہے تو ان سب کا احکام بھی غلط ہے (مسائل)

آپ کہیں گے میں ان سب کی جنگ میں اور جنگ کی جنگ میں ایک فرق
 ظاہر ہے، ان کی جنگ کے دور میں سے قرآن معجز کے علاوہ میں ہوتی ہیں،
 اور مولائے کائنات کے مجاہدات خاتم سے بعد کہ وہ سے قرآن معجز کے علاوہ میں
 ہوتے ہیں لیکن کرنا تو حسین کا علاوہ میں نہیں تھا، ہندوؤں کی جنگ کو دفاعی کہا

اور عیسائیت ارجائے تو اسے جبر پھر پانی میں ڈوب کر مرنے کا سلسلہ ہے۔ عیسائیت کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور اسلام کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں، عیسائیت کی نگاہ میں تو عید بے قیمت ہے اور اسلام کی نگاہ میں توحید ہی اہل مذہب اور جان عقیدہ ہے۔ ایسے سخت کوشش پر عیسائیوں نے اپنے علم و فضل کے غرور میں اسلام کے دیار پر سرحد کر دیا، اور عیسائیت اسلام کی خدمت میں یہ ثابت کرنے کے لئے آگے بڑھی کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں بلکہ نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کے بیٹے ہیں تو آپ مائے، کھانا آپ کو کھانے پر مانتا ہے آپ تو صدیوں سے مانتے چکے ہیں۔ یہ خود رسولِ اکرمؐ کی زندگی میں تقریباً ساٹھ برس سے آپ مان رہے ہیں، کہاں پتہ ہے آپ پر حملہ کر دیا، کون سی جنگ آپ سے لڑی کہ کس کو تکرار ماری، کس کو نیر و جھوٹا، یہ سب کیا ہو گیا ہے کہ آپ اپنے دھن دینے چلے آئے ہیں اور یہ مذہب ہے کہ پیغمبر بھی عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مان لیں، یہ جبر پھر کر لڑنے کی کیا ضرورت ہے، اگر پیغمبر نہ بھی مانیں گے تو آپ کے عقیدہ پر کیا اثر پڑے گا۔ اور آپ کا مذہب کہاں باطل و برباد ہو جائے گا لیکن زچانے کیا از تھا کہ عیسائیت کو اس کے وطن میں قرار نہیں آیا اور بالآخر دیار اسلام میں آگے قدموں نے حالات کی نزاکت کو دیکھ کر آیتوں پر آئیں نازل کیں عیسیٰ کی مثال آدمؑ جیسی جب آدمؑ جیسے زبانِ باپ کے پیدا ہو کر اللہ کے بیٹے نہ ہو سکے تو عیسیٰ عرتِ باپ کے بنیاد پیدا ہو کر گویں کو ابنِ اللہ ہو سکتے ہیں۔ آئیں نازل ہوئیں لیکن عیسائی اپنی ضد پر اڑے۔ ہے اور یہ صلیب پر ہانک اسلام کو شکست دے کر توحید کو بارہ پارہ کر دیں گے۔ قدرت کی تبدیلیوں پر مل آگے رہے پیغمبر! اب یہ نہیں مانتے ہیں تو اس سے سبیل سے لے کھد دیا اور ہم دونوں مل کر ہمارے بارگاہ میں جھوٹوں پر

حالات کے فرق کو کھینچے تو ملے کچھ اسلام کے ایک واقعہ پر نگاہ کرنا عیسائیوں کے بغیر ہوئے ہوئے حالات میں اقدام کی نوعیت کا اندازہ کن نہیں ہے۔ دنیائے اسلام میں مبالغہ کا واقعہ کسے نہیں معلوم، کون نہیں جانتا کہ عیسائیوں میں حضورؐ کا خاتم سے ادریسائیوں سے بڑا سنت عقائد پورا ہوا یہ عقائد تیر و خیر کا نہ تھا بلکہ حق و صداقت، علم و آگہی اور زندگی اس قدر نہ تھا کہ عقائد تیر و خیر کے عقائد میں بظاہر آج بھی عیب نہیں ہوتا اس پر کسی نہ کسی جہت سے مظلومیت کی چھاپ لگا دی جاتی ہے۔ لیکن علم و دانش اور حق و صداقت کی جنگ میں ہار جانا قانون کی قضا اور مذہب کی بربادی کے مترادف ہے، دنیا میں بے شمار فراموشی جو مل کر کے بعد بھی جب ہار جاتے ہیں تو اپنی ہار کو تسلیم کر کے جارحیت پر مظلومیت کا لیل لگے دیتے ہیں، لیکن مقام بحث میں یہ پسند نہیں کرتے کہ انھیں ظالم و جاہل اور باطل پرست کہہ دیا جائے گا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیر و خیر کا مرکز آسان ہوتا ہے اور علم و آگہی کا مرکز سخت، انوار کا زخم جلد ہی مند مل ہو جاتا ہے اور زبان کا زخم کبھی مند مل نہیں ہوتا، مظلومیت کے ساتھ اسلام کے ساتھ توحید مرکز اور بھی سخت ہے، وہ تیر و خیر کا مذہب نہیں ہے علم و دانش کا مذہب ہے، اس کی نظر میں سخت و تاج، حکومت و ملک گیر، اقتدار و اختیار کوئی شے نہیں ہے، وہ دنیا کو عقائد تک تعلیم اور معیہ نظریات کی عقلیت کرنے کے لئے آیا ہے، وہ اس دن اپنی فتح نہیں سمجھتا جب دشمن تہ تیغ ہو جائے بلکہ وہ اس دن کو فتح مین سمجھتا ہے جب اصول کی فتح ہو اور علم و دانش دونوں کو شکست کھانا اقرار کرنا پڑے۔ ایسے حالات میں مبالغہ کا مقابلہ اسلام کی مروت و جرات کا مقابلہ تھا، اسلام شکست کھا جائے تو اسے روئے زمین پر رہنے کا حق نہیں ہو

اس کے اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگایا ہے۔ کاش یہاں کفار و فاسقوں نے
 یہی کوئی بد عمل بھی نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کے کہہ رہے ہیں جھوٹے
 یہ عمار کے اٹنے کے لئے اپنی شکست کا الزام کر رہا تھا۔

نبیلہ کی سچائی، منزل الہام، بیت القرون سے پراگندہ تھے۔ انھیں پکڑے
 ہوئے امام حسن، مگر میں امام حسینؑ، منزل اکرم کے نیچے سے حضرت عائشہ اور ان کے
 بچے ہولے کافکانگ، کوئی صبا، نہ کوئی زندقہ، نہ کوئی ساروت، نہ کوئی ہم آئندہ
 کوئی شیر کاہ چہاں لیجئے کہ اسلام کے محافظ کون ہیں اور دین الہی کی حقانیت
 پر دلت پڑا ہے تو کون کا تم تا ہے؟ یہاں نکالو گا کہ اس میں ہے، وہ تو آقا
 کے ہوتے مجھے ضرورت ہی نہیں محض کرتے، ادراپے کہ جس سے اس کا باندہ کچھ کریں
 ان کا دیکھئے جن میں عاصیہ اسلام اور پارساں شریعت جیسے کاشق ہے اور جن کے
 دامن عداوت پر کوئی ایسا وجہ ہے کہ بخیر اسلام نبیلہ میں لہجائے سے
 مجرور کر رہے ہیں بلکہ جیسے کہ بتا پڑتا ہے جو جن کی صداقت نبیلہ میں جانتے
 کے لائن زہرہ اسلام میں پتھر سے ہو جائے اور جسے نبیلہ کا فانی اور
 رسالت کا معنی قرار دیا جائے اس کی گواہی ناقابل اعتبار ہو جائے، ایسے
 مسلمانوں سے تو جہاں پھر جسے گواہوں نے عداوت کے آل فکر کو پہچان لیا تھا،
 مسلمان تو اسے بھی نہیں پہچان کے۔

میدان میں قوم رکھا تھا کہ عیسائی عالم نے آواز دیا۔ غیور نبیلہ نہ کرنا،
 یہ وہ چیز ہے کہ اگر خدا سے دعا کریں تو یہاں اپنا کچھ سے ہٹ جائیگا
 یہ بد دعا کریں گے تو وہ زمین پر ایک بھی عیسائی باقی نہ رہے گا۔ نبیلہ
 کا اسلام فانی بنا، جزیرہ طار، قرآن کا بڑی، نوید کا قادیانم ہمارا رسالت

نہت کر دے جو ہر گام اسے ہلاک و برباد کر دیں گے۔ پیغمبر نے نبیلہ کی پیشکش
 کر دی، عیسائیوں نے غرور خطابت میں اسے قبول کر لیا، اور دوسرے دن نبیلہ
 کی ان کے بڑھئی۔

دافر پتھرہ کرنے سے پہلے یہ عربی کر دیا فرمودی ہے کہ میں نے تاریخ
 میں یہ دافر پڑھا تو مجھے بے حد قہر ہوا کہ اگر نبیلہ کا یہی مطلب ہے؟ یہ بد دعا کی
 لڑائی کبھی لڑائی ہے، مٹی بھر عیسائی اپنے وطن سے دور آئے ہجرتے ہیں۔
 یہاں مسلمانوں کا جھوم ہے، ایک سے ایک بڑی، ایک سے ایک ساروت، ایک
 سے ایک ساروت، ایک سے ایک غلاہ، حضور توار اٹھائے اور سب کا فخر کر لیجئے
 حقیقت کو ان میں باوہل نہیں بر جائیں، یہ نبیلہ وغیرہ کیا چیز ہے؟

پیغمبر فرمائیں گے، تو نے مصلحت کہہ جانا نہیں، اسلام تیرے پیغمبر کا مذہب
 نہیں ہے، عیسائی طاقت کے جھوٹے برائے ہوئے کتاب تک سب کا
 خاتم ہو گیا ہوتا، علم و دانش کے اعتبار پر آئے ہیں، ہذا ان سے علم و عقائد ہی
 ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ کل انھیں موقع مل جائے کہ اسلام کے پاس علم و حق نہیں رہتا،
 اس کے توار پڑا آ یا میں نبیلہ کر رہی گا اور جادیت کا الزام نہ کرے گا۔ وہ
 باقی ہوتے ہیں جو علمی مسائل میں توار اٹھایا کرتے ہیں، بہری سیرت ہی
 ہے کہ علم کا جواب علم سے دیا جائے توار سے نہیں۔ اب اگر کوئی علمی میدان میں
 توار اور تیز باز سے کام لے گا تو سے وارث رسول نہیں کہا جائیگا، اور وہ میری
 سیرت سے کوئی لکھ نہیں رکھتا۔

نبیلہ ہوا، توار نہیں اٹھی اور عیسائیوں نے شکست کا اعتراف کیا،
 اور بچے کہا پڑا کہ کس قدر بے غم رہے وہ قوم جس کے مقابل میں کبھی توار نہیں

کہ عداوت ثابت ہوئی مدینہ خدا کا بھروسہ ہے، مسلمانوں پر لعنت ہو جس نے اسے سب سے پہلے تل کوئی عداوت و مخالفت و جلالت کا قیامت ہے کہ میری جگہ آج بھی ان کی عداوت و مخالفت میں مشغول رہے ہوں۔

بات آگے بڑھ گئی، مجھے صرف یہ عرض کرنا تھا کہ جب قدرت نے سیدوں میں سال عیسائیوں کے عقیدہ کو برداشت کر لیا تھا اور عقاب نازل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں ساتھ سال دیکھتے رہے، اور عقاب نہیں آئے تو آج کیا ہو گیا ہے کہ رسول باہل کے لئے تیار ہو گئے، اور قدرت عذاب نازل کرنے پر آمادہ ہے اب وہ صبر کی طاقت کہاں گئی، اب وہ قوت برداشت کیا ہو گئی، کیا یہ کہہ دیا جائے کہ خدا کا مزاج بھی بدلتا رہتا ہے، کیا یہ سوت لیا جائے کہ نبوت کے مراتب کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے یا نہیں...! بات صرف یہ ہے کہ جب تک باطل اپنے دیار میں باطل پرست رہتا ہے، حق اسے برداشت کرتا ہے اور جب حق سے اپنے باطل کو سزا دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو مقابلہ سنت ہو جاتا ہے۔

صلح من اور جنگ حسین میں یہی فرق تھا، امام حسن کے دور میں باطل اپنے باطل پر اپنا ہاتھ لگائے، حق سے بہت کا مطالبہ نہیں کر رہا تھا، اعدا امام حسین کے دور میں مطالبہ بہت بھی ہو گیا تھا، اسی لئے امام حسن کے دور میں باطل نے صلح کے حکمت مانگی تو آپ نے تحت و تاب کو ٹھوکر مار دی اور امام حسین کے دور میں بہت یا سرکا سال ہو گیا تو آپ نے بہت کو ٹھوکر مار کر سر دبوچا، جرح من نے کیا، وہ حسین نے کیا، جو حسین نے کیا وہ حسن نے کیا۔

عباسیت نے شکست کھائی لیکن دل میں جو جذبہ انتقام پیدا ہوا وہ ناقابل برداشت تھا، مختلف راستوں سے اسلام کو مٹانے کا منصوبہ بنایا

ابھی معاویہ کے عہد میں شاہی طبیب کی شکل میں پہنچا اور اس نے ہر تیار کیا جس سے کائنات کا ماتم تک محفوظ رہے، اور ابن کرم کی تلوار کے ذریعہ نہ ہر حضرت علیؑ کو زنا یا اور جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ امام حسنؑ کو زنا یا گیا۔ اب معاویہ کی آخری فراوام حسینؑ کے تھے اور عباسیت انھیں دیکھ کر خفا کر دیتا چاہتی تھی، چنانچہ حاکم شام کے محل میں زور کی شکل میں پہنچا اور بڑے جیسے نخوس فرزند کو جنم دیا، بڑے دیہات میں عیسائی ماحول میں پلا اور شراب و کباب کا ایسا خوگر ہو گیا کہ ظاہری اسلام بھی نہ دیکھا، اندر سے مزید کے ذریعہ امام حسینؑ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا، بڑے کو کباب کی طرف سے مظاہرہ ملا تھا اور مال کی طرف سے عباسیت، اور دونوں اسلام کے شدید دشمن تھے اب اسلام کے ذریعہ دارقطنی امام حسینؑ تھے، چنانچہ دونوں طاقتوں نے مل کر انتقام کا منصوبہ بنایا، اور یہ وہ وجہ ہے کہ امام حسینؑ کے سامنے بیعت کا سوال پیش کر دیا گیا۔ امام حسینؑ نے سوال بیت کو رد کر دیا، اور دوسرا چھوڑ کر باہر نکلنے کا عزم کر لیا، جس رات میں خدا کا رسول مروج میں بھی تھا اس رات میں رسول کا واسہ نا اکی قیسر سے لپٹا ہوا دور ہے اور فریاد کر رہا ہے کہ نا انا آپ کی امت نے بہت سنا ہے، اب یہ ہے اسے میں کیا ارشاد ہوتا ہے،

آقاؐ آئی، چنانچہ حسینؑ کو بلا جاؤ میسر لال، بیٹا اتم سرکش و ناکہ میرا دین سرکش ہو، اور میسر لال تہنا جانا، میری بیٹیوں کو ہمراہ لے کر جانا، تاکہ یہ قیدی نہیں تو میرا دین آزاد ہو،

نا اکی قیسر سے اٹھ کر حسینؑ مال کی حمد پر کہے، آخری سلام کیا۔ اماں آپ کی قبر کا مہاجر حسینؑ جیسا ہے، اماں اپنے لال کا آخری سلام لے لو، قبو طہر سے آواز آئی، میرے لال! میرا بھی سلام لے لے، حسینؑ تم تہنا نہیں

لَا قِتْلَ الْحُسَيْنِ بِكَزْبَلَا إِلَّا ذَرَجَ الْحُسَيْنُ بِكَزْبَلَا

زینبؓ ٹپ کے حامد پیار کے قریب آئیں، میرے لال آنکھیں کھول، قیامت
ہی، بیٹا! زینبؓ بن بھائی کے ہو گئی۔ میرے لال تم یتیم ہو گئے۔ حامد بھائی نے انکھیں
کھولیں۔ پچھلی اماں۔ نداحیمہ کا پردہ تو اٹھائیے۔ زینبؓ نے پردہ کر خیمہ کا
پردہ اٹھایا۔ حماد نے سمجھ کر دیکھا۔ ایک نیزہ طویل پر باپ کا سر۔ آواز دی۔
اسلام علیک یا ابا عبد اللہ، اسلام علیک یا بن رسول اللہ۔ بابا یتیم بیٹے کا
نام لے لو بابا۔

إِنَّ لِلَّهِ وَآنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔



جاس ترائی میں سو گئے۔ اصغر کو امام حسینؑ کو دی میں لے کر آئے۔ بچہ تیسرے حملہ کا
شکار بنا۔ رخصت آخر کے لئے آئے۔ بیمار بیٹے کو دھیت کی۔ میرے لال قید خانہ
سے بھٹ کر مدینہ جانا تو ہمارے شیعوں سے ہمارا اسلام کہہ دینا اور گنا، شیعوں!
تھنڈا پانی پینا تو ہماری پیاس کو یاد کر لینا، اور کسی غریب دیے کس کا ذکر سننا تو
ایسے روزا جیسے کوئی ماں اپنے لال کو زپ زپ کر روتی ہے۔ بیبیوں کو رخصت
کیا۔ بہن کو بھرا گھر سونپا، بیٹی سے دامن چھڑایا، سلام آخر کر کے باہر آئے۔ اصحاب
کو پکار کر ضعف و ناتوانی کا اعلان کیا۔ زینبؓ نے خیمہ سے نکل کر گھوڑے پر سوار
کیا، سکنے نے دامن پکڑا، بابا! مدینہ پہنچا دو۔ حسینؑ نے غریب پر ہاتھ، بیٹی
مدینہ جانا ممکن ہوتا تو یہ بھرا گھر کیوں اُڑتا ہوا اور تیسرا باپ مرنے کے لئے
کیوں جاتا ہوا؟ رخصت کیا، میدان میں آئے، حملہ پر حملہ کیا، ندائے قدرت ابھی
بس اسے جیسا بس! میرے نفس مطمئن اب پلٹے کہ تلوار نسیام میں رکھی، پشت دین
پر سر جھکایا، حملے شروع ہوئے۔ تیرا تلوار، نیزہ، پتھر، زخموں سے چور ہو کر
گھوڑے سے گرے۔ خود الجناح نے ٹھک کر سہا، ادا کیا۔ تیسروں نے اٹھ کے
استقبال کیا۔ خاک کر بلا تک پہنچے۔ مجدد آخر میں پیشانی رکھی، مناجات کا
سلسلہ شروع ہوا۔ پروردگار! حسینؑ تیری مرضی پر راضی ہے تیرے حکم کے
ماتے میرے تسلیم بھگتا ہے جو ہے، میرے محمود! میں نے اپنا وعدہ وفا کر دیا۔
اب تو نانا کی امت کا خیال رکھنا۔ مناجات تمام ہوئی، شمر کا نچر پلا۔ زینبؓ
نے پسر سعد کو آواز دی۔ پسر سعد! میرا بچایا قریح ہو رہا ہے اور تو کھڑا
دیکھ رہا ہے۔ زمین کر بلا ہلی، سیاہ آنکھیاں چلیں، آفتاب کو گن
لگا، صحرا میں زہرا کی نسیب یاد کی آواز گونجی۔ آسمان سے مادی نے پکار کر کہا۔

امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام

اسم مبارک :- علیؑ

کنیت :- ابو محمد

والد ماجد :- امام حسین علیہ السلام

والدہ ماجدہ :- حضرت شہر بانہ (شاہ زنان)

ولادت :- ۵ ارجمادی الاولی ۳۸ ۵ شعبان المعظم

اولاد :- گیانہ نرند - ہارہ نر

شہادت :- ۱۵ محرم ۶۰ھ

عمر مبارک :- ۵۷ سال

قبر مطہر :- جنت البقیع ، مدینہ منورہ

پیش فصل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء
والمرسلين خاتمة النبيين سيدنا ومولانا ابي القاسم محمد وآله
الطيبين الطاهرين ولعنة الله على اعدائهم اجمعين اما بعد
فقد قال الله الحكيم في كتابه الكريم - بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ وَرَاتٍ لَّنَا الْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ

ارشاد جناب رب العزت ہوتا ہے ”بیشک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے
اور دنیا و آخرت کا اقبال ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں جو بات قابل توجہ
ہے وہ یہ ہے کہ مالک کائنات نے ہدایت بشر کا انتظام خود انسانی کے حوالے نہیں کیا
بلکہ اپنے لطف و کرم کی بنا پر یہ ذمہ داری اپنے اوپر رکھی ہے۔

کون تھا دنیا میں جو اس کے سر کوئی ذمہ داری ڈال سکتا۔ کس کی مجال تھی جو
اس پر کوئی فریضہ عائد کر سکتا۔ وہ قادر مطلق تھا اور بندہ عاجز و ناتواں۔ وہ خالق
کائنات تھا اور بندہ ذرہ ناپیز۔ وہ عالمی کا پالنے والا تھا اور بندہ ایک حقیر و معذور
کس انسان کی مجال تھی جو اللہ پر کوئی ذمہ داری عائد کر سکتا۔ یہ دس کا کرم تھا کہ اس نے اتنا
عظیم فرض خود اپنے ذمہ عائد کر لیا اور اپنے بندوں کو اس بارگاہ سے سبکدوش کر دیا۔ اب
بندوں کا ذمہ داری صرف اطاعت ہے۔ ان کا کام صرف فرمان برداری ہے اور ایسے۔

کون تصور کر سکتا ہے اس کرم پر پائیاں کا۔ کہ جس مسئلہ کو حل کرتے ہوئے
عالم کفر کی صدیاں گزر گئیں اور مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ اس مسئلہ کو مالک کائنات نے محض
میں حل کر دیا اور انسان کو کسی رحمت میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ اور نہ فقط مسئلہ کو
حل کر دیا بلکہ انسان کو باخبر بھی کر دیا کہ وہ انتظام ہدایت کے سلسلے میں کوئی رحمت نہ کرے

اور مالک کائنات کے کرم پر اعتماد کرے اور یہ حق بھی دے دیا کہ بندہ خدا سے ہادی اور
دہنما کا مطالبہ کرے اور یہ کہے کہ جب تو نے ہدایت کا وعدہ کیا ہے تو آج ہمارا ہادی
دہنما کہاں ہے اور اس دور کے لئے ہدایت کا کیا انتظام کیا ہے؟

اسی سوال اور اسی تقاضے کا لحاظ تھا کہ اس نے ہر دور میں حجت کا اہتمام کیا
اور کسی دور کو حجت خدا سے خالی نہیں رکھا۔ ایسا نہ ہو کہ ہدایت لینے والے موجود رہیں
اور ہدایت دینے والا نہ رہے۔ دنیا بھر اسلام کو آج بھی حق ہے کہ وہ رب العالمین
سے یہ مطالبہ کرے کہ تو نے اس دور کے لئے ہدایت کا کیا انتظام کیا ہے اور مالک کائنات
کا فرض ہے کہ وہ ہدایت کا اہتمام کرے ورنہ اپنے نظام کو ناقص و ناقص تسلیم کرے۔

نظام قدرت ناقص و نامکمل نہیں ہو سکتا۔ لہذا مانتا پڑے گا کہ آج بھی کوئی
ہادی درہنما ہے جو امت کی ہدایت کا اہتمام کر رہا ہے اور بندوں کی طرف سے نہیں
بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ اب یہ قدرت کے اختیار کی بات ہے کہ وہ اسے کہاں
رکھے اور کس حال میں رکھے۔ اس مقام پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر نگاہوں سے غائب
ہے تو ہونے کا فائدہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح تو خود خدا پر سے اعتماد اٹھ
جائے گا اور اس کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ جب نگاہوں سے غائب ہے
تو کیا انتظام کرے گا؟ قدرت نے واضح کر دیا کہ جس طرح میری غیبت پر ایمان
رکھنا ضروری ہے اسی طرح میری حجت کی غیبت پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہوگا۔
قدرت نے ہر دور میں ہدایت کا انتظام کیا ہے اور ایک نہ ایک ہادی درہنما
فرد معین کیا ہے اور یہ انسان کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس کا
کرم ہے کہ اس نے انسان کو ایک عظیم رحمت سے بچالیا اور کائنات کے عظیم ترین
مسئلہ کو محض میں حل کر دیا۔ مذہب اسلام میں اللہ معصومین کی ولادت کے موقع پر

چٹھ جانے گا تو کردار کی بلندی کا کیا عالم ہوگا اس کا اندازہ تو کوئی معصوم ہی کر سکتا ہے۔ غیر معصوم کے بس کی بات نہیں ہے۔

دنیا نے اسلام کے فاتحین نے قوم عجم کو ذلیل کر کے عرب و عجم کی تفریق کی وہ بنیاد رکھی تھی جو آج تک ختم نہیں ہو سکی اور اسلام میں عرب و عجم کا سلسلہ باقی ہے۔ وہ پیغمبر اسلام جس نے کھلے نغظوں میں اعلان کیا تھا کہ عجم پر عرب کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ اس کی امت نے قومیت کو معیار فضیلت بنالیا اور اس کی مسند پر بیٹھے والوں نے تفریق کی خلیج کو اتنا وسیع کر دیا کہ آج تک پُر نہ ہو سکی۔ قربان جائے فلسفہ آل محمدؐ کے کہ انھوں نے اپنے جد کے دین کو بچانے کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے گھبراہٹ نہ کی اور جہاں جہاں اہل دنیا نے دین کو دھسوا کر کے کوشش کی وہیں آل محمدؐ نے کردار کی شمعیں روشن کر دیں اور اپنے جد کے دین کو رسوائی و ذلت سے بچالیا۔

تاریخ اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتی کہ جب امیر المومنین کے دور حکومت میں آپ کے عامل "خریشہ" نے عجم کی دو خواتین کو قیدی بنا کر بھجوا تو سارا سماج قیدیوں کو ذلت و رسوائی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اور اسلام کا منہ مشدہ تصور ذہن میں رکھنے والے یہی امید کر رہے تھے کہ اب علیؑ ان خواتین کے ساتھ کینز دل جیسا برتاؤ کریں گے اور انھیں عجمیت کی قرارداد قبی سر ا دیں گے۔ لیکن ایک مرتبہ پورے ماحول کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب مولائے کائنات نے یہ فیصلہ سنایا کہ ان میں سے ایک کا عقد میرے فرزند حسین کے ساتھ ہوگا اور دوسری کا عقد محمد بن ابی بکر کے ساتھ۔ یعنی امامت کی نسل میں بھی یہ شرافت چلیگی اور حکومت کی نسل میں بھی اور میں تو سمجھتا ہوں کہ محمدؐ سے عقد کرنے میں شاید ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ حکومت کا

جو اعمال بیان کئے گئے ہیں اور جن میں نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کی تاکید کی گئی ہے اس کا بھی شاید اسی طرف اشارہ ہے کہ آج کے دن مالک کائنات کے کم کی تقدیر ہوئی ہے لہذا بندہ کا فرض ہے کہ اس کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کرے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے تا وہ ہے۔ خود معصومینؑ نے بھی پوری زندگی اسی شان سے عبادت اور سجدہ گزاری میں طے کی ہے کہ تاریخ کائنات میں کہیں اس کا جواب نہیں مل سکتا اور یہ اسی لئے ہے کہ جب ہادی پانے میں سجدہ شکر فرودی ہے تو جن کو ہادی یا رہنما بنایا گیا ہے وہ کس طرح سجدہ شکر ادا کرے گا۔ صلوٰۃ اہلبیتؑ طاہرین کو ابھرنے کے لئے ایسے فضائل و کمالات عطا کئے ہیں جن کی مثال آدمؑ و عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک امت پیغمبرؐ ہی کا کیا ذکر ہے بجا آواز و اطاعت کے ذیل میں تو میرا دل چاہتا ہے کہ ایسے بندہ پر درد گاہ کا تذکرہ کر دں جس کی عبادت شاہکار اور اس کے سجدے یادگار ہوں۔ ایسا عابد و زاہد کہ بزم عبادت بے وقف ہو جائے اگر وہ نہ رہے اور ایسا سجدہ گزار کہ کاروانِ عبدیت بے قافلہ سالار ہو جائے اگر وہ نہ رہے۔ وہ عظیم الساق جیسے اللہ نے عرب و عجم کی شرافت و سیادت کا مرکز بنایا ہے جس کی ذات اقدس پر عرب کو بھی ناز ہے اور عجم کو بھی۔ عربیت کا وہ عالم کہ جان ہا ششم۔ روح بعد المطلب۔ قلب الی مطالب۔ رات علیؑ اور نور نگاہ حسینؑ مظلوم اور محبت کا وہ امتیاز کہ شہزادی عجم شہر بانو کا لال بادشاہ فاضل یزدجرد کا نواسہ اور آخر میں اس کی نسل میں جس کے دور حکومت پر مرسل انظم کو ناز کریں ایک بادشاہ عادل کے دور میں پیدا ہوا ہوں اور یہیں پہا کر مجھے گنہگار ہے کہ اگر وہ عادل میں پیدا ہو جانا اپنی عدالت کی نشانی اور امتیاز ہے تو نسل عادل میں آنا کتنی بڑی حسین مسیت ہوگی اور پھر جب عدالت پر عصمت کا رنگ

اس کا رد عمل کیا ہوگا۔ کل پیغمبر سی سوچ رہے تھے کہ جو قابل تعظیم ہے اسکی تعظیم ہونی چاہیے۔ چاہے سارا سماج مخالف ہو جائے اور آج علیؑ ایسی سوچ رہے ہیں کہ جسے منزل اعظم نے خواب میں بنات دی ہے اسے سو بنانا ہے چاہے ساری دنیا مخالف ہو جائے۔ دنیا کا منہ دیکھ کر عمل کرنے والے دنیا دار ہوتے ہیں اور دنیا سے منہ موڑ کے مرنے پر دروگاہ تلاش کرنے والے ”اِنِّیْ دَرَجَتْ وُجْہِیْ“ کے مصداق ہوتے ہیں۔

عقد ہوا اور بڑے اہتمام سے عوارہ عجیت کی عزت برطھی۔ عربیت کا غرور مٹا اور ایک قیدی خاتون خاندان رسالت کی بیوی بن گئی۔ دنیا نے تعصب کے چہرے پر ہواشیاں اڑنے لگیں۔ یہ کیسا انقلاب آیا اور یہ کیا ہو گیا۔ قدرت نے غرور کے منہ پر ایک اور طایفہ مارا کہ کل جس علم خاتون کی زوجیت برداشت نہیں ہو دی تھی اور لوگ حیرت سے امامت کا منہ دیکھ رہے تھے آج وہی خاتون ایک امام وقت کی ماں قرار پا رہی ہے۔ ۵۔ ارجادی اللادائی کی وہ مبارک تاریخ آئی جب شہر بانو کی گود آباد ہوئی اور قدرت نے انھیں وہ فرزند عنایت کیا جو بزم عابدین کی رونق اور کاروان ساجدین کا سردار قافلہ ہے۔

قدرت نے بنو امیہ سے باقاعدہ طور پر سرد دربار ملکہ انے کا کام انھیں عجم خاتون کے فرزند کے ذمہ رکھا اور ایک مرتبہ اموی غرور کو پھر آذادی کے عرب عجم کی تفریق پر نماز کرنے والو۔ ذرا فرق تو محسوس کر دو۔ کل ایک عجم خاتون علیؑ کے دربار میں آئی تھی تو اسے رشتہ کا شرف عطا کیا گیا تھا۔ اور آج رسولؐ کی بیٹیاں تھیں۔ دربار میں قیدی بن کر آئی ہیں تو انھیں اس طرح ذلیل دُسو کیا جا رہا ہے۔ پہچان لو اسلام کس کے پاس ہے اور کس کے پاس نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ سے کس کا رشتہ ہے در کس کا رشتہ نہیں ہے اور میں تو یہ عرض کر دوں گا کہ یہ دروگاہ نے شام کا تختہ اٹھنے کا

بس چلتا تو قومیت کا فساد پھیلانے کے اسلام میں تفریق پیدا کر دیتی۔ یہ امامت ہے کہ اسے اختیار ملتا ہے تو حکومت کے ایوان کو بھی قومی تفریق کے مٹانے کا مرکز بنا دیتی ہے۔

عقد ہو گیا اور بظاہر عقد کوئی اتنا اہم مسئلہ بھی نہیں تھا لیکن حالات و ماحول کا جائزہ لیا جائے تو اس عقد کی صحیح عظمت و اہمیت کا اندازہ ہوگا۔ امام حسین جیسا عظیم الشان اور عظیم المرتبت انسان جس پر ذاتی شہرقت اور نسبی حمایت دونوں کو ناز تھا۔ ہاشمی گھرانہ، ابو طالب کا لال، پیغمبر اسلامؐ کا نواسا۔ بھلا کون گھرانہ تھا جس کا حسین کا پیغام دیا جاتا اور انجام ہو جاتا۔ کون سا انسان تھا جو حسینؑ کی راما دی پر باز نہ کرتا۔ لیکن یہ مولائے کائنات کا کمال کر دار تھا کہ آپؐ نے ایک بھی خاتون کو اپنی بیوی بنا کر دنیا پر واضح کر دیا کہ قومی تعصب کا خشک رہنا ہمارا کام ہے اور قومی تفریق کو مٹا کر دنیا پر واضح کر دیا کہ قومی تعصب کا خشک رہنا ہمارا کام ہے اور شاید یہی راز تھا کہ قدرت نے بھی اس کا یہ انعام دیا کہ عجم کو فتح کرنے کا کام حکومت نے کیا اور کلمہ آج تک امامت ہی کا پڑھا جا رہا ہے۔ جو اسلام بزرگ شمشیر پھیلاتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے اور جو اسلام بزرگ کردار آگے بڑھتا ہے وہ زندہ دیا شدہ ہو جاتا ہے۔

ماحول پر ماحول پڑھنے کی تاریخ میں یہی دو عظیم مثالیں ملتی ہیں۔ ایک بیٹی کو ترندہ دفن کر دینے والے سحاح کے سامنے بیٹی کی تعظیم کے لئے اٹھنا اور ایک عرب دُعم کے تعصب کی ماری ہوئی قوم کے سامنے عجمی قیدی خاتون کو بیوی بننے کا شرف دینا اور حسن اتفاق سے یہ دونوں مثالیں ایک ہی خاندانہ میں ملتی ہیں۔ بیٹی کی عظمت کا اظہار نبیؐ نے کیا ہے اور عرب دُعم کی تفریق کو مٹا دینے کا سہرا دہی کے سر پہا ہے۔ نہ کل نبیؐ نے یہ پردہ اٹھا کر میرا سماج کیا ہے گا اور نہ آج دہی کو اس کی فکر ہے کہ لوگوں پر

لیکن اس انتظام قدرت میں بھی ایک مصلحت تھی اور اس کا راز اس وقت کھلا جب بچپن سے پالنے والی ماں دسترخوان پر بیٹھیں اور امام زین العابدینؑ نے کھانے میں ساتھ نہ دیا اور کسی نے پوچھا کہ فرزند رسولؐ آپ اپنی پالنے والی ماں کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھاتے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں میرا ہاتھ اس شے کی طرف نہ بڑھ جائے جس طرف میری ماں کی نگاہ ہو اور اس طرح ماں کے احترام میں فرق آجائے گا۔

ظاہر ہے کہ وہ خاتون واقعی ماں نہیں تھیں اور امام کے بارے میں یہ اندیشہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرف ہاتھ بڑھا دیں گے جس طرف ماں کی نگاہ اٹھ رہی ہے۔ اس لئے کہ امام معصوم اور صاحب علم غیب ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں ایسے اقدامات کا امکان نہیں ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ جب میں ایک پرورش کرنے والی ماں کا اتنا احترام کرتا ہوں تو حقیقی ماں کا احترام کیا ہوگا۔

امام کا مقصد قطعاً یہ نہیں تھا کہ میرا ہاتھ اُدھر بڑھ جائے گا جدھر ان کی نگاہ ہے بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کا ہاتھ اُدھر بڑھ سکتا ہے جدھر میرا ہاتھ بڑھ رہا ہے اس لئے کہ میں صاحب علم غیب ہوں اور وہ عالم غیب نہیں ہیں۔ یہ ایک اخلاق آل محمدؐ ہے کہ بیان کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ دامن تہذیب و احترام پر دھبہ نہ آنے پائے اور میرے اس دعویٰ کی دلیل وہ واقعہ ہے کہ جب معصومہ عالم کی وفات کے بعد شہزادے گھر میں آئے اور جناب اسماو نے کھانا پیش کیا اور شہزادوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے کبھی ماں کے بغیر کھانا نہیں کھایا۔ سوال یہ ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ماں کے بغیر کھانا نہیں کھاتے اور ان کے فرزند کا یہ عالم ہے کہ وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے

کام بھی انھیں جناب شہر بانو کے فرزند سے لیا تاکہ قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر لیں اور بارگاہِ جلیں ہمارے تو بیزیریت کو احساس ہو کہ ہاشمی گھرانے کا رشتہ علم سے بھی پرتا ہے تو بلال و کمال میں کوئی فرق نہیں آتا اور امویت عربیت پر بھی ناز کرتی ہے تو شکست خوردہ ہو جاتی ہے۔

بعض مورخین نے جناب شہر بانو کی آمد کو خلیفہ دوم کے دور میں لکھا ہے اور اور یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ "خلافت مآب" کا احسان تھا کہ انھوں نے شہر بانو کا عقد امام حسینؑ سے کرادیا لیکن اولاً تو یہ داستان بالکل بے بنیاد ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں احسان یا تعلقات کا کوئی دخل نہیں ہے اس روایت کا مضمون یہی ہے کہ خلیفہ وقت نے انھیں کینز بنا کر بھیجے گا اور وہ کیا تو امیر المومنینؑ فرمایا کہ شہزادیاں فردخت نہیں ہوتیں اور اس طرح بھی دوتوں شخصیتوں کا کردار کھل کر سامنے آگیا کہ دولت کی ہوس کہاں ہے اور عزت کی پاسداری کہاں ہے اور میں تو یہ کہوں گا کہ یہاں عقد کی داستانیں گڑھنے کی بیماری ہے اور ہر رشتہ میں اپنا دخل فردری ہے۔ کبھی عقد شہر بانو میں اپنا حصہ ثابت کیا جائے اور کبھی عقد ام کلثوم کی داستان وضع کی جائے۔ لیکن یہ قدرت کا انتظام ہے کہ جو روایت بھی تیار کی گئی اس میں مذمت ہی کا پہلو نکلا۔ مدح نہ نکلی سکی۔ آل محمدؐ سے رشتہ جوڑنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ جب کوئی نا اہل رشتہ جوڑا گیا تو نتیجہ میں حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور قدرت نے دافع کر دیا کہ جنھیں رشتہ کا پاس دینی نظر نہیں ہے انھیں کمالات و فضائل کا کیا خیال ہوگا۔

یہ حادثہ فردر ہے کہ جناب شہر بانو کا انتقال اپنے فرزند کی ولادت کے دس دن کے اندر ہی ہو گیا اور عالم ظاہر میں اپنے لال کے کمالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں۔

کوئی دوسرا زندہ کرتے والا نہیں تھا۔ سرکار سید الشہداء و معارف فرمائی ہیں یہ ایہ کہنے
کی چاہتا ہے کہ امام حسینؑ حفاظت اسلام کے لئے اٹھے تو انھیں کم از کم ۲۰ سال
ہو گئے لیکن امام زین العابدینؑ نے اس وقت یہ ذمہ داری سنبھالی ہے جب چند خواتین
اور ایک کنسی فرزند کے سوا کوئی نہ تھا اور پھر مقصد کو اس طرح پایا کہ دین بھی رہ گیا
اور دین دلے بھی رہ گئے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں جو نسل رسولؐ اور سادات کرام
کا سلسلہ ہے وہ کرم ہے اسی وجود امام زین العابدینؑ کا اور صدقہ ہے اسی محافظ
اسلام کا کہ اس نے مصائب برداشت کر کے اتنی بڑی قوم بھی بچالی اور اتنا عظیم مذہب
بھی بچالیا اور اب کتنا پڑتا ہے کہ امریت آکے دیکھے "انا اعطیناک الکونین" کسے
کہتے ہیں جن کی نسل میں ایک کے باقی رہنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس کی نسل میں ایک سے
کہتے ہو گئے۔ اب اگر امام زین العابدینؑ کو آدم آل محمدؐ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے بلکہ میں
تو یہ کہوں گا کہ آدم کی نسل طوفان نوح میں تباہ ہو گئی اور نوح آدم ثانی قرار پائے لیکن
امام زین العابدینؑ نے جو نسل چھوڑی ہے اس پر کسی طوفان اور سیلاب کا زور بھی نہیں
چل سکا اور کیوں نہ ہوتا۔ جنتی ماحول کے پروردہ ماں باپ کی نسل طوفانوں کو برداشت
نہیں کر سکتی لیکن کر بلا کے مصائب بھیلنے والے بزرگوں کی نسل پر طوفانوں اور سیلابوں
کا اثر نہیں ہو سکتا۔

کیا کتنا اس امام شجاع کا جس کی زندگی میں ہر شے نرالی ہے اور جس کی فضیلت
کا ہر گوشہ دنیا ہے۔ ماں شہزادی عجم۔ باپ سردار جنت۔ خود آدم آل محمدؐ سجدہ زمینت
ساجدین۔ عبادت روفی عابدین۔ کتاب زبور آل محمدؐ صحیفہ انجیل اہلبیت۔ خوشی مرضی
پروردگار اور حکم قاتح دربار و بآزار۔

آپ کے مشہور القاب زین العابدین اور سید الساجدین ہیں۔ عبادت کرنے والے

کیا امامت کے کردار میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور کیا امام کا انداز بھی دنیا
والوں کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ از صفت یہ ہے کہ امام حسنؑ
اور امام حسینؑ اور حضرت زین العابدینؑ کے حالات میں ایک نمایاں فرق ہے
ان کی ماں مصومہ تھیں۔ وہاں کسی طرف سے غلطی کا امکان نہیں تھا اور یہاں
امام زین العابدینؑ کی ماں غیر مصومہ ہیں۔ غیر مصومہ کے اقدام میں غلطی کا امکان
ہے۔ اس لئے انھوں نے یہ سیرت اختیار کی —

امام زین العابدینؑ کا دو حیات اس انداز سے گذرے کہ شہدہ سے
سے شہدہ تک دادا کے زیر سایہ رہے۔ شہدہ میں بولائے کائنات کی شہادت
کے بعد شہدہ تک کا زمانہ باپ اور چچا کے ساتھ گذرا۔ شہدہ کے بعد شہدہ تک
باپ کے ساتھ رہے اور شہدہ کے بعد سے ۳۵ سال تک تنہا زندگی گذاری
اور آپ کے شریک کار آپ کے فرزند امام محمد باقرؑ رہے۔ جن کی عمر واقعہ کر بلا
میں صرف ۳ سال تھی۔

یعنی یوں کہا جائے کہ امام زین العابدینؑ نے دنیا میں قدم رکھا تھا تو
شہزادگی کے عالم میں۔ ماں شہزادی عجم۔ باپ شہزادہ عرب۔ دادا حاکم اسلام اور
خلیفۃ المسلمین۔ لیکن دہریہ پس میں یہ بساط اُلٹ گئی۔ ادھر ماں کا انتقال ہوا۔
ادھر دادا کی شہادت ہوئی۔ ادھر مصائب کا ہجوم۔ ادھر واقعہ کربلا —
واقعہ کربلا کے بعد تاریخی مدینہ — تاریخی مدینہ کے بعد عمارت گری مکہ —
غرض کہ امام کی پوری زندگی مصائب برداشت کرنے میں گذر گئی لیکن ان مصائب
کا نہ کردار پر کوئی اثر پڑا نہ خدمت اسلام پر۔ بلکہ مصائب نے خدمت کا اور بوقت
دے دیا اور تاریخ کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ آپ نے دین اسلام کو اس وقت زندہ کیا

اس کے بارے میں تو صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ مصلیٰ پر آجائے تو ہی
 اور مصلیٰ چھوڑ کر سوجائے تو بھی عبادتِ سجدہ میں جھک جائے تو عینِ رضا
 رکھ کر اور بسترِ رسولؐ پر سوجائے تو رضائے پروردگار کا سودا —

عبادتوں کی اس کثرت میں بھی محبت اور توجہ کا یہ عالم تھا کہ ابلیس ملعون
 نے کی شکل میں مصلیٰ کے قریب آتا ہے اور آپ کے پائے اقدس کے انگوٹھے چبائے
 ہے اور جب آپ کے حضور و خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا ہے تو عاجز آکر چلا
 گیا ہے اور رضائیں ایک آواز گونجتی ہے۔ "انت زین العابدین" تو زینت
 عین ہے۔ تیری عبادت پر شیطان کا اثر نہیں ہے۔ تیری توجہ پر دنیا کی کوئی
 طاقت اثر نہیں ڈال سکتی۔

اس مقام پر چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ شیطان اتر رہے کی شکل میں کیوں آیا۔ کیا کوئی اندھ نکل
 میں تھی۔ وہ تو مختلف فکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ پھر یہی شکل کیوں پسند آئی؟ شاید
 وہ انداز یہ دیکھتا کہ اسی شکل میں آدم کے پاس آکر آنا چکا تھا اور "اپنے خیال میں"
 کامیاب بھی ہو چکا تھا تو چاہا کہ اس آدم کو بھی اسی انداز سے اپنی طرف کھینچ لیا جائے
 لیکن جلالِ امامت نے آواز دی۔ ابلیس آدمؑ کی منزل اور ہے۔ سیدنا ابلیس کی
 منزل اور۔ تو نے اتنا تو سوچا ہوتا کہ تو نے خود بھی اقرار کر لیا تھا کہ غصے بندوں کو
 نہیں گمراہ کر سکو گا تو اب کس لئے آیا ہے۔ ابلیس کہے گا میں بھی چاہتا تھا کہ
 دنیا پہچان لے کہ جن بندوں کے مقابلہ میں میں نے شکست کا اقرار کیا ہے وہ
 ایسے بندے ہیں۔ دنیا داروں کے مقابلہ میں شکست کا اقرار نہیں کرتا۔
 واقعہ کو دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب امامؑ نماز کوڑوں کے

زینت اور سجدہ گزاروں کا سردار۔ عبادت کا یہ عالم ہے کہ بارے میں ۵۰۰ درخت
 ہیں اور مردانہ ہر درخت کے نیچے دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں اور دنیا کو غور سے
 کر لیا جاتا ہے کہ شکر پروردگار ادا کرتے والے ایسے ہوتے ہیں ہزاروں نعمتیں
 کھا کر نامِ خدا نہ لینے والے اور ہوتے ہیں اور ایک ایک برگ و ثمر پر شکر خدا
 ادا کرتے والے اور۔

اور جب کسی نے اگر عرض کی فرزندِ رسولؐ! آپ ہی عبادت کرتے ہیں اتنی عبادت
 کس کے امکانات میں ہے تو آپ نے سہ ماہ یا بیٹا محمد یا قرآن مجید تو لاؤ جس میں
 میرے بعد امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب کی عبادتوں کا تذکرہ ہے۔ امام محمد یا قرآن مجید
 لائے۔ آپ نے سامنے دکھ کر فرمایا۔ خدا میرے بعد کی عبادتوں کا حال تو دیکھو۔ اور یہ
 کہہ کر ارشاد فرمایا کہ کس کی مجال ہے جو علیؑ کی منزلِ عبادت تک پہنچ سکے۔
 میں عرض کر دوں گا مولا۔ آپ زین العابدینؑ ہیں۔ بزمِ عابدین کی زینت ہیں۔ یہ آپ
 کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کی عبادت کے برابر کس کی عبادت ہو سکتی ہے؟ آپ فرمائیں گے
 تجھے میں معلوم میری عبادت یقیناً ایسی ہے کہ پروردگار نے مجھے زین العابدینؑ قرار دیا
 ہے اور روزِ قیامت مجھے اسی لقب سے پکارا جائے گا لیکن میری عبادتوں کا سارا
 میری نمازوں سے ہے میرے سجدوں سے ہے۔ میرے تضرع و زاری سے ہے۔ میرے
 حضور و خشوع سے ہے۔ میری خاکساری سے ہے۔ میری بندگی سے ہے۔ لیکن پھر
 بعد کا تو یہ عالم تھا کہ ان کی ایک ضربتِ عبادتِ تعظیم پر بھادی تھی تو اب سوچو کہ
 جس کی ایک ضربت کا یہ عالم ہے اس کی ساری ضربتیں کیسی ہوں گی اور جس کی ضربتوں
 کا یہ عالم ہوگا اس کی نمازیں کیسی ہوں گی۔ اُس کے سجدے کیسے ہوں اس کی عبادتیں
 کیسی ہوں گی اور اس کی بندگی کی شان کیا ہوگی؟

جان بچانے کی فکر کریں گے۔ اذیت سے فراد کریں گے اور کچھ نہ ہوگا تو کم از کم سانپ کو دیکھ کر دوڑیں گے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ نہ گریہ ہے نہ فراد۔ نہ پریشانی ہے نہ اضطراب میں عرض کر دوں گا مولاً! یہ آپ کا کیا عالم ہے۔ ایسے حالات میں ایسا سکون؟ آواز دیں گے تو آواز کا بیٹا ہوتا تو فراد کر جاتا۔ جیسے دروازہ کا لال ہوں، دنیا کا نمائندہ ہوتا تو سانپ کو دیکھ کر دوڑنا شروع کر دیتا لیکن نمائندہ پروردگار ہوں روئے کا کیا سوال ہے۔

عرض کر دوں گا مولاً! یہ سب کچھ صحیح ہے۔ ہماری جانیں متاثر ہو چکی ہیں۔ آپ نمائندہ پروردگار ہیں۔ قرآن و رسول، زین العابدین ہیں۔ سید الساجدین ہیں۔ قانع کو ذرہ شام ہیں۔ جان حسین اور وارث حسن ہیں۔ لیکن مولایہ بھی آ رہا ہے۔ سوزی ہے کاشٹے والا ہے۔ زہر پلا ہے۔ آپ فرمائیں گے یہ سب صحیح ہے لیکن میں علی کا لال بھی ہوں۔ کاش تم نے علی کی تاریخ بھی پڑھی ہوتی تو یقیناً تعجب نہ ہوتا۔ جب ایک علی گہوارے میں آ کر وہ بے گے دو ٹکڑے کر سکتا ہے تو دوسرا علی نماز میں مٹھوں کیے نہیں رہ سکتا اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں الہی نمائندہ ہوں اور الہی نمائندوں کی شان یہ ہے کہ وہ سانپ سے نہیں ڈرا کرتے۔ ہوسا قوم کی گمراہی سے خائف تھے سانپ سے تیسرے۔ تم نے دیکھا ہے کہ سانپ غار میں آیا تو بتی نہیں ڈرتے اور گہوارے کے پاس آیا تو علی نہیں ڈرتے۔ تو جس گھر میں ڈرنے کی رسم ہی نہیں ہے وہاں ڈرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ یہ سوال تو وہاں ہوتا ہے جہاں ڈرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

امام کے سجدوں کے بارے میں یہ امتیاز بھی قابل توجہ ہے کہ آپ نے جن حالات میں سجدہ کیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ یوں تو آپ کی خاموشی بھی ہو جاتا ہے تو تسبیح کے دانے خود ذکر پروردگار کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر

زندگی کا معمول تھا کہ ہر نعمت پر سجدہ۔ ہر آیت سجدہ پر سجدہ۔ ہر نماز کے بعد سجدہ اور ایسا سجدہ کہ پیشانی پر گھٹے پڑ گئے تھے اور ہر سال اسے جدا کیا جاتا تھا لیکن ان سجدوں کے درمیان وہ سجدہ جو عمر عاشور کے بعد کربلا کی خاک پر ہوا ہے۔ وہ سجدہ جو طے ہوئے خیرام کی راکھ پر ہوا ہے۔ وہ سجدہ جو شام غریباں کے سناٹے میں ہوا ہے۔ وہ سجدے جو شام کے زندان میں ہوئے ہیں۔ یہ وہ سجدے ہیں جن کی کوئی مثال نہیں مل سکتی اور دنیا جانتی ہے کہ عمل کی اہمیت حالات کے اعتبار سے بڑھ جایا کرتی ہے۔ پرسکون حالات میں نماز اور ہوتی ہے اور مصائب و آلام کے هجوم میں سجدہ اور۔ سردی کے سکون آمیز دور میں روزے اور ہوتے ہیں اور گرمی کی تیش خیز ہوا میں روزے اور۔ مکہ میں رہ کر حج کرنا اور ہوتا ہے اور مدینہ سے چل کر پیدل حج کرنا اور۔ یہ آل محمد کا امتیاز تھا کہ انھوں نے ہر عمل میں اپنی انفرادیت محفوظ رکھی ہے اور کسی منزل پر دامن بندگی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنے دیا۔ سجدہ کا ذکر آ گیا ہے تو یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ امام زین العابدین پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے خاک شفا کی تسبیح اور سجدہ گاہ ایجاد کی ہے۔ اس سے پہلے معصومہ عالم کی زندگی میں تسبیح کا ذکر ملتا ہے لیکن دھاگے میں گرہیں بنا کر یا قبر خراب حمزہ کی خاک سے۔ امام زین العابدین نے خاک کربلا سے تسبیح بنائی ہے اور اور گویا یہ واضح کر دیا ہے کہ تسبیح پروردگار کے لئے موزوں ترین خاک قبر سید الشہداء کی خاک ہے۔ اپنے دور میں حمزہ سید الشہداء تھے تو ادا دی نے ان کی قبر کی مٹی سے تسبیح بنائی تھی اور اب میرا باپ سید الشہداء ہے تو میں نے اس کی خاک قبر سے تسبیح تسبیح تیار کی ہے اور اس خاک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر تسبیح پڑھنے والا خاموش بھی ہو جاتا ہے تو تسبیح کے دانے خود ذکر پروردگار کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر

عرض کر دوں گا مولاً! یہ سب کچھ صحیح ہے۔ ہماری جانیں متاثر ہو چکی ہیں۔ آپ نمائندہ پروردگار ہیں۔ قرآن و رسول، زین العابدین ہیں۔ سید الساجدین ہیں۔ قانع کو ذرہ شام ہیں۔ جان حسین اور وارث حسن ہیں۔ لیکن مولایہ بھی آ رہا ہے۔ سوزی ہے کاشٹے والا ہے۔ زہر پلا ہے۔ آپ فرمائیں گے یہ سب صحیح ہے لیکن میں علی کا لال بھی ہوں۔ کاش تم نے علی کی تاریخ بھی پڑھی ہوتی تو یقیناً تعجب نہ ہوتا۔ جب ایک علی گہوارے میں آ کر وہ بے گے دو ٹکڑے کر سکتا ہے تو دوسرا علی نماز میں مٹھوں کیے نہیں رہ سکتا اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں الہی نمائندہ ہوں اور الہی نمائندوں کی شان یہ ہے کہ وہ سانپ سے نہیں ڈرا کرتے۔ ہوسا قوم کی گمراہی سے خائف تھے سانپ سے تیسرے۔ تم نے دیکھا ہے کہ سانپ غار میں آیا تو بتی نہیں ڈرتے اور گہوارے کے پاس آیا تو علی نہیں ڈرتے۔ تو جس گھر میں ڈرنے کی رسم ہی نہیں ہے وہاں ڈرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ یہ سوال تو وہاں ہوتا ہے جہاں ڈرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

امام کے سجدوں کے بارے میں یہ امتیاز بھی قابل توجہ ہے کہ آپ نے جن حالات میں سجدہ کیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ یوں تو آپ کی

اور مختصر میں لیکن انفرادیت اور دوسری زندگی کے اعتبار سے بعد اہمیت رکھتے

اوداس سے بالاتر یہ کیا جائے کہ اگر سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے سے بہت پرستی کا الزام آتا ہے تو ہم سے پہلے یہ الزام مگر اردو عالم نے اٹھایا۔ لیکن حیرت ہے کہ

معاذ اللہ! ان کے ایمان و یقین میں کوئی کمی آگئی ہے۔ یہ بشریت کے تقاضے ہیں جن پر عمل کیا جا رہا ہے اور یہی تقاضے جب دب جاتے ہیں تو عصمت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

امام کا اطمینان آداز دے رہا ہے کہ مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے جب کنواں یوسف کی جان نہیں لے سکا تو فریوسف کو کیسے ہلاک کر سکتا ہے اور یاد رکھو۔ یہ اتفاقی حادثات ہیں کہ انسان مضطرب ہو جائے۔ اتفاق سے وہ گرتا ہے جس کے پیر میں لغزش آجاتی ہے۔ میرا فرزند معصوم ہے اس کے قدم میں لغزش کا سوال نہیں ہے۔ یہ تو ایک امتحان قدرت اور اہتمام ہدایت تھا کہ میرا خلیفہ بھی ظاہر ہو جائے اور سچے کاسکون بھی سامنے آجائے۔ امت کے لئے درس ہدایت بھی فراہم ہو جائے کہ شدت مصائب میں بھی مالک کائنات پر اعتبار کرنا چاہیے اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اور وہ کیسے پریشان ہوگا جو نماز میں مصطفیٰ پر آکر اپنے پروردگار سے محو گفتگو ہو اور —

”إِيَّاكَ تَخِضُّ وَإِيَّاكَ تَسْتَعِينُ“ کی تلاوت کر رہا ہو۔ اضطراب ان کا حصہ ہے جو اطاعت شیطان کر کے نماز چھوڑ دیتے ہیں اور اس ملائحت میں رہ جاتے کہ پروردگار کی بارگاہ میں حاضری دے سکیں۔ اور اطمینان ان کا حصہ ہے جو زندگی عبادت الہی میں بسر کرتے ہیں اور اتنی عبادت کرتے ہیں کہ پروردگار انھیں زین العابدین کا لقب دے دیا کرتا ہے۔

تاریخ میں ایک واقعہ درملا ہے کہ امام مصروف نماز تھے اور اتفاقاً گھر میں آگ لگ گئی۔ چاروں طرف سے شہر برپا ہو گیا۔ لوگ بھانسنے کی فکر میں لگ گئے اور امام کی نماز کو طویل ہوتا جا رہا ہے۔ خدا اُخذ کر کے نماز تمام ہوئی تو کسی نے بڑھ کر عرض کی۔ فرزند رسولؐ گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور آپ کو فکر ہی نہیں ہے۔ یہ کون سا انداز عبادت

ہیں۔ کاش مسلمان معصومین کی سیرت کے انھیں چھوٹے چھوٹے واقعات پر نظر رکھتے تو آج زندگی کا خاکہ کچھ اور ہی ہوتا اور سماج میں جو بات پیدا ہو گئی ہے وہ ہرگز نہ ہوتی۔ ساری خرابی یہ ہے کہ سیاست دنیا کو مذہب کا جو دینا دیا گیا ہے اور مذہب کے مسائل اہل سیاست کی سیرت کی روشنی میں حل کئے جا رہے ہیں جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ خود اہل سیاست نے بھی اپنے مذہبی مسائل خود حل نہیں کئے ہیں بلکہ اہلبیتؑ ہی کی جو کھٹ پر آئے ہیں اور جب مسائل حل ہو گئے ہیں تو یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے —

امام محمد باقرؑ کی کنسی ہے۔ چند برس کی عمر ہے۔ امام زین العابدینؑ مہربان عباد ہیں۔ اتفاق سے کسب شہزادہ کنویں میں گر جاتا ہے۔ ہر طرف سے ایک شور برپا ہو گیا۔ نکالنے کی تدبیریں شروع ہو گئیں۔ لیکن نہ گرنے والا کنویں میں شور مچاتا ہے اور نہ نماز پڑھنے والا اپنی نماز توڑتا ہے۔ سکون و اطمینان سے عبادت ہو رہی ہے اور لوگ پریشان ہیں۔ یہاں تک کہ نماز تمام ہوئی۔ تو جرنے عرض کی۔ فرزند رسولؐ! یہ عجیب انداز عبادت ہے کہ سچے کنویں میں ہے اور آپ نماز کو طویل دیتے جا رہے ہیں۔ ایسے موقع پر تو نماز توڑ دینا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ فرزند رسولؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کنویں کے قریب آئے اور آواز دی۔ لایمیری امامت کو داپس کر۔ یہ سننا تھا تھا کہ پانی بلند ہوا۔ اور سطح کے قریب آیا۔ امام نے سچے کو اٹھا لیا اور ماں سے کمالے اپنے فرزند کو۔ اور اتنا یقین کر لے کہ میں جس کی بندگی میں مصروف ہوں وہ میرے فرزند کی حفاظت ضرور کرے گا۔ امام کا ارشاد بھی صحیح ہے اور ماں کا اضطراب بھی حق بجانب ہے۔ امام بہر حال امام ہیں۔ ماں امام نہیں ہے۔ اس کے پاس باقائے دل وہ دولت ہے جو پریشان کئے ہوئے ہے۔ اس سے آپ یہ نہ خیال کریں

آگہی تو بھاتا۔ وہ کام تو بالآخر ہو ہی گیا اور میرے خلوص میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی غیر ذمہ دار ہو جائے اور گھر میں آگ لگا کر
نماز شروع کر دے، نہیں نہیں اسلام مقابلہ کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام خلوص کا مذہب
ایسی دنیا میں ایسا ہی عمل کہے تو امام کی منزل کو نہیں پہنچ سکتی۔ ان کا
مذہب اللہ علی ان کے عمل کی پیداد اور ہو گا۔ یہ ایمان
ہوئی۔ بس انسان کا فرض ہے
پیدا کرے کہ مسائل جان خود کو
ہے۔ یہ عبادت سے کتناہ کشی ہی کا
رہے ہیں اور حل کریں والا کوئی نہیں ہے۔
محبوب ہوتا نہ پانی سے۔ شہزادہ کنویں میں
دھڑکیں آگ لگی تو اخلاص عبادت پر کوئی اثر

کمال
وہ میرے
اضطراب بھی حق
میں مامتا کی وہ درد

۱۱۔ اور یہ کہنا پڑا کہ میں نے انہیں دونوں واقعات میں کوہ دار کے دو خطیم جلوے
 میں بھی ابراہیم کو آگ میں جاتے دیکھا تھا اور موسیٰ کو پانی میں اور وہاں بھی
 ان ہی نظر آیا تھا۔ بس فرق یہ ہے کہ وہاں آگ حکم خدا سے گلزار ہو گئی تھی اور موسیٰ
 خدا سے نیل کی موجوں میں رہے اور زندہ رہے اور یہاں حکم خدا نہیں ہے بلکہ زندگی
 ہے جو آگ کو خاموشی کئے ہوئے ہے اور پانی کو فرمانبردار بنائے ہوئے ہے۔ ہمت
 ہے لیکن ایک فقرہ کہ کے بیان کو تمام کرنا چاہتا ہوں کہ جو کام کل براہ راست حکم
 خدا سے ہو رہا تھا وہ کام آج زندگی خدا سے لیا جا رہا ہے اب جو حکم خدا کے سہارے
 زندہ رہے وہ جناب ابراہیم اور جناب موسیٰ ہیں اور جس نے زندگی کے سہارے مشیت
 کو اپنا بنالیا وہ زمین العابدین اور سید الساجدین ہیں۔

ہے کہ انسان اس قدر غافل ہو جائے، فرمایا۔ بھائی مجھے وہاں کی آگ نے یہاں کی آگ
 سے غافل بنا دیا تھا۔

۱۲۔ انداز تبلیغ۔ ایک لفظ نے ذہن کا دھار اموڑ دیا۔ کوئی صاحب ایمان اس
 ہے جو اس فقرہ کو سننے کے بعد ایک لمحو کے لئے چونک نہ جائے۔ اور کوئی صاحب شرافت
 ہے جس کے فخر میں عبادت الہی کی اہمیت کا شعور بیدار نہ ہو جائے۔ ایک معصوم اور
 آخرت کی آگ کا اتنا خیال اور ہم غیر معصوم اور اس قدر غافل۔ میں تو یہ عرض کر رہا
 کہ معصوم نے دو مسئلے بیک وقت حل کر دیئے۔ یہ بھی بتا دیا کہ جسے آخرت کا خیال ہوتا ہے
 اسے دنیا کے مصائب کی پردہ نہیں ہوتی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ جو آدمی توبہ ہو جاتا
 ہے اس کا ردھر کا انتظام خود بخود ہو جایا کرتا ہے۔ میں نماز تو بھی دیتا تو کیا کرتا
 آگ ہی تو بجھاتا۔ وہ کام تو بالآخر ہو ہی گیا اور میرے علوم میں بھی کوئی فرق نہیں آیا
 اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی غیر ذمہ دار ہو جائے اور گھر میں آگ لگا کر
 نماز شروع کر دے۔ نہیں نہیں اسلام مقابلہ کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام علوم کا مذہب
 ہے۔ اب مسائل دنیاوی ایسا ہی عمل کہ سے تو امام کی منزل کو نہیں پہنچ سکتی۔ ان کا
 عمل ان کے حلقوں کی پیداوار تھا اندیہ عمل ان کے عمل کی پیداوار ہو گا۔ یہ ایمان
 یقین کی ایک نزل ہے جو ہر کس دنیا کی کو حاصل نہیں ہوتی۔ بس انسان کا فرق ہے
 کہ ایسا یقین ایسا ایمان۔ ایسا عقیدہ اور ایسا عمل پیدا کرے کہ مسائل حیات خود بخود
 حل ہو جائیں اور عبادت الہی میں فرق نہ پائے۔ یہ عبادت سے کنادہ کشی ہی کا
 اثر ہے کہ آج زندگی میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے ہیں اور حل کریں والا کوئی نہیں ہے۔
 انسان نصرت الہی پر اعتماد کرتا تو نہ آگ سے مرعوب ہوتا نہ پانی سے شہزادہ کنیز میں
 گرے تو امام کے علوم عمل پر اثر نہیں پڑا اور گھر میں آگ لگی تو اخلاص عبادت پر کوئی اثر

چٹھی مجلس

داستان عزیمت المازین العابدین
بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأولين
والآخريين خاتم النبيين سيدنا و مولانا إمامنا القاسم محمد وآله الطيبين
الطاهرين ولحمة الله على أئمة أجمعين أما بعد فقد قال
الله الحكيم في كتابه الكريم بسم الله الرحمن الرحيم
إِنَّا عَلَيْنَا لَلْكَفُّ ذِي وَإِنَّا لَنَافِلُ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى

ارشاد دیت العزت ہوتا ہے۔ بیشک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اور میرے اور
دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ آیت کریمہ نے صاف واضح کر دیا کہ
رب العالمین نے انسان کی جنمائی تربیت کے ساتھ اس کی روحانی تربیت کی بھی
ذمہ داری لی ہے اور یہ طے کر دیا ہے کہ جس طرح انسان کی پیدائش سے پہلے
شکم مادریں اس کا جسمانی اور مادی رزق فراہم کر دیتا تھا اسی طرح عالم عقل و شوق
میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی روحانی اور عقلی تربیت کا انتظام بھی ہوگا۔ اس نے
ہر دور میں ہادی مقرر کئے۔ ہر زمانہ میں راہنما بنائے اور ایسے پاکیزہ کردار بنائے
کہ ان کی زندگی میں عیب و نقص کا کوئی رجسٹر بھی نظر نہ آسکا۔ ایسے اطاعت خوا
کہ اس کی مرضی کے بغیر قدم نہ اٹھائیں۔ ایسے عبادت گزار کہ سجدہ سے سر اٹھانا فرق نہ
ہو تو سر سجدہ میں رکھ کر کہیں نہ اٹھائیں۔ ایسے بندے کہ خدائی کا دھوکہ ہو اور ایسے
بندہ نواز کہ بندوں میں رہ کر بھی خدا کی شان دکھائی دیں۔

عرب کے مشہور شاعر فرزدق نے امام زین العابدین کی شان میں اسی انداز کی
مرح کی تھی کہ اگر تشہد میں "لا" نہ ہوتا تو یہ ایسے کریم تھے کہ زندگی میں کبھی نہیں نہ
کہتے اور ان کی ہر "نہیں"۔ "ہاں" بن جاتی۔ کتنا حسین نکتہ نکالا ہے اور شاید یہ بھی

دین ہے واقعہ کربلا کی۔ کہ اگر کربلا کے حادثہ عظیمی نے "نہیں" کی قدر و قیمت نہ سمجھا
دی ہوتی تو شاعر کا ذہن اس بلندی کو دار تک نہ پہنچ سکتا۔ یہ باپ اور بیٹے کے
گردان کا اتحاد ہے کہ وہاں "نہیں" سنانی دی تو بیعت یزید کے نام پر اور یہاں
"نہیں" سنانی دی تو تشہد کے موقع پر۔ اور یہ دونوں "نہیں" باپ اور بیٹے میں مشترک
ہیں۔ تشہد میں "لا" ہے دونوں کے یہاں ہے اور بیعت یزید سے انکار ہے تو
دونوں کے یہاں ہے۔ اور میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں فرزدق کے کلمہ کو امام حسین کے
انکار بیعت سے ملا کر یہ کہوں کہ جس کے یہاں لا الہ الا اللہ سلامت ہے اس کے یہاں
بیعت یزید سے انکار بھی ہے اور جہاں بیعت یزید سے انکار نہیں ہے وہاں کلمہ
"لا الہ الا اللہ" بھی ریاکاری ہے ایمان نہیں ہے۔

اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں خواجہ حمیری کہہ گئے ہیں "حقاکہ بنائے لا الہ
است حسین"۔ اور علامہ اقبال نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے: نقش
الإله بر صخر انوشتر۔ حسین لا الہ کی بنیاد بھی ہی اور حسین ہی الا اللہ
کے نقاش بھی ہیں۔ اب جو حسین کا نہیں ہے وہ نہ لا الہ کا ہے نہ الا اللہ کا
۔ اور جو لا الہ الا اللہ کا نہیں ہے وہ مسلمان کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

عربین ان محترم امیر امور و موعظ کلام فلسفہ کربلا میں ہے اور نہ اس وقت
اس سلسلہ میں کوئی تفصیلی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کے بندے
اور اس کے غائب ہونے سے ہمیشہ اس کی مرضی کے پابند اور اس کے احکام کے پابند ہوتے
ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی قدم اس کی مرضی کے بغیر نہیں اٹھتا۔ وہ بیدار ہو کر میدان
میں آتے ہیں تو "لا خبیثۃ فی غیبۃ" کی سند لیتے ہیں اور بستر پر لیٹ کر سو جاتے ہیں
تو رضائے الہی کا سوا کر لیتے ہیں۔

ہوگا جو تیسرے و تیسرے ہوگا اور اسی کی تیسرے و تیسرے شے کر ملائکہ تیسرے و تیسرے کریں گے۔ وہ استاد ہوگا۔ سہدا ملائکہ شاگرد ہوگا۔ وہ معلم ہوگا اور عالم عصمت متعلم ہوگا۔ وہ طریقہ معین کرے گا اور آسمان والے اس کے نقش قدم پر چلیں گے۔ دنیا والے اس کی راہ پر چلیں یا نہ چلیں آسمان والے جانتے ہیں کہ صراط مستقیم اسی کے نقش قدم کا نام ہے اور نعمتیں انھیں بندوں پر تمام ہوتی ہیں۔ اللہ انھیں کے عمل سے راضی ہے اور دین انھیں کا دین کامل ہے۔

خلوقات الہی میں دو قسم کی مخلوقات معصوم ہیں جن کے دامن کو وار پر خطا و خطی کا کوئی دھبہ نہیں ہے۔ ایک ملائکہ ہیں اور دوسرے انبیاء و مرسلین۔ لیکن دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک کو اللہ نے اپنے منصب امامت کا اہل سمجھا ہے اور ایک وہ ہے جسے اس منصب کا اہل نہیں سمجھا گیا اور وہ اولیٰ ہی اعلان کر دیا گیا کہ تمہاری تیسرے و تیسرے اپنے مقام پر ہے۔ تمہاری عبادت و بندگی اپنے مقام پر ہے لیکن ہمارا منصب اس سے بالاتر ہے اور ہم ہر عبادت گزار۔ ہر معصوم کو وار کو اس کا اہل نہیں سمجھتے۔

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو منصب اتنا طیب و طاہر ہو کہ معصوم فرشتوں کو نہ مل سکے وہ غیر معصوم بندوں کو کیوں کر مل سکتا ہے۔
ہیں تو اس سے بالاتر کہنا چاہتا ہوں کہ نگاہ غیب میں کل عزت آدمی ہی ہے کہ انھیں اس عظیم منصب کا اہل قرار دیا گیا جس کے اہل معصوم فرشتے بھی نہیں تھے۔ اسلام میں منصب خلافت فرشتوں کا حصہ نہیں ہے آدمی جیسے نیک کردار انسان کا حصہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص خلافت و امامت کے منصب سے عصمت کو دار کی خطر نکال دے تو وہ غلط قرآن کا بھی مخالف ہے اور عزت آدمی کا بھی۔

ایسے پاکیزہ کردار بندے یا آسمان پر ملائکہ میں دیکھے ہیں یا زمین پر انبیاء و مرسلین میں۔ ملائکہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "يَقْعُدُونَ مَا دُورُكُمْ" وہ ہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے اور انبیاء کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "جَعَلْنَا هُمْ اٰيٰتًا يَّهْدٰى دُنَّ بِاَمْرِنَا" ہم نے انھیں امام اور رہنما بنایا ہے تاکہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں اور ان کی طرف وحی کی کہ نیک عمل کرتے رہیں۔ نمازیں قائم کرتے رہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور یہ سب ہمارے جاہل اور عبادت گزار بندے تھے۔

آیت کریمہ میں ایک طرف انبیاء و مرسلین کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے اور دوسری طرف ان کی شان بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ہم نے ذمہ داری معین کر دی اور انھوں نے مقام عمل میں قرار اختیار کیا۔ نہیں نہیں۔ ہم نے انھیں ذمہ دار بنایا تو انھوں نے مکمل طور پر اپنی ذمہ داری کو ادا کیا اور اس شان سے ادا کیا کہ ہم نے انھیں "عابدین" کی سند دے دی اور ان کی عبادت کا اعلان کر دیا۔ لیکن یاد رکھو کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے انھیں امام بنادیا اور نیک عمل نماز۔ زکوٰۃ کی نصیحت کر دی تو وہ عابدین گئے۔ بلکہ ہم نے واضح نقطوں میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ عابد تھے اس لیے ہم نے انھیں منصب امامت عطا کیا ہے۔

ارباب نظر! غور فرمائیے کہ مالک کائنات نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں عبادت گزار کی منصب کے بعد نہیں ہے کہ انبیاء کو رہنا جیسا بشر فرض کر لیا جائے منصب عبادت کے بعد ہے کہ اگر منصب کا اعلان دنیا میں ہوا ہے تو شان عبادت یہاں دیکھنا ہوگی اور اگر منصب کا اعلان قبل خلقت آدمی ہوا ہے تو شان عبادت بھی وہی نظر آئے گی۔ ملا اعلیٰ کا ماحول ہوگا۔ عالم قدس کی نصیحت ہوگی۔ کائنات میں سنانا ہوگا۔ موجودات کا دور دور پتہ نہ ہوگا ایک خالق کا جلوہ ہوگا اور ایک نوہم

جائے۔ وہ آدم سے جیسی ملایا جاسکتا۔

ملائکہ نے سجدہ کیا اور ”ساجدین“ کہلائے۔ ابلیس نے انکار کیا اور مرد و بارگاہ الہی قرار پایا۔ اب یہ فیصلہ آسان ہو گیا کہ نگاہ قدرت میں مقرب کون ہے۔ اور ابلیس کون ہے؟ دین الہی میں سجدہ کی کیا اہمیت ہے اور سجدہ نہ کرنے کا کیا مستر ہوتا ہے۔ مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک نکتہ کہ دینا کافی ہے کہ جب آدم کو سجدہ نہ کرنا ابلیس بنا دیتا ہے تو خود پروردگار کو سجدہ نہ کرنا کیا بنا دیتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں۔ اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب آدم کے سامنے سر جھکا دینے والے ”ساجدین“ بن گئے تو زندگی بھر سجدہ پروردگار کرنے والے کس منصب کے حامل ہوں گے اور ان کا کیا مرتبہ ہوگا۔ اس سلسلے میں صرف ایک لفظ کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ اللہ نے اپنی دونوں معصوم مخلوقات کا تذکرہ کرتے ہوئے دو نقطیں استعمال کی ہیں۔ انبیاء کے بارے میں لفظ ”عابدین“ استعمال کیا ہے اور ملائکہ کے بارے میں لفظ ”ساجدین“۔

اب ادباً نظر خود فیصلہ کریں کہ اس بندہ پروردگار کا کیا مرتبہ ہوگا تو عابدین کی تھقل میں جائے تو زین العابدین بن جالمے اور ساجدین کی بزم میں آئے تو سید الساجدین بن جائے۔ اس کا مقابلہ نہ انبیاء سے ہو سکتا ہے نہ ملائکہ سے۔ وہ انبیاء کے بزم کی رونق ہے تو ملائکہ کے کاروانِ بحیرہ کا سرکارِ داراں۔

اسے ان معصوم مخلوقات سے بھی ملانا۔ اس کا مرتبہ ان دونوں سے بھی بلند ہے۔ وہ انبیاء سے بھی بالاتر ہے اور ملائکہ سے بھی افضل۔ وہ ناقم مسلمان ہیں جو ایسے عظیم کردار کو امت کے گنہگاروں سے ملاتے ہیں اور وہ جلیل قرآن یزید تھا جو ایسے عظیم انسانوں سے مطالبہ محبت کر رہا تھا کہ ملائکہ راہ خداؤں نے اپنے کردار سے واضح کر دیا کہ جب بھستے انبیاء اور ملائکہ اطاعت کا مطالبہ نہیں کر سکتے تو زین کی کیا بساط اوقات ہے اور امام زین العابدین

اور یاد رکھئے کہ عظمت قرآن سے ایمان والا ستر ہے اور عزت آدم سے آدمیت والا ستر ہے۔ اس منسزل میں راہ حق سے ہٹ جانے والا نہ آدمی رہ سکتا ہے نہ صاحب ایمان۔

معصوم مخلوقات میں اللہ نے ایک کو منصب کا اہل بنایا ہے اور ایک کو نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرشتوں کے عمل و اخلاص اور ان کے معصوم کردار میں کوئی فرق ہے۔ نہیں۔ اس نے خود فرشتوں کے کردار کی بلندی کا اعلان کیا ہے اور ان کی پیدائشی عصمت کو واضح کیا ہے بلکہ خود آدم کے مسئلہ میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ میرے معصوم فرشتہ اتم منصب خلافت کے اہل نہیں ہو لیکن تمھارا فرض ہے کہ جب پسند آدم میں روح ہدایت پھونک دی جائے تو تم سب سب سجدہ میں گر پڑنا۔ اس انداز سے تمھاری عصمت کا امتحان ہوگا کہ تم کس قدر اطاعت خواہ اور فرماں بردار ہو۔ صرف منصب کی طلب ہے یا ذوق بندگی بھی ہے۔ ملائکہ نے سجدہ کر کے بتا دیا کہ ہم بندے ہیں اور ہمارا کام بندگی کرنا ہے۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کر کے واضح کر دیا کہ ہمیں صرف منصب کی ضرورت ہے اور وہ نہ ملے گا تو سجدہ بھی نہ کریں گے۔ اور سجدہ بھی تیرا ہوتا تو شاید کر لیتے لیکن یہ کیا غضب ہے کہ آدم کے مقابلہ میں منصب سے محروم بھی کیا اور اب اسی آدم کو سجدہ بھی کرایا جا رہا ہے۔ یہ ہمارے پس کی بات نہیں ہے۔ ملائکہ اور ابلیس میں یہی فرق ہے کہ ملائکہ میں ہوس منصب نہیں ہے ذوق بندگی ہے اور ابلیس میں ہوس منصب ہے ذوق بندگی نہیں ہے اور یہی میرے کہنے کا مطلب ہے کہ جس میں ہوس منصب کے بجائے ذوق بندگی ہو اسے فرشتوں سے ملایا جائے اور جس میں ہوس منصب ہو اور خلیفۃ اللہ کے سامنے جھکنے کا حوصلہ ہو اسے ابلیس سے ملایا

کوئی ستارہ پرست تھا کوئی چاند کو خدا بنا رہا تھا۔ کوئی سورج کی پوجا کر رہا تھا۔ ایک نظر میں سب کی خدائی کو باطل کر دے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ سارے خدا ہے تو کیا کیوں ہے۔ اگر یہ چاند خدا ہے تو غروب کیوں ہوتا ہے اور اگر سورج خدا ہے تو زوال کیوں ہوتا ہے۔ خدا کے لئے تو زوال و غروب نہیں ہے۔ خدا کو زوال تو بندوں کا کیا حشر ہوگا اور خدا کو دُوب گیا تو بندوں کا کیا انجام ہوگا۔ انہیں تو چلو پالی بھی نہ ملے گا کہ اسی میں دُوب میں۔

انداز گفتگو بتا رہا ہے کہ ابراہیمؑ نے معرفت الہی میں مخلوقات کو ذریعہ معرفت بنا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ بندوں کو معرفت خدا میں مخلوقات ہی کو ذریعہ بنانا اور اسی طرح سوچنا ہوگا کہ جب یہ مخلوقات خدائی کرنے کے قابل نہیں ہیں تو دوسری ہوتی ہے جو خدائی کی لہلہ ہے اور اسی کے اشاروں پر یہ کائنات چل رہی ہے لیکن امام زین العابدینؑ کا انداز معرفت اس سے جداگانہ ہے۔ آپ دعا کرتے تھے: خدائی میں بانگاہ احدیت میں عرفی کہتے ہیں: **يَا مَلِكُ عَزَّوَجَلَّ وَانْتَ كَلْتَنِي** **وَكُوْنُوْا تَنِي اَيْلَكَ** پروردگار میں نے تجھ کو ترسے ہی ذریعہ بنایا ہے اور میں ہی اپنی طرف تجھے دعوت دی ہے اور تو نے ہی میری راہنمائی کی ہے۔ تو نہ ہوتا تو معرفت نہ ہوتی اور میری رہنمائی نہ ہوتی تو کوئی تجھ تک پہنچ نہ سکتا۔ یہ انداز امام زین العابدینؑ کا نہیں ہے بلکہ محمدؐ کا شرک انداز ہے۔

مولانا کا خات "دعا ہے مبارک" میں عرض کرتے ہیں: **يَا مَلِكُ وَانْتَ كَلْتَنِي** **وَكُوْنُوْا تَنِي اَيْلَكَ**۔ اسے وہ خدا جس نے اپنی ذات کی طرف اپنی ذات ہی سے راہنمائی کی ہے اس کی معرفت کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے وہ اپنی معرفت کا خود ذریعہ ہے۔ ایسا ہی ہے اور آل محمدؐ نے یہ نیا طریقہ کون نکالا ہے۔ انبیاء اس راہ پر کیوں نہیں چلے۔

نے تو صاف انداز سے واضح کر دیا کہ جب دوسرے علی کو امت کے گنہگاروں سے نہیں ملایا جاسکتا تو پہلے علیؑ کا کیا مرتبہ ہوگا۔ اور جب دوسرا علیؑ انبیاء اور ملائکہ سے بہتر ہے تو پہلے علیؑ کی کیا منزل ہوگی یا واضح لفظوں میں ملل کہا جائے کہ جب جیسا کا جیسا کائنات کے تمام ارباب صحت سے افضل و بالاتر ہے تو جیسا کے باپ کی کیا منزل ہوگی۔

اور شاید اسی لئے پیغمبر اسلامؐ نے کہہ دیا تھا کہ میرے فرزند حسنؑ جو جنت کے جوانوں کے سرور ہیں اور ان کے باپ ان سے بھی افضل و بہتر ہیں۔ اب دنیا تو فیصلہ کرے کہ جب سرور اہل کعبہ و کربلا جنت نہیں مل سکتی تو ان کے باپ سے لڑا کر کیونکر جنت مل سکتی ہے۔

امام زین العابدینؑ کی زندگی میں انصافیت و برتری کے دلائل تلاش کے بعد اہل اہل و عیال کے وہ کہیں سے امتیازات ہیں جن کی بناء پر آپ کا مرتبہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ سے بہتر ہے تو اس ذیل میں سب سے پہلے معرفت کی منزل میں قدم رکھنا ہوگا۔ انبیاء و مرسلین کی معرفت اور ملائکہ مقربین کے عرفان میں کوئی شک نہیں ہے۔ عرفان وہ ہے جو حق کو معلوم نہ ہوتے اور معرفت میں کوئی نقص ہوتا تو عصمت کی منزل حاصل ہوتی۔ اور تائید مذہب نے انی معصومین کے عرفان کے جو مرتبہ پیش کیا آل محمدؐ کی منزل کچھ اندہ ہے اور ان کا

صرف ایک خباب ابراہیمؑ کی مثال
یہ ہے افضل و برتر ہے انہیں ملی
اخترت حاصل ہے۔ قرآن مجید ان کے
کے ساتھ آئے اندر قوم کو گمراہی میں خرق

میں یہی ہے جو حق کو معلوم نہ ہوتے اور معرفت میں کوئی نقص ہوتا تو عصمت کی منزل حاصل ہوتی۔ اور تائید مذہب نے انی معصومین کے عرفان کے جو مرتبہ پیش کیا آل محمدؐ کی منزل کچھ اندہ ہے اور ان کا

اپنی معرفت تیرے ذریعہ سے عطا کروں گا۔ سب مجھے دنیا کے ذریعہ پہچانیں گے اور دنیا مجھے تیرے ذریعہ پہچانے گی تاکہ محتاج اور بے نیاز کا فرق واضح ہو جائے اور اہل دنیا سمجھ لیں کہ جو کائنات کا محتاج ہوتا ہے وہ کون ہوتا ہے اور جس کی کائنات محتاج ہوتی وہ کون ہوتا ہے۔

اور جب کائنات اپنے وجود میں تیری محتاج رہے گی تو معرفت میں تیری محتاج کیسے نہ رہے گی اور جب سب کو تیرا محتاج بنا دوں گا تو سب تیرے تابع فرمان ہوں گے چاند تیرے اشاروں پر ٹکڑے ہوگا۔ سورج تیرے اشاروں پر مغرب سے پلٹ آئیگا۔ پانی تیرے اشاروں پر جو اہرات میں تبدیل ہو جائے گا۔ سنگ پتھر سے تیرے اشارہ پر ٹکڑے پڑھنے لگیں گے اور ملک الموت تیرے اشارہ پر تیری رائیہ کی روح کو واپس کر دیگا۔ دنیا پہچان لے کہ تجھے میں نے کچھ اور بنایا ہے اور دنیا کو اور — تیری منزل کچھ اور دکھی ہے اور انبیاء کی منزل کچھ اور — انبیاء میں سلیمان بھی ہو گئے تو ملک الموت انھیں شیخ کی اجازت نہ دیں گے اور تیرے گھرانے کا قیدی بھی ہو گا تو ملک الموت بلا اذن قدم آگے نہ بڑھائیں گے۔

جب انبیاء کا انداز معرفت دیکھ لیا اور آل محمد کی انفرادیت سمجھ میں آگئی تو ملائکہ کے ذمہ کرنے کا فرود نہ رہا۔ وہاں معرفت کو دیکھ کر تو بڑی حیرت ہے۔ بلا وسیلہ اپنی معرفت بھی نہیں ہے۔ کیا دنیا اس واقعہ کو بھلا دے گی کہ جزم پیغمبر میں جبریل امین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اچانک علی آگئے۔ جبریل تعظیم کے لئے ٹکڑے ہو گئے۔ پیغمبر نے پوچھا جبریل تم نے تعظیم کیوں کی۔ عرض کیا خدا کے رسول! علی! کابھہ پر حق ہے۔ جب عالم انوار میں مجھ سے سوال ہوا تھا کہ جبریل بتاؤ تم کون ہو اور میں کون ہوں؟ تو نور علی نے میری راہنمائی کی تھی — اسکتی یا نہ نصیب ہے وہ اخت جس کو

و ادیت واضح ہے۔ ایک لمحہ کے لئے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھئے انبیاء اس راستہ کو اختیار کر لیتے تو بے معرفت رہ جاتے اور اہلیت اس راستہ کو اختیار نہ کرتے تو بے معرفت رہ جاتے۔ یعنی اہلیت کے لئے ہی راستہ ممکن تھا جو انھوں نے اختیار کیا ہے اور انبیاء دوسرے کے لئے ہی راستہ ممکن تھا جو انھوں نے اختیار کیا ہے۔ اس میں نہ ان کا کوئی قصور ہے اور نہ ان کا کوئی قصور۔ یہ تخلیق کا ایک فلسفہ ہے جس نے ہر ایک کا انداز معرفت جدا جدا کر دیا ہے تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہا جائے کہ انبیاء کی تخلیق زمین و آسمان کے بعد ہوئی ہے۔ انھوں نے پیدا ہونے کے بعد زمین کو دیکھا ہے۔ آسمان کو دیکھا ہے۔ ستاروں کو دیکھا ہے۔ چاند کو دیکھا ہے۔ سورج کو دیکھا ہے۔ کو اکب کو دیکھا ہے۔ سیارات کو دیکھا ہے اور پھر انھیں کو ذریعہ معرفت بنایا ہے اور دنیا کو آواز دی ہے کہ اگر خدا کو پہچانا ہے تو انھیں مخلوقات کو ذریعہ بناؤ۔ میں معرفت لے کر آیا ہوں لیکن اس کائنات میں معرفت کا واحد ذریعہ ہی مخلوقات ہیں جنھیں دیکھ کر خالق کے وجود، اس کے علم و اقتدار اور اس کی حکمت و عدالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے لیکن آل محمد کی منزل اس سے جدا کا نہ ہے۔ ان کا نور اس وقت پیدا ہوا ہے جب زمین نہیں تھی۔ آسمان میں تھا۔ شامے نہیں تھے۔ کو اکب و سیارات نہیں تھے۔ ایسے موقع پر ان مخلوقات کو معرفت کا ذریعہ بنایا جاتا تو یہ ذریعہ معرفت ہی رہ جاتا اور نور کا بے معرفت رہنا ممکن نہیں تھا اس لئے قدرت نے اس کے لئے معرفت کا نیا راستہ نکالا اور آواز دی۔ لئے نور محمدی کائنات مجھے مخلوقات کے ذریعہ پہچانے گی تجھے میں اپنی معرفت براہ راست عطا کروں گا۔ تو زمین کا محتاج ہو گا نہ آسمان کا۔ نہ ستاروں کا محتاج ہو گا نہ کو اکب و سیارات کا۔ تیرا انداز الگ ہو گا۔ تیری منزل الگ ہو گی اور تجھے اتنا بلند تر بنا دوں گا کہ دنیا مجھے مخلوقات کے ذریعہ پہچانے گی اور میں مخلوقات کے

میں یہ کہ اس گمراہ سے پیرا بھی نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ آپ نے نہایت جلد سے یہ فیصلہ کر لیا کہ عام میں امام زین العابدین سے بحث کرنے لگے اور یہ کہ امامت کا حقدار آپ کا ہے۔ میں عمریں تم سے بڑی ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم میراث امامت میرے لئے کر دو اور اس طرح امت پر حقیقت واضح کر دی۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ آپ تو جانتے ہیں کہ اپنے باپ کے بعد امت کا امام میں ہوں اور اگر آپ کو اس میں شک ہے تو چلئے غار کعبہ میں حجر اسود سے شہادت طلب کریں وہ جس کی امامت اللہ تعالیٰ دے دیگا اسے امام تسلیم کر لیا جائے گا۔ محمد حنفیہ خوش ہو گئے اور خوشی خوشی کے ساتھ حجر اسود تک آئے۔ سلام کیا کوئی جو اب نہیں ملا۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے سلام کیا۔ حجر اسود نے جواب سلام دیا اور آوازی کہیں لاری دیتا ہوں کہ آپ وہی رسول اور امت کے امام ہیں۔

فیصلہ ہو گیا۔ حقیقت بے نقاب ہو گئی۔ محمد حنفیہ مطمئن ہو گئے لیکن قوم کے انہیں افراد یہ کہنے لگے کہ محمد حنفیہ نے بھی معاذ اللہ اسی طرح دعوائے امامت کیا تھا جس طرح امیر المومنین کے دربار میں اور لوگوں نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ لہذا دونوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک ہونا چاہیے۔ لیکن میں کہوں گا کہ کاش دنیا کے آسمان پر ہوتا کہ ان کے دعویٰ اور دعوں میں اور محمد حنفیہ میں ایک بنیادی فرق ہے کہ وہ لوگ امامت کو قوم کا حق سمجھتے تھے اور محمد حنفیہ اسے خدائی منصب سمجھتے ہیں۔ خدائی منصب نہ سمجھتے تو قوم سے انکس کر آتے۔ حجر اسود سے فیصلہ نہ کراتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محمد حنفیہ کو معلوم تھا کہ حجر اسود کسی کا تابع نہیں ہے۔ قوم کا امام مان لینا آسان ہے۔ حجر اسود کا گواہی دینا بہت مشکل ہے۔ اگر ان کی نیت میں ذرا بھی فساد ہوتا تو کبھی اس فیصلہ پر ذرا بھی نہ ہوتے لیکن ان کا تو منشا ہی یہی تھا کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام ہونا چاہیے۔ دوسرا تصور یہ تھا کہ واقعہ کہ بلا ایک نیا اقدام چاہتا ہے اور اتنا عظیم ظلم خاموشی سے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ فرد ہے کہ دقت کا امام اٹھے اور یزیدیت سے انتقام لے کر اسے فنا کر دے اور امام علی بن الحسین خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور صرف اپنے باپ کا ماتم کر رہے ہیں۔ لہذا کسی ایسے کو امام بنالینا چاہیے جو حالات کے تقاضے کے مطابق اٹھے اور بنو امیہ کے تخت و تاج کو خاک میں ملا دے۔

ان دونوں تصورات کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان میں امامت کو اہلیت کے بجائے وراثت سے مربوط کر دیا گیا ہے۔ امام زین العابدین الہی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ امامت کے لئے اقدام اور انتقام کو ضروری سمجھا گیا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ امامت کے لئے اقدام و انتقام ضروری ہوتا تو وفات پیغمبر کے بعد امیر المومنین بھی امام نہ رہ جاتے اور آپ کا مسلسل ۲۵ سال کا سکوت محلی اعتراض نہ ہو جاتا۔ امام کا سکوت خود اس بات کی دلیل ہے کہ امامت کے اقدامات حالات اور مصالح کے تابع ہوتے ہیں۔ مصلحت ہوتی ہے تو اقدام کیا جاتا ہے ورنہ سکوت اختیار کر لیا جاتا ہے۔ امام زین العابدین کے حالات کیا تھے اور آپ کی ذمہ داریاں کیا تھیں اس کا تجزیہ کرنے کے لئے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ حالات ہر انسان کی نگاہ کے سامنے ہیں۔ اب یہ ذمہ داری بڑا راستہ جناب محمد حنفیہ کی تھی کہ وہ قوم کو امامت کے مفہوم سے آشنا کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ امام میں نہیں ہوں۔ امام میرا بیٹھتا ہے لیکن ان کے ساتھ بھی یہ دشواری تھی کہ وہ ایک ایسی نااہل قوم دیکھ چکے تھے جس نے باپ کی صلہ بندی کو دیکھ کر خوار و کج کا رنگ اختیار کر لیا تھا اور باپ ہی سے درپے جنگ ہو گئے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ حقیقت واضح ہو جائے اور لوگ

محمد المکمل بھی آگیا۔ ہشام کو بھر اسود تک جانے کا راستہ نہ ملا اور حضرت
مجمع خود بخود ہٹ گیا۔ کسی نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہیں جن کے لئے قدرتی
یہ اہتمام ہوا ہے۔ ہشام نے کہا کہ میں نہیں پہچانتا۔ ایہ سننا تھا کہ فردوق
خوش آگیا۔ کہنے لگا کہ امیر تو اسے نہ پہچانے گا۔ یہ وہ ہے جس کے تدبیروں
کو سرزمین بطحا پہنچاتی ہے۔ اسے حل و حرم پہنچاتے ہیں۔ اسے خانہ کعبہ
میں لے جاتے ہیں۔ یہ رسول اعظمؐ کا وارث ہے۔ بہترین بندگان خدا، متقی، پرہیزگار۔
پیش میں انشاء کرم کی منزل پر فائز ہے۔ یہ کعبہ کی طرف بڑھتا ہے تو کعبہ
میں کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے۔ یہ ابن فاطمہ ہے۔ یہ فرزند رسول ہے۔ اس کا
ہرے کہ جب کوئی سانسے آجاتا ہے تو یہ کمالِ غیرت سے سر نہیں اٹھاتا اور وہ
مالِ ہیبت سے سر جھکائے رہتا ہے۔

فردوق کا کیا انجام ہوا یہ آپ کو معلوم ہے۔ حکومتوں کے پاس سزا دینے کے
کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن فردوق نے عدل کا حق ادا کر دیا اور بتا دیا کہ
میں نہ پہچانتا اپنے کفر کی علامت ہے۔ ان کی شخصیت پر اس کا کوئی اثر
نہیں ہے۔

حالات کی یہ نزاکت تھی جس نے بظاہر امام کا مشغلہ گریہ و زاری کو بنا دیا تھا
آپ آنسوؤں کی چھاؤں میں تبلیغِ دین کر رہے تھے۔ متشاور یہ تھا کہ گریہ و زاری
کو دینہ ذہنوں کو ہموار کیا جائے۔ طبیعتوں کو گھٹلایا جائے اور جب غم کی آہ
کو ہارم ہو جائے تو صیغہ کاملہ کی چوٹ لگائی جائے۔ گریہ مقصد زندگی نہیں تھا بلکہ
سرخ تھا جس طرح سرل اعظمؐ نے چالیس سالہ سکوت سے قوم کے ذہن کو ہموار کیا تھا
اس کے بعد اپنے نظام کو پیش کیا تھا۔ اسی طرح امام دین العابدینؑ نے گریہ و زاری

مجمع کو کھلے کہ امام کیسا ہوتا ہے اور امامت کے کمالات کیا ہوتے ہیں تاکہ جہاں ایسے
کمالات نظر آئیں وہاں امامت تسلیم کی جائے اور جہاں ایسے کمالات نہ ہوں وہاں
خلافت و حکومت ہو تو ہو امامت نہ ملے۔

محمد حنفیہ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اور قوم پر دلائل کو دیکھا امامت پیدا الساجدین
کا حق ہے میرا حق نہیں ہے۔ اب امام کی ذمہ داری ہے کہ چپاکی نیک نفسی کی جزا دیں
اور دنیا پر دلائل کو دیں کہ میرا چپا نیک نفس اور بے عمل نہیں ہے۔ چنانچہ امام نے بھی مس نیت
کی جزا دی اور بہترین جزا دی کہ جب حضرت عثمانؓ نے انتقامِ خون حسینؑ کی تحریک چلائی
کی اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا یہ مسئلہ میرے چچا کے حوالے ہے۔ اب اگر محمد حنفیہ
مخالفت ہوتے تو اتنا بڑا مسئلہ ان کے حوالے نہ کیا جاتا اور ان کی مرضی کو مرضی امامت
نہ قرار دیا جاتا۔ یہ محمد حنفیہ کے حسن نیت کی جزا تھی کہ میرے کمال کا اظہار آپ کا

فریضہ ہے اور آپ کے کمال کا اعلان میرا فرض ہے۔ اس کا ایک عظیم تدبیر ہی فائدہ یہ
ہوا کہ عثمانؓ کو تحریک انتقام کی اجازت مل گئی اور سیاسی دنیا میں امامت پر انتقام
کا الزام نہیں لگایا جاسکا۔ ورنہ جس طرح کل امیر المومنینؑ کے اقدامات پر جرحی ملک
کا الزام لگادیا گیا تھا اسی طرح آج بھی عثمانؓ کی تحریک کو امام زین العابدینؑ کے
”جرحی ملک“ کا نام دے دیا جاتا۔ کیا کتنا مصیبت امامت کا کہ قاتلانِ حسینؑ کا خاتمہ
بھی ہو گیا اور دامن امامت پر کوئی وجہ بھی نہیں آئے پایا اور کیا کتنا عثمانؓ کی نیک
نیتی کا کہ اپنے اقدام میں کھلم کھلا امام کو شریک نہیں بنایا اور از فی مولا! خدام
ملک گیری کا الزام لے سکتا ہے لیکن آپ کے دامن پر کوئی الزام نہیں آنے دے گا۔
دنیا امام زین العابدینؑ کی شخصیت کو پا مل کر سننے کی طرح تلی ہوئی تھی اس کا
اندازہ اس وقت ہوا جب حضرت حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور دوسرے

اندازہ کر سکتا ہے کہ زندگی کن مصائب سے گزری ہے اور بیمار امام نے کس طرح
میر کیا ہے۔ دنیا سے تو آل محمد کا ردنا بھی برداشت نہ ہو سکا۔ مگر بلا سے شام تک
بایاں پڑا تا زیانے مارے گئے کہ کوئی عزیزوں کے غم میں روتے ہوئے۔

آپ سوچ سکتے ہیں کہ سیکند باب کے لاش سے لپٹی ہوئی ہے اور شہر تازیانے لگا
ہے۔ عابد بیمار کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور اشقیاء و نوک نیزہ چھو رہے ہیں شہر اویلا
باجا جاتی ہیں اور سامنے داروں کے سر لاکھ دینے جاتے ہیں اور تماشاخیوں کا
لگا دیا جاتا ہے۔ جس پر یہ مصائب گزرے ہوں انھیں کا دل جانتا ہے کہ ایک دو پر
لاشوں پر لاشیں و خازوں پر جنازے آئیں۔ عمر ہوتے ہوئے باپ کا سر نوک نیزہ
تھوڑی دیر میں باپ کے لاش پر ادھر کے سوار ادھر۔ ادھر کے سوار ادھر چند گئے
اور سے گئے کہیموں میں آگ، بھڑکتے شعلے، لٹی چادریں، تازیانے، طاپچے۔ امام
بے گود و گفن لاشوں کو چھوڑ کر اس شان کی روانگی کہ ماں بہنیں گنگے سر۔ اپنے ہاتھوں
میں ہتھکڑیاں۔ پیروں میں بیڑیاں۔ گنگے میں طوق خاردار۔ پھر کوٹہ کا بازار۔ ابن زیاد
کا دربار۔ شام کی منزلیں۔ منادی کی آواز تماشاخیو! تماشا دیکھو یہ اہلبیت رسول
کے یقین قیدی بنا کر لایا جا رہا ہے۔ جس کی نظر میں ایسے مصائب ہوں اس کا گریہ
تھم سکتا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب خادم نے عرض کی کہ بولا کب تک روئے گا۔ فرمایا
میں نے انصاف نہیں کیا۔ یعقوب سے ایک یوسف جدا ہو گیا تھا۔ اتنا بڑے کہ
میں یقین ہو گئی تھیں۔ میرے تو اتنے یوسف ایک دو پر میں تو بے گھر کر دیئے گئے۔ عرض
لا! یعقوب کے لئے یہ تباہ حادثہ تھا لیکن آپ کے لئے تو شہادت میراث ہے۔ فرمایا۔
میراث شہادت میراث ہے لیکن کیا یہ بھی میراث ہے کہ ماں بہنوں کے کھلے ہوئے سروں
لاشوں کا مجمع ہو۔ نوک نیزہ پر سر ہائے شہداء ہوں اور میں قافلہ کو لے کر دیارِ دیار

جلسہ و امام سے ڈھنکی کو ہوا کیا اور پھر عزت کے سبق سکھائے۔ اس کا صحیح اندازہ اس وقت
ہوا جب قید شام سے دہائی ہوئی اور ثانی زہر اٹانے کا میٹھا۔ مزید سے کہہ دو کہ بیمار
لئے ایک مکان خالی کرادے تاکہ ہم اپنے داروں کا ماتم کر سکیں۔ ثانی زہر اگر بلایا مدینہ
جا کر بھی ماتم کر سکتی تھیں۔ لیکن چاہتی تھیں کہ صفت ماتم شام میں بچے تاکہ یہاں کے لوگ
اور یہاں کی عورتیں پر سہ دینے کے لئے آئیں اور ہم ان سے اپنے واقعات بیان کریں
اور یہی آنسو تیسرے غم بن جائیں۔ امام زین العابدین کی زندگی کا انداز بھی یہی تھا کہ پہلا
جلسہ غم پر پکارتے تھے اور جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو اپنے مصائب کے ذیل اسلام کے
حقائق نشر کر دیا کرتے تھے۔ تاریخ کائنات میں اس سے زیادہ حسین طریقہ تبلیغ دیکھنے
میں نہیں آیا اور نہ کوئی افسانہ تصور کر سکتا ہے۔ یہ امامت کا کمال تھا کہ ہجوم مصائب میں
تبلیغ کا انوکھا راستہ نکال لیا اور ایسا راستہ نکالا کہ دشمن کو بھی اس کی تاثیر کا کھڑ پڑھنا
پڑا اور آج جو لوگ بیان فضائل کو حرام نہیں کہتے وہ بھی بیان مصائب اور ذکر عقل کو
حرام کہتے ہیں یہ آنسوؤں کے حلاوت حقوے۔ یہ گریہ ربکا کے حلاوت آدازیں۔ یہ بدعت و
حرام کے نعرے دلیل ہیں کہ دوست غم کی تاخیر و پھانسی یا نہ پھانسی دشمن ضرور پہچانتا
ہے اور اس سلسلہ کو رد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ سیلاب کیا رکے گا جس میں عابد بیمار
کے ۳۵ سال کے آنسو شامل ہوں۔ جس میں ریشہ کبر کا گریہ شامل ہو جس میں قافلہ
زہر کا فریاد شامل ہو۔ جس میں آل محمد کی صفت عز شامل ہو۔ جس میں اولاد رسول کا
درد شامل ہو۔ حکومتیں مٹ گئیں غم حسین نہ مٹ سکا۔ سلطنتیں فنا ہو گئیں۔ ذوق عز
قنانہ ہو سکا۔ یہ قافلہ زہر کی تمنا ہے۔ یہ پیغمبر اکرم کا وعدہ ہے۔ یہ قدرت کا انتظام
ہے۔ یہ ریشہ کبریٰ کی بلیا ہے۔ یہ عابد بیمار کا جہاد ہے۔ وہ شام کا بازار۔
وہ دربار۔ وہ قید خانہ۔ وہ ہجوم مصائب اور وہ بیمار امام کا درد و غم۔

اور گاہ اور ہزاروں کے فتح میں بقیع کی طرف چلا ہوا تھا تو عمار امامؑ نے تابوت سے کربلا
کا رخ کوٹھکے اور آواز دی ہوگی۔ بابا نے آپ کا لال شہر چھوڑ دیا کہ آج میرے جنازہ
کا یہ فتح۔ میرا تابوت اٹھائے والے اتنے سہلے کہ جب میں گرجا سے رخصت ہو رہا تھا
تو آپ کا جنازہ خاک گرم ہو رہا ہوا تھا۔ رنگ صحرانہ کا کفن۔ بابا آپ کا جنازہ دفن
ہو گیا تو ایک اکیلا عمار قبر تھا۔ دعا عزاء القربا۔ نہ چاہتے والے۔ نہ دل کے ٹکڑے۔
ہاں یہ فرد ہے کہ جب میں نے آپ کے جسم اقدس کو قبر میں اتارا تھا تو دو ہاتھ برآمد
ہوئے تھے اور آواز آئی تھی۔ لاؤ بیٹا زین العابدین۔ لاؤ میری امانت کو میرے
حوالے کر دو۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ
وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

نتم شد

اور شہر شہر جاؤں۔

امامؑ کا یہ عالم ہے کہ دن ہے تو روزنا۔ رات ہے تو روزنا۔ کھانا دیکھا تو روزنا۔
پانی آیا تو روزنا۔ کیسے کھاؤں میرا بابا بھوکا دیر ہو گیا۔ کیسے پانی پیوں میرا بابا پیاسا
مارا گیا۔ وضو کا پانی ملنے آیا تو اتنا روئے کہ پانی دو چند ہو گیا اور صینک دیا۔ دنیا
سے یہ گریہ بھی برداشت نہ ہو سکا اور ظالم و سبب بن جہاں ملک نے ۲۵ محرم عشرہ
کو زہر دے کر امامؑ کو شہید کر دیا۔ زہر کا اثر شروع ہوا تو امامؑ بخیر و شکر کو بلا کر
فرمایا۔ جیسا اب میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میری تجیز و تکفین کی ذمہ داری
تمھارے اوپر ہے۔ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ زہر
کا اثر بڑھا۔ امامؑ خاموش ہوئے۔ ملک الموت نے روح قبض کی اور امامؑ نے دنیا
سے انتقال فرمایا۔ مدینہ میں خبر شہادت پھیلی۔ چاروں طرف کھرام۔ پیرسہ دیتے
داؤں کا ہجوم۔ دوڑنے والوں کا مجمع۔ نماز جنازہ ادا کرنے والوں کا اثر دھام۔
آج مدینہ کا رنگ کچھ اور سی ہے۔ آج مسلمانوں کا انداز ہی کچھ اور ہے۔ گریہ بیمار
کا اند۔ یہ اہلبیت میں پہلا جنازہ ہے جو اہتمام سے اٹھ دیا ہے۔ جنازہ بغیر میں چند
افراد۔ جنازہ نہ ہزار رات کا تازیکیں۔ جنازہ اہل خاموشی کے ساتھ۔ جنازہ جن غیبی
پر تیردن کی باریش اور جنازہ حسینؑ کی ہلاکی خاک پر کہ ادھر کے سوار ادھر اور
ادھر کے سوار ادھر۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب امامؑ بخیر و شکر غسل و کفن دے کر
جنازہ رکھا ہے تو نماز پڑھنے والوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ آسمان سے ملائکہ کی تکیہ کی
آوازیں بلند تھیں۔ ہر طرف شور مچا رہا تھا۔ مگر عمار ادا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں
کہ یہ منظر دیکھ کر روح سید بھاکر خاں ہوگی اور اپنے جنازہ کا یہ عالم دیکھ کر روح
امامؑ مطمئن ہوگی۔ نہیں ہرگز نہیں! میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ جب جنازہ کا اندھوں پر بلند